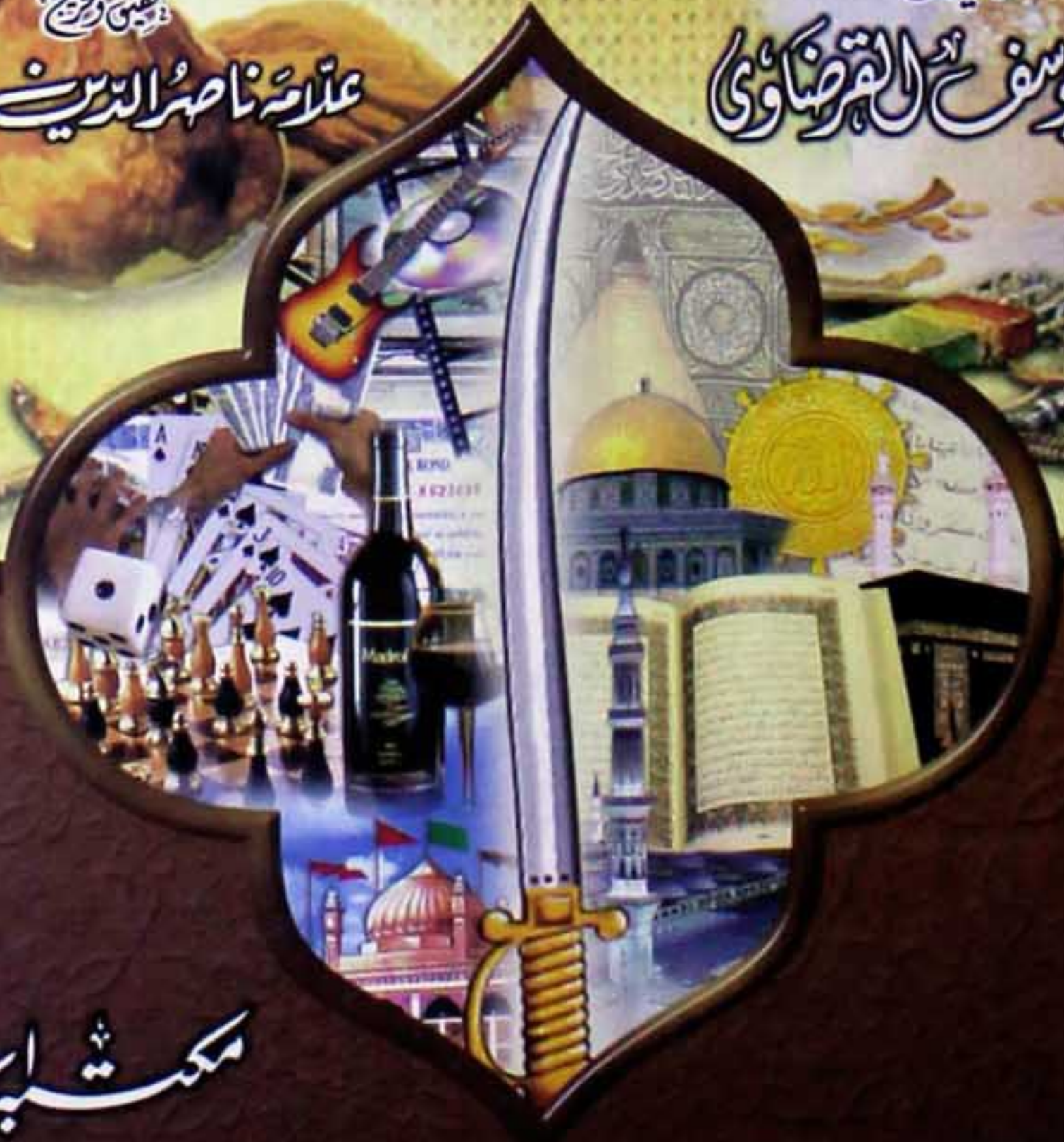


انستیکل
پیر

حلال و حرام

تفصیلی و تفصیح
علامہ ناصر الدین البانی

تالیف
علامہ یوسف القرضاوی



مکتبہ اسلامیہ

ایسلا

میں

حلال و حرام



تالیف علامہ یوسف القرضاوی

تالیف

ترجمہ شمس پیرزادہ

ترجمہ

تخریج علامہ ناصر الدین البانی

تخریج

تعلیق شیخ صالح بن فوزان

تعلیق



مکتبہ اسلامیہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	اسلامیہ حلال و حرام
تالیف	علامہ یوسف القرضاوی
ترجمہ	شمس پیرزادہ
تخریج	علامہ ناصر الدین البانی
تعلیق	شیخ صالح بن فران
ناشر	مکتبہ اسلامیہ
قیمت

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

بیسمنٹ سمت بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2034256, 041-2631204

E-mail: maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	برہمنوں کے نزدیک جانوروں کو	11	پیش لفظ
47	ذبح کرنے اور کھانے کا مسئلہ	13	باب اول
48	حرام جانور یہود و نصاریٰ کے نزدیک	15	تعریف
49	جاہلیت میں عربوں کے نزدیک	16	حلال و مباح
	اسلام نے پاک چیزوں کو جائز	17	تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں۔
49	قرار دیا	23	تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق ہے
51	مردار کی تحریم اور اس کی مصلحتیں		حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا
52	بہائے ہوئے خون کی حرمت	27	شرک کے قبیل سے ہے
53	سور کا گوشت	31	حرام چیزیں مضرت رساں ہیں
53	غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور	33	حلال، حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے
54	مردار کی قسمیں		جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام
	مردار کی ان قسموں کو حرام کرنے کی	35	ہے
55	مصلحتیں	35	حرام کے لیے حیلے کرنا بھی حرام ہے
55	استھان کا ذبیحہ	37	نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی
	مچھلی اور ٹڈی مردار کے حکم سے	41	حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشے
56	مستثنیٰ ہیں	42	سے مشتبہات سے بچنا
	مردار کی کھال، ہڈی اور بال سے	44	حرام سب کے لیے حرام ہے
58	فائدہ اٹھانا	46	ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں
60	مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے		باب دوم
61	علاج کی مجبوری	46	حلال و حرام مسلمان کی انفرادی
	فرد کی مجبوری اس صورت میں باقی	47	زندگی میں
			مآکولات و مشروبات

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
81	جس کا شکار کیا جائے اس سے متعلق شرائط		نہیں رہتی جبکہ معاشرہ میں اس کی ضرورت کو پورا کرنے کا سامان موجود ہو
81	شکار کے ذرائع	62	
82	شکار کرنے کے لیے زخمی کرنے والا ہتھیار اور بندوق کے شکار کا حکم	64	ذبح کرنے کا شرعی طریقہ
84	کتوں کے ذریعہ شکار کرنا	64	بحری جانور سب حلال ہیں
86	تیر چلانے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں مل جائے	64	حرام بڑی جانور
88	شراب	66	مانوس جانوروں کی اباحت کے لیے ذبح کرنے کی شرط
88	خمر	66	شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے شرائط
90	نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے	66	ذبح کرنے کے اس طریقہ کی حکمت و مصلحت
91	نشہ آور چیز حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر	70	ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مصلحت
92	شراب کی تجارت	71	اہل کتاب کا ذبیحہ
93	مسلمان شراب کا ہدیہ نہیں دے سکتا	72	جو کنیساؤں اور تہواروں کے لیے ذبح کیا جائے
94	شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ	73	الیکٹرک شاک کا ذبیحہ اور بند ڈبوں کے گوشت کا حکم
95	شراب دوا نہیں بیماری ہے	74	مجوسیوں وغیرہ کا ذبیحہ
97	مُخَدَّرَات (عقل کو بے حس کرنے والی چیزیں)	77	قاعدہ۔ جو چیز نظروں سے غائب ہے اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے
99	جو چیز بھی ضرر رساں ہو اس کا کھانا پینا حرام ہے	78	شکار
101	لباس اور زینت	79	وہ شرائط جو شکار کرنے والے سے متعلق ہیں
103	نظافت اور جمال والادین		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	تصویر کی بے وقعتی سے جائز کر دیتی ہے	105	سونا اور خالص ریشم مردوں پر حرام ہے
158	فونوگرافی کی تصویریں	109	مردوں پر ریشم کو حرام کرنے کی مصلحت
159	تصویر کا مقصد	110	عورتوں کے لیے مباح ہونے کی مصلحت
161	تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ	111	مسلمان خاتون کا لباس
164	بلا ضرورت کتے پالنا	112	عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا
166	شکار اور حفاظت کے لیے کتوں کا جواز	114	شہرت اور تکبر کا لباس
167	کتا پالنا علم جدید کی رو سے	116	زینت میں غلو کے لیے خلق اللہ میں تغیر
169	کسب اور پیشہ	116	گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن کرانا
172	جو شخص کام کی قدرت رکھتا ہو اس کا بیٹھے رہنا حرام ہے	118	بھنویں باریک کرنا
172	سوال کرنا کب جائز ہے	119	بال جوڑنا
174	کام کرنا باعثِ عزت ہے	122	خضاب لگانا
176	زراعت کے ذریعہ روزی کمانا	124	داڑھی بڑھانا
176	حرام کاشتکاری	129	گھر
180	صنعت و حرفت	130	تعیش اور بُت پرستی کے مظاہر
185	ممنوع کام اور پیشے	132	سونے چاندی کے برتن
185	قجہ گری	135	اسلام میں مجسموں کی حرمت
186	رقص اور جنسی فنون	136	مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحت
187	مجسموں اور صلیب وغیرہ کی صنعت	138	اسلام میں شخصیتوں کی یادگار کا طریقہ
188	نشہ آور اور مخدر عقل اشیاء کی صنعت	141	بچوں کے کھلونے جائز ہیں
189	تجارت کے ذریعہ کمانا	143	ناقص اور مسخ شدہ مجسمے
		144	غیر مجسم تصویریں

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
228	تبرج کی حرمت	194	تجارت کے بارے میں کنیہ کا موقف
	تبرج کا اطلاق کس صورت میں نہیں	194	حرام تجارت
230	ہوگا؟	197	ملازمت
	عورت، شوہر کے مہمانوں کی خدمت	200	حرام ملازمتیں
236	کر سکتی ہے		مسائل کسب کے سلسلے میں عام
	خلاف فطرت فعل کبائر میں سے	202	اصول
237	ہے	204	باب سوم
	استمنا (ہاتھ سے منی خارج کرنا)		شادی بیاہ اور خاندانی
238	کا حکم		زندگی میں حلال و حرام
241	شادی بیاہ	204	فطری خواہشات کا دائرہ عمل
241	اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	205	جنسی داعیہ کے تعلق سے انسان کا
	جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو		موقف
245	اس پر نظر ڈالنا	205	زنا کے قریب نہ پھٹکو
248	پیغام دینے کی حرام صورتیں	206	اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام
	کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت		ہے
250	لی جائے اور جبر نہ کیا جائے	207	جنس مقابل کو بنظر شہوت دیکھنا
251	جن عورتوں سے نکاح حرام ہے	210	ستر پر نظر ڈالنے کی حرمت
	ان رشتوں کو حرام قرار دینے کی	212	مرد یا عورت کو دیکھنے کے جواز کے
253	مصلحتیں		حدود
254	رضاعت کی بنا پر حرام رشتے	214	عورت کے لیے اظہار زینت کس حد
255	مصاہرت سے رشتوں کی حرمت		تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے
256	دو بہنوں کو جمع کرنا	216	عورتوں کا ستر
257	شادی شدہ عورتیں	222	عام جماموں میں عورت کا داخل ہونا
259	مشرک عورتیں	225	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	طلاق کے مسئلے میں مسیحی مذہب کا	260	کتابیہ سے نکاح
298	اختلاف	262	مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح
	طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کی ان	264	زانی عورتیں
299	پابندیوں کا نتیجہ	266	نکاح متعہ
	طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کا	269	تعدّد ازدواج
299	منفرد رویہ		تعدّد ازدواج کے جواز کے لیے عدل
	مسیحیت وقتی علاج تھا، نہ کہ شریعت	270	کی شرط
300	عامہ	272	تعدد ازدواج کے جواز کی مصلحت
301	طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی قیود	274	زوجین کے باہمی تعلقات
	حالت حیض میں طلاق دینا حرام	276	دُبر سے اجتناب
302	ہے	278	زن و شوئی کے رازوں کی حفاظت
304	طلاق کی قسم کھانا حرام ہے	280	خاندانی منصوبہ بندی
	مطلقہ کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت		خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کی
305	گزارنا چاہیے	282	صورتیں
306	ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق	286	اسقاطِ حمل
	معروف طریقہ پر روکے رکھنا یا احسان	288	زوجین کے معاشرتی حقوق
307	کے ساتھ چھوڑ دینا		میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابلے
	مطلقہ کو اپنی مرضی سے دوسرا نکاح	290	میں صبر کرنا چاہیے
308	کرنے سے روکا نہ جائے	291	نافرمانی اور نزاع کی صورت میں
309	عورت کا حق جبکہ شوہر اسے پسند نہ ہو		صرف ایسی صورت میں طلاق جائز
311	بیوی کو ستانا	295	ہو جاتی ہے
312	بیوی کو چھوڑنے کی قسم کھانا حرام ہے	296	اسلام سے قبل طلاق کا طریقہ
	والدین اور اولاد کے	296	یہودی مذہب میں طلاق
314	باہمی تعلقات	297	مسیحی مذہب میں طلاق

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
336	سُننِ الہی کا احترام	314	تحفظِ نسب
337	اوہام و خرافات کے خلاف جنگ		اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا جائز نہیں
338	کاہنوں کی تصدیق کرنا کفر ہے	314	
339	پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا		تبنیت (لے پالک بنانا) اسلام میں حرام ہے
340	جاڈو	316	
343	تعویذ باندھنا	318	عملی شہادت کے ذریعہ تبنیت کا ابطال
347	بدشگونی	319	تبنیت بمعنی تربیت
349	جاہلیت کی تقلید کے خلاف جہاد	320	حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ
349	اسلام میں عصیت نہیں		باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرنا موجب لعنت ہے
352	رنگ و نسب کی کوئی اہمیت نہیں	321	
354	نوحہ کرنا	322	اولاد کو قتل نہ کرو
357	معاملات	324	بخشش کے معاملہ میں مساویانہ سلوک
357	حرام چیزوں کی بیع حرام ہے		میراث کے معاملہ میں قانونِ الہی کی پابندی
358	دھوکہ کی بیع ممنوع ہے	326	
360	قیمتوں سے کھیلنا		والدین کے ساتھ بدسلوکی گناہِ کبیرہ ہے
361	ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے	328	
	بازار کی آزادی میں مصنوعی		والدین کو گالیاں دینا کبائر میں سے ہے
363	مداخلت	331	
365	دلالی جائز ہے		والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا جائز نہیں جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو
366	نفع اندوزی اور دھوکہ دہی حرام ہے	331	
	جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی	333	مشرک والدین
366	کی وہ ہم میں سے نہیں ہے		
368	بہ کثرت قسمیں کھانا	335	باب چہارم
368	ناپ تول میں کمی کرنا	336	اعتقاد و تقلید

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
394	کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے	370	چوری کا مال خریدنا چور کے ساتھ مشارکت ہے
397	جانوروں کے پالنے میں شرکت	371	سود کی حرمت
400	کھیل اور تفریح	372	حرمتِ سود کی مصلحت
400	ہر وقت یکساں کیفیت نہیں رہتی	374	سود دینے والا اور لکھنے والا
401	رسول انسان تھے		نبی ﷺ قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے
402	دل اکتا جاتے ہیں	375	
404	جائز کھیل کی قسمیں	378	زیادہ قیمت پر ادھار بیع
404	دوڑ میں مقابلہ	378	بیعِ سلم
405	گشتی لڑنا	379	محنت اور سرمایہ کا تعاون
405	تیر اندازی	381	سرمایہ لگانے والوں کا اشتراک
407	نیزہ چلانا	383	بیمہ کمپنیاں
407	گھڑ سواری		کیا بیمہ کمپنیاں امداد باہمی کے ادارے ہیں
409	شکار کرنا	384	
410	چوسر کا کھیل	386	اصلاحات
411	شطرنج کا کھیل	386	اسلام کا انشورنس سسٹم
412	گانا اور موسیقی	387	زراعتی زمین سے فائدہ اٹھانا
421	جو شراب کا ساتھی ہے		زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے
423	لاٹری، ایک قسم کا جو ہے	388	
424	سینما بنی	388	دوسرا طریقہ
426	اجتماعی روابط	389	مزارعت (بٹائی)
427	کسی مسلمان سے ترک تعلق جائز نہیں	390	فاسد مزارعت
431	باہم صلح صفائی	392	زمین کو نقد کرایہ پر دینا
433	دوسروں کا مذاق نہ اڑایا جائے		قیاس متقاضی ہے کہ زمین کو نقدی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
457	مال کی حرمت	434	طعن و تشنیع کرنا
458	رشوت حرام ہے	435	برے لقب سے پکارنا
460	حکام کے آگے ہدیے پیش کرنا	435	بدگمانی
462	رفع ظلم کے لیے رشوت	436	تجسس
463	اپنے مال میں اسراف کرنا حرام ہے	439	غیبت
467	غیر مسلمین سے تعلقات	441	غیبت کے سلسلہ میں رخصت کے حدود
468	اہل کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت	443	چغلی خوری
470	ذمی	445	عزت کی حرمت
	غیر مسلمین سے موالات کے تعلقات	448	خون کی حرمت
472	اور اس کا مطلب		قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں
	اسلام کی رحمتِ عامہ جانور کو بھی	450	گے
478	شامل ہے	452	معاهد اور ذمی کے خون کی حرمت
		453	خون کی حرمت کب زائل ہوتی ہے
		455	خودکشی



پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ
وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ. أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے مالا مال کیا اور خصوصی مہربانی سے نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ دین اسلام کی تعلیمات انتہائی سادہ آسان اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام نہ ہی تو اپنے پیروکاروں پر اس قدر سختی کا قائل ہے کہ ان کے لیے ہر چیز کو حرام قرار دے کر انہیں دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کش ہونے کی ترغیب دے جیسا کہ بعض صوفیا کا رجحان ہے اور نہ ہی ایسی آزادی کا علمبردار ہے کہ وہ ان کو تمام حدود و قیود سے عاری کر دے کہ وہ جیسے چاہیں زندگی گزاریں۔ اسلام مادر پدر آزاد معاشرہ پسند نہیں کرتا اور نہ اس سنہری دین میں ”جنگل کا قانون“ روا ہے بلکہ حلال و حرام، جائز ناجائز اور صحیح غلط کی پہچان کے لیے کچھ قواعد و ضوابط مقرر ہیں جو قرآن و حدیث کے دلائل سے باسانی اخذ کیے جاسکتے ہیں بشرطیکہ کتاب و سنت کو معیار بنا کر کوشش کرنے والے علمائے ربانی میسر ہوں تاکہ تعصب سے پاک اور ذاتی لالچ سے بالاتر رہنمائی میسر آسکے۔

اس وقت ”الحلال والحرام فی الاسلام“ نامی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے جسے فاضل مؤلف علامہ یوسف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ موصوف دنیائے عرب کے ممتاز مصنف اور عالم اسلام کے مشہور اور قد آور عالم دین ہیں۔ آپ نے کئی علمی اور تحقیقی کتب تالیف کی ہیں۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے بڑی عمدگی کے ساتھ نہایت مدلل انداز سے حلت و حرمت کے باب میں سیر حاصل بحث کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ شرعی احکام کی حکمتوں کو بڑے احسن انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب حیات انسانی سے متعلق ایسے تمام مسائل پر مشتمل ہے جن سے لوگوں کو اکثر و بیشتر واسطہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

فاضل مؤلف کی بعض آراء سے وقت کے معروف علماء و محققین نے اختلاف کیا ہے اور پوری شرح و بسط سے علامہ قرضاوی صاحب کے موقف کی تردید کی ہے جس کے پیش نظر مکتبہ اسلامیہ نے اس کتاب کو قارئین کے لیے مزید فائدہ مند بنانے کی غرض سے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا ہے۔

① عربی سے اردو ترجمہ معروف عالم دین جناب شمس الدین پیرزادہ کا ہے جو ہندوستان کے شہر بمبئی میں مقیم ہیں۔ یاد رہے کہ ترجمہ کتاب کے مؤلف کی باقاعدہ اجازت کے بعد کیا گیا جس کے لیے ہندوستان کے معروف عالم دین جناب مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی کاوش فرمائی۔

② اس کتاب کی تخریج و تحقیق امام العصر معروف محدث علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی جو ان کی کتاب ”غایۃ المرام فی تخریج الاحادیث الحلال والحرام“ سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں مزید اضافہ جناب عدیل الرحمن صاحب نے کیا تا کہ حوالہ جات دیکھنے میں مزید آسانی پیدا ہو سکے۔ جب کہ حدیث پر حکم فقط علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے۔ اس کتاب پر تعلق کا کام فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جو ان کی کتاب ”اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام“ سے نقل کیا گیا ہے جو کہ سعودی عرب کے معروف عالم دین ہیں اور وہاں کی علما کمیٹی کے سرکردہ رکن ہیں۔ اس تعلق کو اردو قالب میں ڈھالنے کا فریضہ راقم الحروف نے سرانجام دیا ہے۔

بعض مقام پر مترجم کا تحریر کردہ حاشیہ بھی نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے فاضل مؤلف القرضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات کے متعلق لکھا ہے۔

چند ایک مقامات پر مؤلف کی بات کی وضاحت کے لیے تشریحاتی نوٹ موجود ہیں جو راقم الحروف نے تحریر کیے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے مشعل راہ بنائے اور ہر خاص و عام کو اس کتاب کے علمی نکات سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ دعا بھی ہے کہ اس کتاب کے مؤلف، مترجم، محقق، معاونین ناشر اور ہر

اس آدمی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے جو کسی طرح سے بھی اس کی تیاری میں شامل ہے۔
 اللہ تعالیٰ خصوصاً علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ کی نیکیوں میں بھی
 اضافہ فرمائے، جنہوں نے مؤلف کی کمزوریوں کی نشاندہی اور ان پر مناسب حاشیہ جات
 لکھے۔

قارئین سے اپیل ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خامی، غلطی یا ایسی بات نوٹ کریں
 جو سلف صالحین کے موقف سے ٹکراتی ہو تو ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں۔ ادارہ کے منتظمین ہر
 اچھی تجویز کا خیر مقدم کریں گے اور غلطی کے ازالہ کی بھرپور کوشش کریں گے۔ (انشاء اللہ)

جزاکم اللہ خیراً

محمد اختر صدیق



باب اول

تعریف

- تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں
- تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق ہے
- حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے
- حرام چیزیں باعثِ مضرت ہیں
- حلال، حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے
- جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے
- حرام کے لیے حیلے کرنا بھی حرام ہے
- نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی
- حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشے سے مشتبهات سے بچنا
- حرام، سب کے لیے حرام ہے
- ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں



تحریف

حلال

مباح، غیر ممنوع، جس کے کرنے کی شارع نے اجازت دی ہو۔

حرام

وہ جس کی شارع نے قطعی طور پر ممانعت کی ہو اور جس کی خلاف ورزی کرنے والا آخرت میں سزا کا مستحق ہو اور بعض صورتوں میں دنیا میں بھی اس کے لیے سزا ہو۔

مکروہ

وہ جس سے شارع نے روکا ہو لیکن سختی کے ساتھ اس کی ممانعت نہ کی ہو۔ یہ درجہ میں حرام سے کم تر ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس سزا کا مستحق نہیں ہوتا جس سزا کا مستحق حرام کا ارتکاب کرنے والا ہوتا ہے۔ البتہ اس کی مسلسل خلاف ورزی اور بے وقعتی کرنے پر حرام کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حلال و مباح

اہل جاہلیت جن بہت سی باتوں میں گمراہی کا شکار ہو گئے تھے ان میں سے ایک حلال و حرام کا معاملہ بھی تھا جس میں وہ اس طرح الجھ گئے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھے۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا طرز عمل یکساں تھا۔ یہ گمراہی دو انتہاؤں پر تھی ایک انتہا وہ جس پر ہندوستانی برہمنیت، مسیحی رہبانیت اور وہ مذہبیت تھی جس کے نزدیک جسم کو اذیت دینا روا تھا اور جس نے اچھے رزق اور زینت کی چیزوں کو حرام کر دیا تھا اور بعض راہبوں کے نزدیک تو پاؤں دھونا اور حمام میں داخل ہونا بھی باعثِ گناہ تھا۔

دوسری انتہا پر فارس کا مزدک مذہب تھا جس نے مکمل ابا حیت کا نعرہ بلند کیا۔ اس مذہب میں ہر چیز جائز تھی، یہاں تک کہ عزت و حرمت بھی جس کو انسان فطرۃً مقدس مانتا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حلت و حرمت کا بالکل غلط معیار قائم کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شراب نوشی، سو دخوری، عورتوں سے بدسلوکی اور قتلِ اولاد جیسی چیزیں بالکل جائز تھیں۔ انہوں نے قتلِ اولاد جیسے فعل کو خوشنما بنانے کے لیے کچھ باتیں گھڑ لی تھیں جن کو وجہ جواز بنا کر پیش کرتے تھے۔ مثلاً فقر و فاقہ کا اندیشہ، لڑکی کی پیدائش کا باعثِ عار ہونا اور اپنے معبودوں کے تقرب کے لئے اولاد کو بھینٹ چڑھانا وغیرہ۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف انہوں نے اپنے جگر گوشوں کو قتل کرنا یا زندہ درگور کرنا بالکل جائز کر لیا تھا اور دوسری طرف انہوں نے کھیت اور چوپائے جیسی بہت سی پاکیزہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور طرفہ تماشایہ کہ اس حلت و حرمت کو انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کر کے دینی حیثیت دے دی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افترا پر دازیوں کو یکسر باطل قرار دیا:

﴿وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرِّتْ حَجْرًا لَّيَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَّشَاءُ

بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ

عَلَيْهَا افْتَرَاءٌ عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥﴾ ❁

”وہ کہتے ہیں یہ چوپائے اور یہ کھیت ممنوع ہے، ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں اپنے زعم کے مطابق ہم کھلانا چاہیں۔ اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پٹھیں حرام کر دی گئی ہیں اور کچھ چوپایوں پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے اس پر افترا کرتے ہوئے۔ اللہ عنقریب انہیں اس افترا پر دازی کا بدلہ دے گا۔“

اسلام آیا تو یہ گمراہی اور حلال و حرام کے معاملہ میں یہ بے راہ روی موجود تھی۔ اس نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور پہلا قدم یہ اٹھایا کہ تشریح کے اصول مقرر کیے اور ان کو حلت و حرمت کی اساس بنایا جس کے نتیجہ میں اعتدال و توازن پیدا ہوا اور عدل کا صحیح معیار قائم ہوا، نیز اس کی بدولت امت مسلمہ گمراہی اور انحراف کی راہ اختیار کرنے والے ”دائیں اور بائیں“ گروہوں کے درمیان امت وسط (اعتدال پر قائم رہنے والی امت) قرار پائی جسے اللہ تعالیٰ نے خیر امت کے لقب سے نوازا۔ ❁

❁ تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں۔

اسلام نے جو پہلا اصول مقرر کیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اصلاً حلال و مباح ہیں۔ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت کے بارے میں صحیح اور صریح نص وارد ہوئی ہے۔ لہذا اگر صحیح نص موجود نہ ہو۔ بلکہ ضعیف ہو یا حرمت پر صریح طور سے دلالت نہ کرتی ہو تو اصل اباحت برقرار رہے گی۔

علمائے اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ تمام اشیاء اور منفعتیں اصلاً مباح اور جائز ہیں۔ ان کا استدلال قرآن کی درج ذیل آیات سے ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ❁

❁ ۱/۶ الانعام: ۱۳۸۔ ❁ [صحیح] مستدرک حاکم: ۳۵/۱۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحة: رقم الحدیث: ۴۹۰؛ المعجم الصغیر للطبرانی، ۱/۹۵، رقم الحدیث: ۲۶۴، بلفظ ”بعثت“ ❁ ۲/البقرة: ۲۹۔

”وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کر دیں۔“
 ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ ﴿۱۳﴾
 ”اس نے تمہارے لیے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اپنی طرف سے
 مسخر کر دیں۔“

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
 وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً﴾ ﴿۱۴﴾

”تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری
 چیزیں تمہارے لیے مسخر کی ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اتمام کیا ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو انسان کے لیے مسخر کر کے اس پر احسان فرمایا ہے، لہذا یہ
 کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا کر ان کے استفادہ سے انہیں محروم کرے
 گا؟ واقعہ یہ ہے کہ اُس نے صرف چند چیزوں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی کسی خاص سبب یا
 مصلحت کی بنا پر جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ گویا اسلامی شریعت میں محرّمات کا دائرہ
 بہت تنگ ہے۔ برعکس اس کے حلال کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرمت کے
 احکام پر مشتمل نصوص جو صحیح بھی ہوں اور صریح بھی، بہت کم ہیں اور باقی تمام چیزیں جن کی
 حلت یا حرمت کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے، مباح الاصل ہیں اور ان کے
 سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا
 سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ. فَاقْبَلُوا مِنَ اللَّهِ عَافِيَةً فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ
 يُنْسِيءُ شَيْئًا. وَتَلَا ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ ﴿۱۵﴾))

﴿۱۳﴾ الجاثیة: ۱۳۔ ﴿۱۴﴾ لقمان: ۲۰۔

﴿۱۵﴾ مریم: ۶۴۔ [حسن] مستدرک حاکم ۲/۳۷۵؛ مجمع الزوائد ۷/۵۵، رقم

الحدیث: ۱۱۱۶۰؛ السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ۱۰/۱۲؛

كشف الاستار للهيثمی، كتاب العلم، باب اتباع القران، ۱/۷۸، رقم الحدیث: ۱۲۳۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس کو حلال ٹھہرایا، وہ حلال ہے اور جس کو حرام ٹھہرایا ہے، وہ حرام ہے۔ اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو، کیونکہ اللہ سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ مریم کی آیت (اللہ سے کبھی بھول سرزد نہیں ہوتی) تلاوت فرمائی۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجَبَنِ وَالْغُرَاءِ فَقَالَ: الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَاكُمْ.))

”رسول اللہ ﷺ سے گھی، پنیر اور گورخر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے، اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ معاف ہیں۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے جزئیات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ ایک ایسا قاعدہ بیان فرمایا کہ جس سے حلال و حرام میں بآسانی تمیز کی جاسکتی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ جان لینا کافی ہے کہ اللہ نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ جو چیزیں ان کے ماسوا ہیں وہ آپ ہی حلال و طیب قرار پاتی ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءٍ رَحْمَةً

❶ [ضعيف] جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الفراء، رقم الحدیث:

۱۷۲۶؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الأطعمة، باب أكل الجبن والسمن، رقم الحدیث: ۳۳۶۷؛

مستدرک حاکم، ۱۱۵/۴۔

[نوٹ: یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن مفہوم مذکورہ بالا ماقبل سے ادا ہوتا ہے]

بِكُمْ غَيْرِ نَسِيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا.)) ❁

”اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے لہذا انہیں ضائع نہ کرو اور حدود مقرر کر دیے ہیں لہذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو اور جن چیزوں کے بارے میں اس نے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے، لہذا ایسی چیزوں کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔“

یہاں یہ واضح کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مباح الاصل ہونے کا دائرہ اشیاء و اعیان تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وہ افعال و تصرفات بھی شامل ہیں جو عبادات کے قبیل سے نہیں ہیں، اور جن کو اصطلاحاً عادات و معاملات کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ❁

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔“

اشیاء اور افعال دونوں کو شامل ہے۔ البتہ عبادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ان دینی امور کا علم وحی کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور ان ہی امور کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.)) ❁

”جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے جو اس سے متعلق نہیں ہے وہ

قابل رد ہے۔“

❁ [ضعیف] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الضحايا، باب ما لم يذکر تحریمہ ۱۰/۲۱؛ سنن الدارقطني، كتاب الرضاع ۴/۱۸۳؛ حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصفهانی، ۹/۱۷، رقم الحدیث: ۱۲۸۹۷۔ ❁ ۶/الانعام: ۱۱۹۔

❁ صحیح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحو علی صلح جور فالصلح خیر، رقم الحدیث: ۲۶۹۷؛ صحیح مسلم، كتاب الأفضیة باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الامور، رقم الحدیث: ۱۷۱۸؛ سنن ابی داؤد، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم الحدیث: ۲۶۰۶۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دین دو حقیقتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور دوسرے یہ کہ اللہ کی عبادت اسی طریقہ پر کی جائے جو اللہ نے مشروع فرمایا ہے، لہذا جو شخص بھی اپنی جانب سے عبادت کا نیا طریقہ نکالے۔ خواہ وہ کوئی شخص ہو، وہ لازماً گمراہی اور ضلالت ہے جسے رد کیا جانا چاہیے۔ حقیقتاً عبادت کے طور طریقے جو تقرب الہی کا ذریعہ ہیں مقرر کرنے کا حق شارع اور صرف شارع کو پہنچتا ہے۔

البتہ عادات و معاملات کی نوعیت اس سے مختلف ہے۔ ان طور طریقوں کو شارع نے نہیں بلکہ لوگوں نے قائم کیا ہے جس کے مطابق وہ عملدرآمد کرتے رہتے ہیں۔ شریعت تو ان کی تصحیح و تہذیب اور ان میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کا کام انجام دیتی رہی ہے۔ اور جن باتوں میں کوئی خرابی اور ضرر نہیں تھا ان کو اس نے برقرار رکھا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اقوال و افعال میں بندوں کے تصرف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم عبادات کی ہے جن سے دینی حالت درست ہوتی ہے اور دوسری قسم عادات کی ہے جن کی ضرورت دنیوی معاملات میں ہوتی ہے۔“

شریعت کے اصولوں کا مطالعہ کرنے سے یہ قاعدہ کلیہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ عبادات جن کو اللہ نے واجب یا مستحب ٹھہرایا ہے ان کی یہ حیثیت شریعت ہی سے ثابت ہو سکتی ہے۔ رہیں عادات تو دنیا کے معاملات میں لوگ ضرورتاً ان کے عادی ہوتے ہیں اور وہ اصلاً غیر ممنوع ہیں، اس لیے جن چیزوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے ان کے علاوہ کسی اور چیز کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا۔ امر و نہی کا معاملہ درحقیقت قانون الہی سے متعلق ہے اور عبادت کا معاملہ بھی سراسر اسی کے حکم پر موقوف ہے، لہذا جس بات کا حکم اس کی طرف سے نہیں ملا اس کی ممانعت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہائے اہل حدیث رحمۃ اللہ علیہم اس بات کے قائل ہیں کہ عبادات اصلاً توقیفی (جن کا علم وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے) ہیں، لہذا مشروع وہ ہے جسے اللہ نے مشروع کیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہم پر صادق آئے گا کہ:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ ﴾ ﴿۱﴾

”کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کے وہ طریقے

مقرر کیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

البتہ عادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ اصلاً مباح ہیں، اس لیے اس قبیل کی

صرف ان چیزوں سے روکنا چاہیے جن کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا

یہ ارشاد ہم پر صادق آئے گا:

﴿ قُلْ اَرْتَيْتُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَ

حَلٰلًا ﴾ ﴿۲﴾

”کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے،

اس میں سے کسی کو تم نے حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا؟“

یہ نہایت ہی اہم اور مفید اصول ہے اور اس اصول کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ بیچ،

ہبہ، اجارہ وغیرہ عادات کے قبیل سے ہیں جن کے لوگ روزمرہ کی زندگی میں ضرورت مند

ہوتے ہیں مثلاً کھانا، پینا اور لباس۔ شریعت نے ان عادات کو آدابِ حسنہ سے سنوارا ہے۔

جن عادات میں خرابی تھی ان کو حرام ٹھہرایا اور جو ضرورت کے قبیل سے تھیں ان کو لازم کر دیا

اسی طرح جو عادات نامناسب تھیں ان کو ناپسندیدہ ٹھہرایا اور جن باتوں میں مصلحت کا پہلو

غالب تھا ان کو مستحب قرار دیا۔

اس حقیقت کے پیش نظر لوگ اپنی مرضی کے مطابق لین دین اور اجرت پر معاملہ

کرنے کے لیے آزاد ہیں جب تک کہ شریعت سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے۔

اس کی مثال خورد و نوش ہے کہ لوگ محرّمات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی مرضی کے مطابق کھاپی

سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض چیزیں استحب اور بعض چیزیں کراہت کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ لیکن

جب تک شریعت پابندی عائد نہ کرے وہ اپنی اصل اطلاقی حالت پر باقی رہتی ہیں۔“ ﴿۳﴾

﴿۱﴾ ۴۲/الشوری: ۳۱۔ ﴿۲﴾ ۱۰/یونس: ۵۹۔

﴿۳﴾ القواعد النورانیة الفقہیة۔ تالیف ابن تیمیہ، ص ۱۱۲، ۱۱۳۔

اس اصول کی تائید صحیح حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿كُنَّا نَعَزُّ الْقُرْآنَ يَنْزِلُ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يُنْهَى عَنْهُ لَنَهَى عَنْهُ

الْقُرْآنُ﴾¹

”ہم عزل کیا کرتے تھے در آنحالیکہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی جس کی ممانعت کی جانی چاہیے تھی تو قرآن اس سے منع کرتا۔“
اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں وحی نے سکوت اختیار کیا ہے وہ نہ حرام ہے اور نہ اس سے روکا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں لوگوں کے لیے جائز ہیں جب تک کہ ممانعت پر دلالت کرنے والی کوئی نص سامنے نہ آجائے۔ اس معاملہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم ان کے کمالِ تفقہ کی علامت ہے۔

الغرض اس سے اسلام کے اس مہتمم بالشان اصول کا تعین ہو جاتا ہے کہ عبادت وہی مشروع ہے جسے اللہ نے مشروع کیا ہے اور عادات سے متعلق کوئی چیز اللہ کی تحریم کے بغیر حرام نہیں ہوتی۔

2 تحلیل و تحریم اللہ ہی کا حق ہے۔

اسلام نے دوسرا اصول یہ مقرر کیا کہ اقتدار جو تحلیل و تحریم کے اختیارات کا اصل سرچشمہ ہے، مخلوق کا نہیں بلکہ صرف خالق کا حق ہے۔ عالم ہوں یا درویش، بادشاہ ہوں یا حکمران کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بندگانِ خدا پر کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ جو شخص بھی اس کی جسارت کرے گا وہ حد سے تجاوز کرنے اور اللہ کے تشریحی حقوق میں زیادتی کا مرتکب ہوگا۔ اس کی اتباع کرنا اور اپنے عمل سے اس پر اظہارِ رضامندی کرنا شرک کے مترادف ہے۔

¹ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب العزل، رقم الحدیث: ۸-۹-۱۰۷۰۵؛ صحیح مسلم،

کتاب النکاح، باب حکم العزل، رقم الحدیث: ۱۴۴۰؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب

العزل، رقم الحدیث: ۱۹۲۷۔

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ ❁

”کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے

مقرر کیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

یہود و نصاریٰ نے تحلیل و تحریم کے اختیارات اٰخبار و رُہبان کو دے رکھے تھے جس کی

قرآن نے سخت نکیر فرمائی:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ

ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا إِلَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ❁

”انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اٰخبار و رُہبان کو اپنا رب بنا لیا اور مسیح بن

مریم (ﷺ) کو بھی، حالانکہ انہیں ایک معبود کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا

حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ اُن کی ان

مشرکانہ باتوں سے پاک ہے۔“

حدیث میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. وَكَانَ دَانَ

بِالنُّصْرَانِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ. فَلَمَّا سَمِعَ النَّبِيَّ يَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ. قَالَ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ، فَقَالَ: بَلَى! إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ

الْحَلَالَ وَأَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ، فَذَلِكَ عِبَادَتُهُمْ

إِيَّاهُمْ.)) ❁

”عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام سے پہلے نصرانیت قبول کر لی تھی،

❁ ۴۲/الشوری: ۳۱۔ ❁ ۹/التوبہ: ۳۱۔

❁ [حسن] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورة التوبة، رقم الحديث:

۳۰۹۵؛ السنن الكبرى للبيهقي، كتاب آداب القاضي، باب ما يقضى به القاضي ۱۰/۱۱۶؛

جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر، باب فساد التقليد و نفيه و الفرق بين التقليد و الاتباع،

۲/۱۰۹؛ المعجم الكبير للطبراني ۱۷/۹۲، رقم الحديث: ۲۱۸۔

جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، تو عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں نے احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ انہوں نے ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا تھا اور ان لوگوں نے ان کی اتباع کی۔ احبار و رہبان کی عبادت کا یہی مطلب ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

((أَمَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ.))

”یہ لوگ احبار و رہبان کی پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام کر لیتے تھے۔“

نصاری اس زعمِ باطل میں مبتلا رہے کہ مسیح علیہ السلام نے آسمان پر جاتے ہوئے اپنے شاگردوں کو یہ اختیار تفویض فرمایا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں حلال و حرام ٹھہرائیں۔ چنانچہ انجیل متی میں ہے:

”میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ جو کچھ تم زمین پر باندھو گے وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تم زمین پر کھولو گے وہ آسمان پر کھلے گا۔“

اسی طرح قرآن نے تحلیل و تحریم کے معاملہ میں مشرکین کے طرزِ عمل کو بھی غلط قرار دیا:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَدْنَىٰ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾

”کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے نازل فرمایا ہے اس میں سے تم نے کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا؟ کہو اللہ نے تمہیں اس کی

اجازت دی تھی یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنْتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ ❁

”یہ جو تمہاری زبانیں اللہ پر افترا کرتے ہوئے جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، تو ایسی باتیں نہ کرو۔ جو لوگ اللہ پر افترا کرتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔“

ان روشن آیات اور واضح احادیث سے فقہائے اسلام رحمۃ اللہ علیہم نے حتمی طور پر جان لیا کہ حلت و حرمت کا اختیار اللہ وحدہ ہی کو ہے اور وہ اپنی کتاب یا رسول کی زبانی لوگوں کو حلال و حرام سے آگاہ کرتا ہے۔ اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ اس حلت و حرمت کو بیان کریں۔ شریعت سازی ان کا کام نہیں۔ یہ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم اجتہاد و امامت کی صلاحیت رکھنے کے باوجود فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے اور یہ کام دوسروں کے سپرد کرتے تھے، اس اندیشہ سے کہ غلطی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کر بیٹھیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الام“ میں قاضی ابو یوسف سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

”میں نے بہت سے اہل علم مشائخ کو دیکھا کہ وہ فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے اور کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے کے بجائے کتاب اللہ میں جو کچھ ہے اسے بلا تفسیر بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ابن سائب رحمۃ اللہ علیہ جو ممتاز تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ اس بات سے بچو کہ تمہارا حال اُس شخص کا سا ہو جائے جو کہتا ہے کہ اللہ نے فلاں چیز حلال کی ہے یا اُسے پسند ہے، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہ میں نے اس کو حلال کیا تھا اور نہ مجھے پسند تھی۔ اسی

طرح تمہارا حال اس شخص کا سا بھی نہ ہو جائے جو کہتا ہے کہ فلاں چیز اللہ نے حرام کر دی ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے۔ میں نے اسے حرام کیا تھا اور نہ اس سے روکا تھا۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ کوفہ کے ممتاز فقہائے تابعین میں سے ہیں، منقول ہے کہ جب ان کے اصحاب فتویٰ دیتے تو ”یہ مکروہ ہے یا اس میں کوئی حرج نہیں“ کے الفاظ استعمال کرتے، کیونکہ کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانے سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سلف صالحین حرام کا اطلاق اسی چیز پر کرتے تھے جس کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سوالوں کے جواب میں فرماتے:

”میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں یا اچھا نہیں سمجھتا یا یہ پسندیدہ نہیں ہے۔“
یہی بات امام مالک، امام ابو حنیفہ اور دیگر تمام ائمہ رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے۔

3 حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینا شرک کے قبیل سے ہے:

اسلام نے اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو تحلیل و تحریم کے مختار بن جاتے ہیں۔ خاص طور سے اُس نے حلال کو حرام کرنے والوں پر شدید گرفت کی ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں انسان بلا وجہ تنگی اور ضیق میں مبتلا ہو جاتا ہے اور تعمق پسندانہ مذہبیت کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمق و تشدد کے رجحان کو سختی سے دبایا اور اس قسم کا رویہ اختیار کرنے والوں کی سخت مذمت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا هَلْكَ الْمُتَنَطِعُونَ، اَلَا هَلْكَ الْمُتَنَطِعُونَ، اَلَا هَلْكَ

اَلْمُتَنَطِعُونَ)) ❁

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، رقم الحدیث: ۴۶۰۸؛ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب هلک المتنطعون، رقم الحدیث: ۲۶۷۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۳۸۶، رقم الحدیث: ۳۶۵۵۔

”آگاہ ہو جاؤ! کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے،

آگاہ ہو جاؤ کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ آگاہ

ہو جاؤ کہ دین میں تعمق و تشدد پیدا کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

اور رسالتِ محمدی ﷺ کی خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ:

((بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ.)) ❁

”میں ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو حنیف بھی ہے اور فراخ بھی۔“

چنانچہ یہ دین، عقیدہ و توحید کے معاملہ میں حنیف اور شریعت و اعمال کے معاملہ

فراخ ہے۔ شرک اور حلال کو حرام کرنے کا فعل اس کی بالکل ضد ہے۔ ایک حدیث میں

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

((إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ وَإِنَّهُمْ اتَّهَمُوا الشَّيَاطِينَ فَاجْتَالَتْهُمْ

عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَمْتُ عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرْتُهُمْ أَنْ

يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا.)) ❁

”میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا لیکن شیطانوں نے انہیں

بہکایا اور ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیا جن کو میں نے حلال کیا تھا، اور انہیں

حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان کو شریک ٹھہرائیں جن کے شریک خدا ہونے

کی میں نے ہرگز سند نازل نہیں کی۔“

اس سے واضح ہے کہ حلال کو حرام کرنا شرک کے قبیل سے ہے۔ اسی لیے قرآن نے

❁ [ضعیف] یہ روایت مسند احمد کے حوالہ سے صحیح لغیرہ ہے باختلاف الفاظ؛ مسند احمد بن

حنبل، ۲۳۶/۱، رقم الحدیث: ۲۱۰۷-۱۱۶/۶، رقم الحدیث: ۲۴۸۵۵؛ الادب المفرد

للبخاری، رقم الحدیث: ۲۸۷؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۲۱۶/۸، رقم ۷۸۶۸؛ سلسلة

الاحادیث الصحيحة للالبانی، رقم الحدیث: ۸۸۱۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يصرف بها في الدنيا اهل

الجنة و اهل النار، رقم الحدیث: ۲۸۶۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۶۲/۴، رقم

الحدیث: ۱۷۴۸۴؛ المعجم الكبير للطبرانی ۳۶۲/۱۷، رقم الحدیث: ۹۹۵۔

مشرکین عرب کے شرک، بت پرستی اور کھیتی اور چوپایوں جیسی پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے پر سخت نکیر کی۔ بحیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حام ان ہی کے حرام کردہ چوپائے تھے۔ چنانچہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور آخری بچہ نہ ہوتا تو یہ مشرکین اس اونٹنی کے کان کاٹ ڈالتے اور اس پر سواری کو ممنوع قرار دے کر اسے اپنے معبودوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ پھر اس کو ذبح کرنا اور اس پر بار برداری کرنا سب حرام ہو جاتا۔ اس کو پانی کے گھاٹ یا چراگاہ سے ہٹایا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس کا نام انہوں نے بحیرہ یعنی کان کٹی ہوئی اونٹنی رکھا تھا۔ اسی طرح سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو کوئی شخص اپنے سفر سے واپس آ جانے یا مرض سے شفا یاب ہو جانے پر اپنے معبودوں کے نام چھوڑ دیتا۔ بکری اگر مادہ جنتی تو اس کو اپنا حق سمجھتے اور اگر ز جنتی تو وہ ان کے معبودوں کا حق ہوتا۔ اور اگر زرو مادہ دونوں جنتی تو ز کو اپنے معبودوں کے لیے ذبح کرنے کے بجائے اسے آزاد چھوڑ دیتے اور اس کا نام و صیلہ رکھتے۔ اسی طرح اس اونٹ کو جس کے بچہ کا بچہ بار برداری کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ پر سواری اور بار برداری کو ممنوع قرار دیتے اور اس کا نام حام رکھتے۔

قرآن نے اس تحریم کو منکر قرار دیا اور اس قسم کی گمراہیوں میں اپنے آباء کی تقلید کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا طِائِفٌ مِنَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا
يَهْتَدُونَ ۝﴾

”اللہ نے نہ بحیرہ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وکیلہ اور نہ حام، یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور اس

کے رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ اس صورت میں بھی اپنے باپ دادا کی تقلید کریں گے جبکہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے رہے ہوں اور نہ ہدایت پر رہے ہوں؟“

سورہ اعراف میں اصل حرام چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ ط﴾ ۱

”کہو، اللہ کی اُس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام ٹھہرایا ہے؟“

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ

وَالْبُغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ ۲

”کہو، میرے رب نے تو جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ یہ ہیں: بے حیائی کے کام، خواہ کھلے ہوں یا چھپے، گناہ، ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی سند اللہ نے نہیں نازل کی۔ نیز یہ کہ اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔“

تحلیل و تحریم کی یہ بحث مکی سورتوں میں آئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی

نظر میں یہ مسئلہ فروعات و جزئیات کا نہیں بلکہ اصول و کلیات کا ہے۔

مدینہ میں کچھ مسلمان ایسے تھے جن کے اندر شدت پسندی اور طیبات کو اپنے نفس پر

حرام کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے محکم آیات نازل فرما کر ان کو

حدود اللہ اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ

وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ
 اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو
 حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو اللہ حد سے تجاوز کرنے
 والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو حلال و طیب رزق اللہ نے تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ
 اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

4 حرام چیزیں مضرت رساں ہیں:

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے اور ان پر اُس کے بے شمار احسانات ہیں، اس لیے یہ
 اسی کا حق ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے انسان کے لیے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام ٹھہرائے
 اس پر اعتراض کرنے یا اس کی نافرمانی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اُس کی ربوبیت
 کا حق اور اُس کی بندگی کا صریح تقاضا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال
 معقول وجوہ ہی کی بنا پر ٹھہرایا ہے اور انسان کا حقیقی مفاد اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ نے
 پاکیزہ چیزوں ہی کو حلال اور ناپاک چیزوں ہی کو حرام ٹھہرایا ہے۔

البتہ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے بعض اچھی چیزیں بھی حرام کر دی تھیں جو ان کی سرکشی
 کی وجہ سے سزا کے طور پر تھیں، لیکن جب اس نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی دین کے
 ساتھ مبعوث فرمایا تو اُس کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس بوجھ کو ہلکا کر دیا جائے۔
 گناہوں کے کفارہ کے لیے بھی اسلام نے طہیات کو حرام نہیں کیا بلکہ کفارہ کی ادائیگی کی
 دوسری شکلیں متعین کر دیں۔ چنانچہ خالص توبہ گناہوں کو اس طرح صاف کرتی ہے جس
 طرح پانی گندگی کو صاف کرتا ہے۔ اسی طرح نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں اور صدقہ
 گناہوں کو اس طرح بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ بجھاتا ہے۔ علاوہ ازیں مصائب و
 آلام میں گناہ اس طرح جھڑنے لگتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔

اسی لیے اسلام کی یہ حقیقت معروف ہوگئی کہ اس نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے وہ خرابی و مضرت کا باعث ہیں۔

چنانچہ جو چیز خالص مضرت کی تھی اس کو حرام کر دیا اور جو خالص منفعت کی تھی اس کو حلال کر دیا۔ اسی طرح جس کی مضرت، منفعت سے زیادہ تھی اس کو حرام اور جس کی منفعت زیادہ تھی اس کو حلال قرار دیا۔ اس کی صراحت قرآن نے شراب اور جوئے کے معاملہ میں کی ہے۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ

لِلنَّاسِ ذَوِ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ط﴾

”وہ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں: کہو! ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔“

ایک مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ان خباثوں اور مضرتوں کو جان لے جن کی وجہ سے اسلام نے کسی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کا علم کم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی خباثت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو اور کسی دوسرے زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ مومن کا کام تو ہمیشہ سمع و طاعت ہے۔

خنزیر (سور) ہی کی مثال لیجیے۔ اللہ نے اس کا گوشت حرام کیا، لیکن اس وقت اس کی علت مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آئی سوائے اس کے کہ یہ نجس جانور ہے، لیکن زمانہ کی ترقی نے یہ انکشاف کیا کہ اس میں مہلک جراثیم اور کیڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ انکشاف نہ ہوا ہوتا یا آئندہ مزید انکشافات ہو جائیں تب بھی ایک مسلمان اپنے اس عقیدہ پر قائم رہے گا کہ سور کا گوشت حرام ہے۔

دوسری مثال نبی ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہے:

((اتَّقُوا الْمَلَا عَنِ الثَّلَاثِ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةَ الطَّرِيقِ

وَالظِّلَّ.)) ❁

”تین باتوں سے بچو جو موجب لعنت ہیں: پانی پینے کی جگہوں، وسطِ راہ اور

سایہ دار جگہ میں پاخانہ کرنا۔“

اس حدیث کا مطلب قرونِ اولیٰ میں صرف اس حد تک سمجھا گیا کہ یہ بُری باتیں ہیں جو عقلِ سلیم اور شائستگی کے خلاف ہیں، لیکن علمی انکشافات کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہ چیزیں عام صحت کے لیے سخت مضر ہیں، کیونکہ ان سے خطرناک قسم کے متعدی امراض پھیلتے ہیں۔ اس طرح علم کی روشنی جتنی پھیلے گی اور انکشافات کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا اسلام کی وہ مصلحتیں بھی واضح ہوتی چلی جائیں گی جو اس کے حلال و حرام میں بلکہ پورے تشریحی نظام میں پوشیدہ ہیں اور مصلحتیں کیسے نہیں ہوں گی جب کہ یہ شریعت اس ہستی کی طرف سے ہے، جو علیم و حکیم ہونے کے ساتھ اپنے بندوں پر مہربان بھی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَآغْتَنَكُم ط

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ ❁

”اللہ بگاڑ پیدا کرنے والے کو بھی جانتا ہے اور بھلائی کرنے والے کو بھی۔“

اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ غالب بھی اور حکمت والا

بھی ہے۔“

❁ 5 حلال حرام سے بے نیاز کر دیتا ہے:

اسلام کمال درجہ کی خوبیوں کا دین ہے اور اس نے لوگوں کے لیے بڑی آسانیاں

❁ [حسن لشواہدہ] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارہ، باب المواضع التی نہی عن البول فیہا،

رقم الحدیث: ۲۶؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الطہارہ، باب النهی عن التخلی فی طریق

الناس، ۱/۹۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارہ و سننہا، باب النهی عن الخلاء علی قارعة الطریق،

رقم الحدیث ۳۲۸؛ مستدرک حاکم، کتاب الطہارہ، باب اتقوا الملا عن الثلاث، ۱/۱۶۷۔

❁ ۲/البقرہ: ۲۲۰۔

پیدا کر دی ہیں۔ اس نے جس چیز کو ہم پر حرام ٹھہرایا ہے اس کا نعم البدل ضرور عطا کیا ہے۔ ایسا نعم البدل جس سے لوگوں کی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور وہ حرام سے بے نیاز بھی ہو جائیں۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

اسلام نے پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کو حرام ٹھہرایا اور اس کے بدل کے طور پر دعائے استخارہ عطا فرمائی۔ سود کو حرام کیا تو اس کے عوض نفع بخش تجارت کو جائز کیا۔ جوئے کو حرام کر دیا اور اس کی بجائے اس مال کا کھانا جائز کر دیا جو گھوڑے، اونٹ اور تیروں کے اُن مقابلوں کے ذریعہ حاصل ہو جو شرعاً مفید خیال کیے گئے ہیں۔ ریشم مردوں پر حرام کیا لیکن اس کے عوض اُون، کتان اور روئی کے انواع و اقسام کے لباس فاخرہ سے نوازا۔ زنا اور لواطت کو حرام ٹھہرایا اور ان کی بجائے نکاح کو حلال ٹھہرایا۔

منشیات کو حرام کیا لیکن اس کے نعم البدل کے طور پر لذیذ مشروبات عطا کیے جو روح اور بدن دونوں کے لیے مفید ہیں۔ کھانے کی چیزوں میں جہاں ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا وہاں پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔“

اگر ہم اسلام کے جملہ احکام کا تتبع کریں تو یہ حقیقت پوری طرح روشن ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اگر ایک جانب سے تنگی پیدا کی ہے تو دوسری جانب سے وسعت کا دروازہ بھی کھول دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مشقت اور سختی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ اُن کے لیے آسانی پیدا کرنا اور اُن کو خیر، ہدایت اور رحمت سے نوازا چاہتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنْنَ الدِّينِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ فَذُرِّيَّتُكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۝ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا ۝﴾

”اللہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنے احکام واضح کر دے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشنے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہو۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے بھٹک کر دور نکل جاؤ، اللہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

6 جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔ اس طرح اسلام نے حرام کے ذرائع کا بھی سدِ باب کیا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام نے زنا کو حرام کیا تو اس کے مقدمات و محرکات کو بھی حرام کر دیا۔ مثلاً تَبْرِجِ جاہلیہ، (جاہلانہ بناؤ سنگھار) گناہ آمیز خلوت، بے جا اختلاط، برہنہ تصاویر، عریاں لٹریچر اور فحش گانے وغیرہ۔ اسی بنا پر فقہانے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ”جو چیز حرام کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے۔“

یہ قاعدہ اسلام کے اس اصول کے عین مطابق ہے کہ گنہگار صرف وہ شخص نہیں ہے جو حرام کا مرتکب ہوا ہے، بلکہ اس گناہ میں وہ تمام لوگ شریک ہیں جو اس کام میں کسی نہ کسی حیثیت سے معاون رہے ہیں۔ خواہ تعاون کی نوعیت مادی رہی ہو یا لٹریچر۔ حرام کے معاملہ میں جس قدر وہ تعاون کرتے رہے ہیں اسی قدر ان کا گناہ میں حصہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے نہ صرف شراب پینے والے پر لعنت فرمائی ہے، بلکہ نچوڑنے والے، اٹھا کر لے جانے والے اور جس کے لیے اٹھا کر لے جائی جائے ان سب پر نیز اس کی قیمت کھا جانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ اسی طرح سود کھانے والے، کھلانے والے اس کی دستاویز لکھنے والے اور گواہ بننے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔ لہذا جو چیز حرام میں معاونت کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے اور جو شخص حرام میں معاونت کرے گا وہ گناہ میں شریک ہوگا۔

7 حرام کے لیے حیلے کرنا بھی حرام ہے۔

اسلام نے جہاں ان ظاہری وسائل کو حرام کیا جو محرکات کا باعث ہوں وہاں اس نے

اُن خفیہ ذرائع اور شیطانی حیلوں کو بھی حرام قرار دیا جن کے پس پردہ حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے۔ یہودیوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے جو حیلہ بازیاں کی تھیں اُن کی اسلام نے سخت مذمت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَ الْيَهُودُ وَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللَّهِ بِأَدْنَى

الْحِيلِ)) ❁

”یہودیوں نے جس کا ارتکاب کیا اُس کا تم ارتکاب نہ کرو کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ادنیٰ حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے لگو۔“

یہودیوں پر اللہ نے سبت (ہفتہ) کے دن شکار کرنا حرام کر دیا تھا، لیکن انہوں نے حیلہ کر کے حرام کو حلال کر لیا۔ چنانچہ وہ جمعہ کے دن خنذقیں کھودتے تاکہ سبت (سنچر) کے دن مچھلیاں اس میں آ کر جمع ہو جائیں اور اتوار کے دن وہ اس کو پکڑ سکیں۔ ان حیلہ بازوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز تھا، لیکن فقہائے اسلام کے نزدیک حرام ہے، کیونکہ یہ بات حکمِ الہی کے خلاف ہے جس کا منشا ہی یہ تھا کہ وہ شکار سے رک جائیں۔ خواہ شکار براہِ راست ہو یا بالواسطہ۔

کسی حرام چیز کا نام یا اس کی صورت بدل دینا جبکہ اس کی اصل حقیقت اپنی جگہ برقرار ہو، ناجائز قسم کا حیلہ ہی ہے۔ محض نام یا صورت کی تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر لوگ نئی نئی صورتیں ایجاد کرنے لگیں اور سو جیسی ناپاک چیز کے لیے حیلہ بازی پر اتر آئیں یا شراب کا کوئی خوبصورت نام رکھ کر پینا جائز کر لیں تو ایسی صورت میں اُن کی حرمت اور گناہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ حدیث میں یہ پیشگی انتباہ موجود ہے کہ:

((لَيْسَتْ حِلًّا طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يَسْمُونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا)) ❁

”میری امت کا ایک گروہ شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کر لے گا۔“

❁ [ضعیف] إغاثة اللفهان لابن القيم ، ۱/ ۵۲۲؛ إرواء الغلیل للألبانی ، ۵/ ۳۷۵؛ إبطال الحیل

لابن بطة ص: ۴۲؛ تفسیر ابن کثیر ، ۱/ ۲۶۱؛ سورة البقرة: ۶۶؛ سورة الاعراف: ۱۶۳۔

[اسنادہ حسن] ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل ، ۵/ ۱۱۸، رقم الحدیث: ۲۲۷۰۹

سنن ابن ماجه كتاب الأشربة، باب الخمر یسمونها بغير اسمها، رقم الحدیث: ۳۳۸۵؛

مستدرک حاکم كتاب الأشربة، باب إن أعظم الكبائر شرب الخمر ۴/ ۱۴۷؛ سنن النسائی ،

كتاب الأشربة ، باب منزلة الخمر، رقم الحدیث: ۵۶۶۱۔

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَسْتَحِلُّونَ الرَّبَا بِاسْمِ الْبَيْعِ.))^❶

”ایک زمانہ آئے گا جب لوگ سود کو بیع کے نام سے حلال کر لیں گے۔“

یہ زمانہ کی نیرنگیاں ہیں کہ لوگوں نے اخلاق سوز رقص کا نام ”فن“ رکھ دیا ہے اور شراب کو ”مشروباتِ روحیہ“ اور سود کو ”فائدہ“ کے نام سے موسوم کر بیٹھے ہیں۔

❷ نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی۔

یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے شرعی معاملات میں نیک ارادہ اور نیک نیتی کا اعتبار کیا

ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى.))^❷

”اعمال میں اعتبار نیت کا ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس

نے نیت کی۔“

نیک نیتی کی بنا پر مباح اور عادات کے قبیل کے کام طاعت و تقرب کے کام بن جاتے ہیں۔ مثلاً جو شخص اس نیت سے کھانا کھاتا ہے کہ بقائے حیات اور تقویتِ بدن کے اس ذریعہ سے وہ اپنے رب کے عائد کردہ فرائض اور اپنی ملی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہو جائے گا تو اُس کا کھانا اور پینا سب عبادت و تقرب ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیوی سے اولاد کے لیے یا پاکدامنی کی خاطر مباشرت کرتا ہے تو اس کا یہ فعل بھی عبادت ہی ہے جس پر وہ اجر کا مستحق ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((وَفِي بَضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، قَالُوا: أَيَّتِي أَحَدْنَا شَهْوَتَهُ يَا

❶ [ضعيف] إغاثة اللفهان لابن القيم، ۱/۵۱۹؛ غريب الحديث للخطابي، (ق ۱/۴۲)۔

❷ صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، رقم الحديث: ۱؛ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قوله إنما الأعمال بالنيات، رقم الحديث: ۱۹۰۷؛ سنن ابی داؤد، كتاب الطلاق، باب في ما عني به الطلاق والنيات، رقم الحديث: ۲۲۰۱؛ جامع ترمذی، كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا، رقم الحديث: ۱۶۴۷؛ إرواء الغليل للألباني، ۱/۵۹، رقم الحديث: ۲۲۔

رَسُولَ اللَّهِ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: أَلَيْسَ إِنَّ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ كَانَ عَلَيْهِ وَزْرٌ؟ فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي حَلَالٍ كَانَ لَهُ أَجْرٌ. ❁

”تم میں سے کسی کا اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے گا اور اُسے اجر بھی ملے گا؟ فرمایا: اگر وہ حرام مباشرت کا مرتکب ہوتا تو کیا وہ گنہگار نہ ہوتا؟ اسی طرح وہ جائز مباشرت کرنے پر اجر کا مستحق ہے۔“

نیز حدیث میں آیا ہے:

((وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَ سَعْيًا عَلَى عِيَالِهِ وَ تَعَطُّفًا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللَّهَ وَ وَجْهَهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ)) ❁

”جو شخص دنیا کی جائز چیزوں کا طلب گار ہو اپنی خودداری کو باقی رکھنے، اپنے اہل و عیال کا نفقہ ادا کرنے اور اپنے پڑوسی پر مہربان ہونے کی غرض سے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔“

اس طرح ہر جائز کام جو مومن انجام دیتا ہے حُسن نیت کی بنا پر عبادت بن جاتا ہے۔ برعکس اس کے حرام حرام ہی رہتا ہے خواہ اس کا ارتکاب کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کیوں نہ کیا جائے اور کتنا ہی اعلیٰ مقصد کیوں نہ پیش نظر ہو۔ اسلام کو یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ حرام کو بنایا جائے۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، رقم الحدیث ۱۰۰۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی إماطة الأذى عن الطريق، رقم الحدیث ۵۲۴۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۶۷/۵، رقم: ۲۱۴۸؛ کتاب الأدب المفرد للبخاری، باب ان كل معرف صدقة ۱/۱۲۰، رقم الحدیث: ۲۲۷۔ ❁ [ضعیف] حلیة الأولیاء لابن نعیم الاصفهانی ۲۱۵/۸؛ شعب الایمان للبیہقی، ۲۹۸/۷، رقم: ۱۰۳۷۵؛ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶/۷، رقم الباب ۲۹۹، رقم الحدیث: ۲۲۱۸۶۔

اسلام میں مقصد کا اعلیٰ ہونا اور اس کے حصول کے ذرائع کا پاکیزہ ہونا دونوں ہی مطلوب ہیں۔ اسلامی شریعت اس قاعدہ کو ہرگز تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ ”مقصد ہر قسم کے ذریعہ کو جائز کر دیتا ہے۔“ اور نہ اس کے نزدیک یہ اصول ہی قابل قبول ہے کہ ”صحیح مقصد کے حصول کے لیے بہ کثرت غلط طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔“ برخلاف اس کے اسلام یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ صحیح مقصد کے لیے صحیح طریقے ہی اختیار کیے جائیں۔

لہذا اگر کوئی شخص اس غرض سے سود، رشوت، حرام کھیل، جو اور دیگر منظورات کے ذریعہ روپیہ کماتا ہے کہ وہ مسجد تعمیر کرے گا یا رفاہی خدمت انجام دے گا تو مقصد کی یہ پاکیزگی حرمت کو رفع نہیں کرتی، کیونکہ اسلام میں مقاصد اور نیتیں حرام پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ نبی ﷺ نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا، إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ﴿١﴾ وَقَالَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ ﴿٢﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ ”يَا رَبِّ يَا رَبِّ“ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغَدِيٌّ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟ ﴿٣﴾

”اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اہل ایمان کو اس نے اس بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا: ”اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ

۱/۲۳ المؤمنون: ۵۱۔ ﴿۱﴾ ۲/البقرة: ۱۷۲۔

۲/۱۰۱۵؛ جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة البقرة، رقم الحدیث: ۲۹۸۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۲۸، رقم الحدیث: ۸۳۴۸؛ السنن الكبرى للبيهقي، کتاب صلاة الاستقاء، باب الخروج من المظالم والتقرب إلى الله، ۳/۳۴۶۔

کرتے ہو اس کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔“ نیز فرمایا: ”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر طے کرتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ بال پریشان ہیں، پاؤں غبار آلود ہیں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے۔ ”اے رب، اے رب!“ لیکن اس کا کھانا حرام، پینا حرام، پوشش حرام اور حرام کھا کر ہی وہ پلا ہے، تو ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟“

اور فرمایا:

((مَنْ جَمَعَ مَالًا مِنْ حَرَامٍ ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ،
وَكَانَ إِصْرُهُ عَلَيْهِ.)) ❁

”جس نے حرام مال جمع کیا اور پھر اسے صدقہ کیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے بلکہ اس پر (حرام کمائی کے) گناہ کا بار ہے۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقَ بِهِ فَيُقْبَلُ مِنْهُ وَلَا يُنْفِقُ
مِنْهُ فَيُبَارِكَ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى
النَّارِ، أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلَكِنْ يَمْحُو
السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ.)) ❁

”جو بندہ حرام مال کما کر صدقہ کرتا ہے وہ قبول نہیں ہوتا۔ اس میں سے جو

❁ [ضعیف] صحیح ابن حبان ۱۱/۸، رقم الحدیث: ۳۲۱۶؛ مستدرک حاکم کتاب الزکاة، باب من تصدق من مال حرام: ۱/۳۹۰، السنن الکبری للبیہقی، کتاب الزکاة، باب الدلیل علی ان من أدى فرض الله في الزکاة ۴/۸۴؛ (نوٹ: امام البانی رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف کہنے سے رجوع کر لیا ہے بحوالہ تراجم العلامۃ الابانی لأبو الحسن محمد حسن، ص ۱۶۰)۔

❁ [ضعیف] مسند احمد بن حنبل ۱/۳۸۷، رقم الحدیث: ۳۶۷۲؛ شرح السنۃ للبیہقی ۱۱/۸، رقم الحدیث: ۲۰۳۰؛ مجمع الزوائد للہیثمی ۱۰/۳۹۳، رقم الحدیث: ۱۷۶۹۷؛ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی، ۴/۱۶۶۔

کچھ وہ خرچ کرتا ہے اس میں برکت بھی نہیں ہوتی اور جو اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ جہنم کے لیے زادِ راہ بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا، بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ گندگی گندگی کو نہیں مٹاتی۔“

9 حرام میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ سے مشتبہات سے بچنا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے حلال و حرام کا معاملہ لوگوں پر مبہم نہیں رکھا بلکہ حلال کو واضح کر دیا اور حرام کی تفصیل بیان کر دی۔

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام کر دی ہیں۔“

لہذا جو چیز واضح طور پر حلال ہے اس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو چیز واضح طور پر حرام ہے اس کو غیر اضطراری حالت میں اختیار کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایک دائرہ واضح حلال اور واضح حرام کے درمیان مشتبہات کا بھی ہے۔ ایسے امور میں لوگ التباس محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو دلائل ہی غیر واضح ہوتے ہیں اور کبھی نص کو پیش آمدہ واقعہ پر منطبق کرنا سخت الجھن کا باعث بن جاتا ہے۔ اس قسم کے مشتبہ امور سے بچنے کا نام اسلام میں توڑع ہے۔ یہ توڑع سد ذریعہ کا کام دیتا ہے اور انسان کی صحیح ڈھنگ پر تربیت کرتا ہے، ورنہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی مشتبہات میں پڑ کر حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔ یہ اصول نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی ہے:

((الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ، لَا يَدْرِي كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ أَمْ الْحَرَامِ، فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ، وَمَنْ وَقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا أَنَّ مَنْ يَرُوعِي حَوْلَ الْحِمَى

أَوْشَكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ. أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمِّيَ أَلَا وَإِنَّ حِمِّيَ
اللَّهِ مَحَارِمُهُ.)) ❁

”حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو نہیں معلوم کہ آیا یہ حلال ہیں یا حرام۔ تو جو شخص اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچانے کے لیے ان سے احتراز کرے گا وہ سلامتی میں رہے گا، لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہوگا تو اس کا حرام میں مبتلا ہونا بعید نہیں جس طرح کوئی شخص اپنے جانور ممنوعہ چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے تو ان کے اندر داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ سنو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے، اور سنو! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اُس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔“

❁ حرام سب کے لیے حرام ہے۔

اسلامی شریعت میں حرام کا حکم عام ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز عجمی کے لیے تو حرام ہو اور عربی کے لیے حلال، کالے کے لیے ممنوع ہو اور گورے کے لیے مباح، اور نہ ہی کسی چیز کا جواز یا رخصت کسی مخصوص طبقہ یا گروہ کے لیے ہے کہ کاہن، احبار، بادشاہ یا شرفانام کا فائدہ اٹھا کر اپنی نفس پرستی کا سامان کرتے رہیں۔ اصل میں مسلمان کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ ایک چیز مسلمان کے لیے حلال ہو اور دوسروں کے لیے حرام۔ نہیں، بلکہ جس طرح اللہ تمام انسانوں کا رب ہے اسی طرح اس کی شریعت بھی سب کی رہنما ہے، لہذا اس نے اپنی شریعت میں جس چیز کو حلال قرار دیا ہے وہ تمام انسانوں کے لیے حلال ہے اور جس

❁ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدينه، رقم الحدیث: ۵۲؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، رقم الحدیث: ۱۵۹۹؛ سنن ابی داؤد، کتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات، رقم الحدیث: ۳۳۲۹؛ سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبهات، رقم الحدیث: ۳۹۸۴؛ جامع ترمذی، کتاب البيوع، باب ما جاء في ترك الشبهات، رقم الحدیث: ۱۲۰۵۔

کو حرام قرار دیا ہے وہ قیامت تک سب کے لیے حرام ہے۔ مثال کے طور پر چوری کرنا حرام ہے، خواہ مسلمان چوری کرے یا غیر مسلم، اور خواہ چرائی ہوئی چیز مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔ اسی طرح چور کے لیے سزا لازمی ہے خواہ اس کا نسب کچھ ہو اور اس کی وابستگی کسی سے بھی ہو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر خود نبی ﷺ نے عمل درآ مد فرمایا اور اس کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

((وَأَيْمُ اللَّهِ لَوْ سَرَقْتُ فَاطِمَةَ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.)) ❁

”اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

عہد رسالت میں چوری کا ایک واقعہ پیش آیا جس میں ایک یہودی اور ایک مسلمان پر شبہ ہوا۔ مسلمان کے رشتہ دار بعض قرآن کی بنا پر یہودی پر الزام رکھنے لگے، حالانکہ درحقیقت مسلمان نے چوری کی تھی۔ اس موقع پر وحی الہی نے بے لاگ انصاف سے کام لیتے ہوئے یہودی کو بری قرار دیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ط وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ۝﴾ ❁

”یہ کتاب ہم نے حق کے ساتھ تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے، تم خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو اور اللہ سے استغفار کرو، یقیناً اللہ

❁ صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبياء، باب نمبر ۵۴، رقم الحدیث: ۳۴۷۵؛ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، رقم الحدیث: ۱۶۸۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الحدیث شفیع فیہ، رقم الحدیث: ۴۳۷۳؛ جامع ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراهیة أن یشفع فی الحدود رقم الحدیث: ۱۴۳۰؛ إرواء الغلیل للألبانی، ۳۵۱/۷، رقم الحدیث: ۲۳۱۹۔ ❁ ۴/النساء: ۱۰۵، ۱۰۶۔

غفور و رحیم ہے۔ اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو اپنے نفس سے خیانت کرتے

ہیں۔ اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو خیانت کار اور معصیت کوش ہوں۔“

یہودی جنہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی اس خیال میں مبتلا تھے کہ سود ایک یہودی پر صرف اس صورت میں حرام ہے جبکہ وہ اپنے یہودی بھائی کو قرض دے۔ کسی غیر یہودی کو سود پر قرض دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ”سفر تثنیۃ الاشتراع“ میں ہے:

”کسی اجنبی کو سود پر قرض دے، لیکن اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دے۔“ ❁

قرآن نے بھی ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ دوسری ملت والوں کے ساتھ خیانت کرنے میں کوئی حرج یا گناہ محسوس نہیں کرتے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بَدِينَارٍ لِأَيُّودِهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا ذُمتَ عَلَيْهِ
قَائِمًا ذَلِكَ بَانَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ
وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ❁

”اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ایک دینار بھی ان کی امانت میں دو تو وہ اس کو ادا نہیں کریں گے جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اُمیوں (غیر یہودیوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی الزام نہیں ہے، اور یہ بات وہ جانتے بوجھتے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے۔“

بے شک انہوں نے اللہ پر جھوٹ ہی باندھا تھا، کیونکہ حقیقتاً اللہ کی شریعت قوموں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتی۔ اللہ نے خیانت کو تو تمام انبیاء علیہم السلام کی زبانی حرام قرار دیا ہے۔

❁ ضرورتیں محظورات کو مباح کر دیتی ہیں

اسلام نے حرام کے معاملہ میں سخت احکام دیے ہیں، لیکن اس نے انسانی زندگی کی ضرورتوں کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتی ہے اور انسانی کمزوری کا بھی اس نے پورا لحاظ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اس بات کو جائز کر دیا ہے کہ ایک مسلمان شدید ضرورت

کے پیش آ جانے پر اپنی جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت حرام چیز کھالے۔ اللہ تعالیٰ نے مردار، خون اور سور کے گوشت کی حرمت کا حکم دینے کے بعد فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ❶

”تو جو شخص مجبور ہو جائے اور وہ اس کا خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے

والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

یہ حکم دیگر چار سورتوں میں بھی آیا ہے جس کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری آیتوں کے پیش نظر فقہائے اسلام نے یہ اہم اصول اخذ کیا ہے کہ ”ضرورتیں محظورات کو جائز کر دیتی ہیں۔“ لیکن خیال رہے کہ ان آیات نے مضطر (لاچار) کے لیے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ کی قید لگائی ہے جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حالتِ مجبوری میں حرام سے فائدہ اٹھانے والا حرام شے کی لذت کا طالب نہ ہو اور نہ ہی فائدہ اٹھانے کے معاملہ میں حدِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو۔ اس شرط سے فقہانے ایک اور اصول اخذ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”ضرورت اپنا دائرہ خود متعین کرتی ہے۔“

انسان کو اگرچہ کہ مجبوری کے آگے جھکنا پڑتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے کو پوری طرح مجبوری کے حوالہ کر دے اور اپنے نفس کی زمام اس کے ہاتھ میں دے بیٹھے، اسے لازماً اصل حلال سے وابستہ رہنا چاہیے اور اسی کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو چیز دفعِ ضرورت کے لیے وقتی طور پر حلال ہو گئی تھی اسے سہل خیال کیا جانے لگے اور اس سے لذت حاصل کی جانے لگے۔

اسلام نے ضرورت کے موقعوں پر محظورات کو مباح کر کے اپنی عام اسپرٹ (روح) اور قواعدِ کلیہ کے مطابق بڑی آسانی پیدا کر دی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ ❷

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔“

پابندوں حلال و حرام

مسلمان
کی انفرادی
زندگی میں

مائے کولات
و
مشروبات

لباس
اور
زینت

گھر

کسیب
اور
پیسے

مأکولات و مشروبات

خورد و نوش اور خاص طور سے حیوانی غذاؤں کے بارے میں اقوام و ملل کا یہ اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے کہ کیا چیزیں جائز ہیں اور کیا چیزیں ناجائز۔ جہاں تک نباتاتی غذاؤں اور مشروبات کا تعلق ہے، اختلافات کا دائرہ وسیع نہیں ہے اور اسلام نے تو شراب کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ انگور سے بنائی گئی ہو یا کھجور یا جو یا کسی بھی اور چیز سے۔ اسی طرح اُس نے اُن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جو عقل میں فتور یا بے حسی کی کیفیت پیدا کرتی ہوں، نیز وہ چیزیں جو مضر صحت ہوں۔

رہیں حیوانی غذائیں تو اس معاملہ میں قوموں اور ملتوں کے درمیان شدید اختلاف رہا ہے۔

برہمنوں کے نزدیک جانور کو ذبح کرنے اور کھانے کا مسئلہ:

برہمنوں جیسے اہل مذاہب اور بعض اہل تفسف نے جانور کا ذبح کرنا اور اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ ان کا گزارہ سبزی خوری پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک جانور کو ذبح کرنا بڑا سنگدلانہ کام ہے۔

لیکن جب ہم کائنات پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان حیوانات کی تخلیق بجائے خود مقصود نہیں ہے، کیونکہ ان کو عقل و ارادہ کی قوت عطا نہیں ہوئی ہے اور ان کی طبعی ساخت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں۔ انسان جس طرح ان کی تسخیر سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح اگر ذبح کر کے ان کے گوشت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہم اس سنتِ الہی کو بھی جانتے ہیں کہ ادنیٰ نوع کی مخلوق کو اعلیٰ نوع کی مخلوق کے لیے قربان ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ سبز نباتات حیوان کے چارہ کے لیے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ اسی طرح جانور کو انسان کی غذا کے لیے ذبح کیا جاتا ہے، بلکہ انسانی فرد کو بھی اجتماعی مصالح کی خاطر لڑنا اور مرنا پڑتا ہے۔

پھر انسان اگر جانور کو ذبح کرنے سے رُک بھی جائے تو اسے موت یا ہلاکت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو دوسرے جانور سے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے یا وہ اپنی موت مر جائے گا۔ اور یہ صورت بعض مرتبہ جانور کے لیے اس کے گلے پر چھری چلائے جانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حرام جانور یہود و نصاریٰ کے نزدیک

کتاب رکھنے والے مذاہب میں سے یہود پر اللہ نے خشکی و تری کے بہت سے جانور حرام کر دیے تھے جس کی تفصیل توریت کی ”سفر لاوین“ کی گیارھویں فصل میں بیان ہوئی ہے۔

یہود پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں سے بعض کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور ان کی تحریم کا سبب ان کے ظلم و معصیت کو قرار دیا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ط ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٠﴾﴾¹

”اور جو یہودی ہوئے اُن پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کیے تھے اور گائے اور بکری کی چربی بھی بجز اس کے جو اُن کی پیٹھ یا اُن کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو یا کسی ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی اور ہم بالکل سچے ہیں۔“

یہ ہے یہود کا معاملہ۔ اور نصاریٰ ان کے تابع ہی ہیں، چنانچہ انجیل کا بیان ہے کہ مسیح علیہ السلام ناموس (شریعت) کو ختم کرنے کے لیے نہیں آئے تھے، بلکہ اس کو مکمل کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن نصاریٰ نے خود ناموس کو ختم کیا اور تورات کی حرام کردہ چیزوں میں سے جن کو انجیل نے منسوخ نہیں کیا تھا ان کو وہ خود جائز قرار دے بیٹھے۔ اسی طرح خورد و نوش

کے معاملہ میں انہوں نے مقدس پولس کے احکام کی پیروی اختیار کی اور صرف اُس جانور کو حرام قرار دیا جو بٹوں کے لیے ذبح کر دیا گیا ہو۔ پولس نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ ”پاک لوگوں کے لیے ہر چیز پاک ہے اور جو چیز منہ کے اندر جاتی ہے وہ نجس نہیں کرتی، بلکہ جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہ نجس کر دیتا ہے۔“

اس دلیل سے انہوں نے سور کا گوشت بھی جائز کر لیا حالانکہ تورات میں صریح حکم موجود ہے جس سے آج تک ان پر یہ چیز حرام چلی آ رہی ہے۔

جاہلیت میں عربوں کے نزدیک

رہے عرب تو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بعض جانوروں کو نجس سمجھ کر اور بعض کو بر بنائے وہم بٹوں کے تقرب کے لیے حرام قرار دیا تھا۔ مثلاً بکیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جن کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے، اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے مردار اور بہتا ہوا خون جیسی بہت سی ناپاک چیزیں جائز کر لی تھیں۔

اسلام نے پاک چیزوں کو جائز قرار دیا

اسلام جب آیا تو لوگ حیوانی غذا کے معاملہ میں اس قسم کی افراط و تفریط میں مبتلا تھے۔ لہذا اسلام نے تمام انسانوں سے خطاب کر کے کہا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾

”لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاک ہیں اُن کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا گھلا ہوا دشمن ہے۔“

گویا اسلام نے دعوتِ عام دی کہ لوگ آئیں اور اس وسیع دسترخوان (زمین) سے پاک چیزیں نوش کریں اور شیطان کی راہوں پر نہ چل پڑیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ نے جس کو حلال ٹھہرایا ہے اس کو حرام ٹھہرا کر گمراہی کے گڑھے میں نہ جا گریں۔ اس کے بعد مؤمنوں

سے خصوصی خطاب کر کے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی بندگی کرنے والے ہو۔ اس نے تو بس تم پر مردار، خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام کر دیا ہے البتہ جو شخص مجبور ہو جائے اور اس کا نہ خواہش مند ہو اور نہ حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اس خصوصی خطاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور اپنے محسن کے شکر گزار بن کر اس کی نعمتوں کا حق ادا کریں۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ آیت میں جن چار اصناف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيْمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”کہو، جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز کسی کھانے والے پر حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ یہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں کچھ کھالے بغیر اس کے کہ وہ اس کا خواہش

مند ہو، یا حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو یقیناً تمہارا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

سورہ مائدہ میں ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالِدَمُّ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَّةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ نَدٍ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ ❶

”تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر مرا ہو، جو چوٹ کھا کر مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو بجز اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو۔“

اس آیت میں دس محرمات بیان کیے گئے ہیں اور اس سے پہلے والی آیت میں صرف چار محرمات۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہے۔ کیونکہ مُنْخَنِقَةُ، مَوْقُوذَةُ، مُتَرَدِّيَّةُ، نَطِيحَةُ اور درندوں کا پھاڑ کھایا ہو جانور یہ سب مُرْدَارِہی کے حکم میں ہیں اور اسی کی یہ تفصیل ہے۔ استھانوں پر ذبح کیا ہو جانور بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے حکم میں شامل ہے۔ اس طرح محرمات اجمالاً چار ہیں اور تفصیلاً دس۔

مُردار کی تحریم اور اس کی مصلحتیں

❶ قرآن کی آیات میں جہاں حرام کھانوں کا بیان ہوا ہے وہاں سب سے پہلے مُردار کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی وہ حیوان یا پرندہ جو طبعی موت مرا ہو۔ اس کی موت ذبح یا شکار کے ذریعہ واقع نہ ہوئی ہو۔

عصر حاضر کا ذہن سوال کرتا ہے کہ مُردار کو حرام قرار دینے اور کھانے کے کام میں

لانے کے بجائے رائیگاں جانے دینے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ جواب میں ہم عرض کریں گے کہ مُردار کی تحریم گونا گوں مصلحتوں پر مبنی ہے:

(۱) طبع سلیم مُردار سے نفرت کرتی ہے۔ عام طور سے اہل دانش مُردار کھانا باعثِ احتقار سمجھتے ہیں اور اسے انسان کے شایانِ شان خیال نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کتابی مذاہب مُردار کو حرام قرار دیتے ہیں اور ذبح شدہ جانور ہی کو کھانا پسند کرتے ہیں، گو کہ ذبح کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ آدمی کوئی ایسی چیز کھائے جس کے حصول کا اُس نے قصد و ارادہ نہ کیا ہو۔ مُردار کا معاملہ ایسا ہی ہے، البتہ جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے یا جس کا شکار کر لیا جاتا ہے اس میں انسان کے قصد اور اس کی سعی و عمل کا دخل ضرور ہوتا ہے۔

(ج) جو جانور اپنی موت مرا ہو اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ اس کی موت دائم المریض ہونے یا کسی حادثہ کا شکار ہونے یا زہریلی نباتات کھانے سے واقع ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں ضرر کا اندیشہ ہے اور یہ اندیشہ اس صورت میں بھی ہوتا ہے جب کہ شدتِ ضعف یا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔

(د) اللہ تعالیٰ نے مُردار کو حرام قرار دے کر چرند و پرند کے لیے اپنی رحمت سے غذا مہیا کر دی ہے، کیونکہ وہ بھی ہماری طرح ایک اُمت ہیں۔

(۵) ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مملوکہ جانوروں کو مرض کا شکار ہونے یا کمزور ہو کر تلف ہو جانے کے لیے نہ چھوڑ دے، بلکہ یا تو علاج کے لیے جلدی کرے یا آرام پہنچانے (ذبح کرنے) میں جلدی کرے۔

بہائے ہوئے خون کی حرمت

② محرمات میں سے دوسری چیز ”دَمِ مَسْفُوح“ ہے یعنی بہنے والا خون۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ تلی کا کیا حکم؟ فرمایا: ”کھا سکتے ہو۔“ لوگوں نے کہا: ”وہ تو خون ہے۔“ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بہنے والے خون کو حرام کیا ہے۔“ اس کی وجہ اس کا نجس ہونا

ہے۔ انسان کی پاکیزہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور اس میں مردار کی طرح مضر توں کا بھی احتمال ہے۔

اہل جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی شخص کو بھوک محسوس ہوتی تو ہڈی یا کوئی تیز چیز اونٹ وغیرہ کے جسم میں جھونک دیتا اور جو خون نکل پڑتا اس کو وہ پی لیتا۔ اس سے جانور کو بڑی تکلیف ہوتی اور وہ کمزور ہو جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بہائے ہوئے خون کو حرام قرار دیا۔

سور کا گوشت

③ تیسری چیز سور کا گوشت ہے جو طبع سلیم کے نزدیک نجس ہے اور اس سے اسے نفرت ہے، کیونکہ خنزیر کی مرغوب غذا نجاست اور گوڑا کرکٹ ہے۔ طب جدید کی رو سے اس کا کھانا ہر خطہ میں اور خاص طور پر گرم ممالک میں سخت مضر ہے، اور سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں، اور معلوم نہیں آئندہ مزید کیا کیا اسرار منکشف ہوں گے! محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت کم ہو جاتی ہے۔

غیر اللہ کے لیے نامزد کردہ جانور

④ محرّمات میں سے چوتھی چیز وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو، یعنی جو بئوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ بت پرست اپنے ذبیحہ پر لات، عزّی وغیرہ بئوں کے نام لیا کرتے تھے۔ یہ غیر اللہ کے لیے تعبد و تقرب تھا۔ اس کی تحریم کا سبب دینی ہے اس سے مقصود توحید کا تحفظ، عقائد کی تطہیر اور شرک و بت پرستی کے مظاہر کی مخالفت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی، اس کے لیے زمین کی ساری چیزیں مسخر کر دیں اور جانور کو بھی اس کے تابع کر دیا۔ نیز انسان کے فائدے کے لیے اس کی جان لینا بھی جائز کر دیا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔ گویا اللہ کا نام لینا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ ایک جاندار مخلوق کو ذبح کرنے کا کام وہ اللہ ہی کی اجازت سے کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ

ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس اجازت کو عملاً باطل کر دیتا ہے، اس لیے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس ذبیحہ کے استفادہ سے اسے محروم کر دیا جائے۔

مردار کی قسمیں:

اجمالاً یہ چار چیزیں جن کا بیان اوپر گزر چکا، حرام ہیں۔ ان کی تفصیل سورہ مائدہ کی آیت میں بیان ہوئی جس کی رو سے محرمات دس ہیں:

⑤ مُنْخَنِقَهُ یعنی وہ جو گلا گھٹ جانے سے مر گیا ہو۔

⑥ مَوْقُودَةٌ یعنی وہ جو لاشی وغیرہ کی مار کھانے سے مر گیا ہو۔

⑦ مُتْرَدِيَهُ یعنی جو اوپر سے گر کر مر گیا۔ مثلاً جو کنوئیں میں گر کر مر جائے۔

⑧ نَطِيحَهُ یعنی وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے مر گیا ہو۔

⑨ وہ جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ یعنی کسی درندے نے جانور کو پھاڑ کر اس کا کوئی جز

کھایا ہو اور اس کی وجہ سے وہ مر گیا ہو۔

ان پانچ اقسام کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ یعنی ان میں سے کسی جانور کو تم نے زندہ پا کر ذبح کر دیا ہو تو وہ حرمت سے مستثنیٰ ہے۔ ایسی صورت میں ذبح کرنے کے لیے رتم بھر زندگی کا ہونا کافی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”اگر تم موقوذہ، متردیہ اور نطیحہ کو ذبح کرتے وقت اس حال میں پاؤ کہ وہ

ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہے تو اسے کھاؤ۔“

اور ضحاک رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”اہل جاہلیت ان جانوروں کو ذبح کیے بغیر کھاتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے

اسلام میں ان کو حرام ٹھہرایا۔ البتہ ان میں سے جس کو ذبح کر لیا گیا ہو اس کو

حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا۔ لہذا جو جانور اس حال میں پایا جائے کہ اس کے

پاؤں، یا دم یا آنکھیں حرکت کر رہی ہوں اور اسے ذبح کر لیا جائے تو وہ

حلال ہے۔“

البتہ بعض فقہاء کے نزدیک اس میں قرار پذیر زندگی کا ہونا ضروری ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ خون بہنے لگے اور ہاتھ پاؤں سخت حرکت کرنے لگیں۔

مردار کی ان قسموں کو حرام کرنے کی مصلحتیں

مردار کی ان قسموں کی حرمت میں وہی مصلحتیں ہیں جن کا ذکر ہم اس سے پہلے مردار کی حرمت کے سلسلہ میں کر چکے ہیں اور خاص طور سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر جانوروں پر مہربان ہونے اور ان کی محافظت کا احساس پیدا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ جانوروں کو بے پرواہی کے ساتھ چھوڑ دیں کہ کوئی گلا گھٹ کر مر جائے اور کوئی اونچائی سے گر کر۔ اور نہ انھیں لڑنے کے لیے چھوڑ دیں کہ سینگ مار کر ایک دوسرے کو ہلاک کریں۔ جانور کو اتنا مارنا بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مر جائے جس طرح بعض سنگدل چرواہے مارتے ہیں۔ اسی طرح جانوروں کو جو لڑایا جاتا ہے، مثلاً دو بیلوں کو سینگ مارنے کے لیے اکسایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک ہو جاتے ہیں تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

رہی درندے کے پھاڑ کھائے ہوئے جانور کی حرمت تو اس معاملہ میں انسان کی بزرگی ملحوظ رہی ہے اور اسے درندے کے پس خوردہ سے پاک رکھا گیا ہے۔ اہل جاہلیت درندوں کے پھاڑ کھائے ہوئے اونٹ، گائے وغیرہ کو کھالیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا پس خوردہ مؤمنوں پر حرام کر دیا۔

استھان کا ذبیحہ

⑩ ان محرمات میں سے دسویں چیز نضب یعنی استھان کا ذبیحہ ہے۔ استھان وہ بت یا پتھر جو طاغوت کے نشان کے طور پر قائم کر دیا گیا ہو، یعنی جس سے غیر اللہ کی پرستش مقصود ہو۔ خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان بنائے گئے تھے اور اہل جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے ان پر جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ ”استھان کا ذبیحہ“ ”غیر اللہ کا ذبیحہ“ کے قبیل ہی کی چیز ہے، کیونکہ دونوں ہی میں طاغوت کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ”غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور“ کے اطلاق کے لیے ضروری نہیں کہ ذبح کرتے

وقت بُت سامنے موجود ہو بلکہ بُت کے نام پر ذبح کرنا کافی ہے، لیکن استھان کا ذبیحہ استھان ہی پر کیا جاتا ہے، خواہ غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ گویا پہلی صورت میں مقام متعین نہیں ہوتا، لیکن دوسری صورت میں مقام متعین ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کے اطراف میں استھان موجود تھے اور کرنے والا یہ گمان کر سکتا تھا کہ ان استھانوں پر ذبح کرنے سے بیٹ اللہ کی تعظیم ہوگی، اس لیے قرآن نے اس توہم کا ازالہ کر دیا اور اس فعل کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ورنہ ”غیر اللہ کے ذبیحہ“ کے مفہوم میں ”استھان کا ذبیحہ“ شامل ہی ہے۔

مچھلی اور ٹڈی مُردار کے حکم سے مستثنیٰ ہے

اسلامی شریعت نے مچھلی جیسے آبی جانوروں کو حرام کردہ مُردار سے مستثنیٰ کر دیا ہے، چنانچہ جب نبی ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((هُوَ الطَّهُورُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ.))¹

”سمندر کا پانی طہور (پاک) ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ.﴾²

”تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”سمندر کے شکار کا مطلب یہ ہے کہ جو سمندر سے شکار کے ذریعہ حاصل کیا

¹ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء، بماء البحر، رقم الحدیث: ۸۳؛

جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی ماء البحر، رقم الحدیث: ۶۹؛ سنن النسائی، کتاب

الطہارۃ، باب فی ماء البحر، رقم الحدیث: ۵۹؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء، بماء

البحر، رقم الحدیث: ۳۸۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۲۳۷، رقم الحدیث: ۷۲۳۳؛ إرواء الغلیل

للألبانی، ۱/۴۲، رقم الحدیث: ۹۔ ² ۵/المآئدہ: ۹۶۔

جائے اور سمندر کے کھانے سے مراد یہ ہے کہ جس کو سمندر خود پھینک دے۔“
اسی کے مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ:

”سمندر کے کھانے سے مراد سمندر کا مردار ہے۔“

صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً مِنْ أَصْحَابِهِ فَوَجَدُوا أَحْوَاتًا كَبِيرًا قَدْ جَزَرَ عَنْهُ الْبَحْرُ. أَيْ مَيْتًا. فَأَكَلُوا مِنْهُ بِضْعَةَ وَعِشْرِينَ يَوْمًا، ثُمَّ قَدِمُوا إِلَى الْمَدِينَةِ، فَاخْبَرُوا الرَّسُولَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللَّهُ لَكُمْ، أَطْعَمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ، فَاتَاهُ بَعْضُهُمْ بِشَيْءٍ فَأَكَلَهُ.))

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ کسی مہم پر روانہ کیا ان کے ہاتھ ایک بڑی مچھلی لگی جسے سمندر نے پھینک دیا تھا۔ یعنی وہ مردار تھی۔ اسے وہ بیس سے زیادہ دنوں تک کھاتے رہے، پھر جب مدینہ لوٹے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نکالا ہے اسے کھاؤ۔ اگر اس مچھلی میں سے تمہارے پاس کچھ موجود ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ بعض حضرات نے اس مچھلی کے کچھ اجزا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔“

سمندر کے مردار ہی کی طرح ٹڈیوں کا حکم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ ٹڈیاں کھانے کی اجازت دی ہے، کیونکہ ان کو ذبح کرنا ممکن ہی نہیں۔ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة سيف البحر، رقم الحديث: ۴۳۶۲؛ صحیح

مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب اباحة ميتات البحر، رقم الحديث: ۱۹۳۵؛ شرح السنة

للبلغوی ۱۱/۲۴۷، رقم الحديث: ۲۸۰۴؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۵۱/۹؛ مسند احمد بن

حنبل، ۳/۳۰۶، رقم: ۱۴۲۸۶۔

((غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ مَعَهُ

الْجَرَادَ.)) ❁

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے اور

آپ ﷺ کے ساتھ ٹڈیاں کھاتے رہے۔“

مردار کی کھال، ہڈی اور بال سے فائدہ اٹھانا

مردار کے حرام ہونے کا مطلب اس کا کھانا حرام ہے۔ اُس کی کھال، سینگ، ہڈی یا

بال سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مطلوب ہے، کیونکہ ایک قابلِ استفادہ چیز

کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((تُصَدِّقُ عَلٰی مَوْلَاةٍ لِّمَيْمُونَةَ. اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ، بِشَاةٍ فَمَاتَتْ.

فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: هَلَّا أَخَذْتُمْ إِيَّاهَا جِلْدَهَا.

فَدَبَغْتُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ؟ فَقَالُوا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ. فَقَالَ: إِنَّمَا حُرِّمَ

أَكْلِهَا.)) ❁

”اُمُّ الْمُؤْمِنِينَ حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقہ میں بکری ملی جو مر گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا گزر اُس طرف سے ہوا تو فرمایا: اس کی کھال تم نے نہیں

لی کہ اُس کو دباغت کر کے اپنے کام میں لاتے؟ لوگوں نے کہا: وہ مردار

ہے۔ فرمایا: مردار کا بس کھانا ہی تو حرام کر دیا گیا۔“

نبی ﷺ نے مردار کی کھال کو پاک کرنے کا طریقہ بتلا دیا ہے، یعنی دباغت کرنا۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب أكل الجراد، رقم الحديث: ۵۴۹۵؛

صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب إباحة الجراد، رقم الحديث: ۱۹۵۲؛ جامع ترمذی،

کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی أكل الجراد، رقم الحديث: ۱۸۲۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب

الأطعمة، باب فی أكل الجراد، رقم الحديث: ۳۸۱۲۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الزکاة،

باب الصدقة علی موالی أزواج النبی، رقم الحديث: ۱۴۹۰؛ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب

طهارة جلود الميتة بالدباغ، رقم الحديث: ۳۶۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی أهب الميتة،

رقم الحديث: ۴۱۲۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۶۲/۱، رقم الحديث: ۲۳۶۹۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((دِبَاغُ الْأَدِيمِ ذَكَاتُهُ.)) ❁

”کھال کو دباغت کے ذریعہ پاک کرنا جانور کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔“

ایک اور روایت میں ہے:

((دِبَاغُهُ يَذْهَبُ بِخَبِيثِهِ.)) ❁

”دباغت، نجاست کو زائل کرتی ہے۔“

اور صحیح مسلم وغیرہ میں نبی ﷺ سے مروی ہے:

((أَيُّمَا إهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طُهِرَ.)) ❁

”جس کھال کی بھی دباغت کی گئی وہ پاک ہوگئی۔“

یہ حکم عام ہے جس کا اطلاق تمام کھالوں پر ہوتا ہے، خواہ وہ کتے کی ہو یا خنزیر کی۔ یہ

اہل ظاہر کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اسے ترجیح دیتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

”ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کی کھال کی دباغت کی، اس کے بعد

ہم برابر اس میں نبیذ (کھجور کا شربت) بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانا

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل ۴۷۶/۳، رقم الحدیث: ۱۵۹۰۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی أہب المیتة، رقم الحدیث: ۴۱۲۵؛ مستدرک حاکم ۴/۱۴۱؛ صحیح ابن حبان ۱۰/۳۸۱، رقم: ۴۵۲۲۔

❁ [ضعیف بهذا اللفظ] السنن الكبرى للبيهقي، ۱/۱۷؛ مستدرک حاکم، ۱/۱۶۱۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، رقم الحدیث: ۳۶۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی أہب المیتة، رقم الحدیث: ۴۱۲۳؛ جامع ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس القراء رقم الحدیث ۱۷۲۸؛ سنن ابن ماجه کتاب اللباس، باب لبس جلود الميتة إذا دُبِغَت، رقم الحدیث: ۳۶۰۹؛ سنن النسائي، کتاب الفرع والعتيرة، باب جلود الميتة، رقم الحدیث: ۴۲۴۶۔

مشکیزہ بن گئی۔“ ❁

مجبوری کی حالت مستثنیٰ ہے:

یہ تمام محرّمات اختیاری حالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالتِ مجبوری کے احکام اس سے مختلف ہیں جس کا ذکر اس سے پہلے ہم کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ.﴾ ❁

”اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو تم پر حرام کر دی ہیں اس استثناء کے ساتھ جس کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔“

اسی طرح مردار اور خون کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ﴾ ❁

”تو جو شخص مجبور ہو جائے اور وہ خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو

تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

جس مجبوری پر سب کا اتفاق ہے وہ کھانے کی ایسی مجبوری ہے کہ بھوک کاٹ رہی ہو

بعض فقہانے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ مجبوری کی حالت میں ایک شب و روز گزر

جائے اور سوائے حرام غذا کے کوئی چیز کھانے کے لیے نہ ملے۔ ایسی صورت میں مجبور شخص

حرام غذا اس حد تک کھا سکتا ہے کہ مجبوری ختم ہو جائے اور ہلاکت سے وہ بچ جائے۔ امام

مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی حد یہ ہے کہ پیٹ بھر کھالے اور ضرورت کے بقدر سفر کے

❁ صحیح البخاری، کتاب الایمان والنور، باب إذا حلف ان لا یشرّب نبینا رقم الحدیث: ۶۶۸۶؛

السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱/۱۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۴۲۹، رقم الحدیث: ۲۷۴۱۸؛

کتاب السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الفرع والعتیرة، باب جلود المیتة ۳/۸۳، رقم

الحدیث: ۴۵۶۶۔

❁ ۶/الانعام: ۱۱۹۔ ❁ ۲/البقرة: ۱۷۳۔

لیے ساتھ لے لے یہاں تک کہ کوئی جائز کھانے کے لیے مل جائے۔ دیگر فقہاء کا قول یہ ہے کہ حرام میں سے سدِ رمتق سے زیادہ نہ کھائے اور غالباً اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ سے یہی مترشح ہوتا ہے۔

بھوک کی مجبوری کا حقیقۃً مجبوری ہونا قرآن کی نص سے واضح ہے۔

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحِيمٌ ۝﴾

”پس جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر بغیر گناہ کی طرف مائل ہوئے کوئی حرام

چیز کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

علاج کی مجبوری

رہی علاج کی مجبوری یعنی شفا حاصل کرنے کے لیے کسی حرام چیز کا کھانا ناگزیر ہو جائے تو فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے اس مجبوری کا اعتبار نہیں کیا ہے اُن کا استدلال اس حدیث سے ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِي مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ ۝﴾

”اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی ہے۔“

لیکن دوسرے گروہ نے علاج کی مجبوری کا لحاظ کیا ہے اور علاج کو غذا کی طرح ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ دونوں ہی چیزیں زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اس گروہ کا استدلال یہ ہے:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو خارش کی

۱/۲ البقرة: ۱۷۳۔

﴿صحيح موقوفاً﴾ مستدرک حاکم، ۲/۱۸؛ مجمع الزوائد للهيثمى، كتاب الطب:

۸۶/۵؛ صحيح ابن حبان، ۲۳۳/۴، رقم الحديث: ۱۳۹۱؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۵/۱۰۔

وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی تھی حالانکہ ریشم پہننا ممنوع ہے اور اس پر وعید آئی ہے۔

غالباً یہ قول اسلام کی اسپرٹ سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اسلام نے تمام تشریحی امور میں انسانی زندگی کی محافظت کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ لیکن جو دوا حرام چیز سے بنائی گئی ہو اس کو استعمال کرنے کی اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

- ۱۔ اس کو استعمال نہ کرنے کی صورت میں صحت کو واقعی خطرہ لاحق ہو۔
- ۲۔ کوئی ایسی جائز دوا نہ مل سکے جو اس دوا کا بدل ہو یا جو اس سے بے نیاز کر دے۔
- ۳۔ یہ دوا کسی مسلمان طبیب نے تجویز کی ہو جو دینی لحاظ سے بھی قابل اعتماد ہو اور اپنی معلومات اور تجربہ کے لحاظ سے بھی۔

ہم اس پر اپنی معلومات اور قابل اعتماد ڈاکٹروں کے بیانات کی روشنی میں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان محرّمات میں سے کسی چیز کو علاج کے لیے استعمال کرنا ناگزیر ہو ایسی کوئی طبی ضرورت واقعی موجود نہیں ہے۔ پھر بھی اصولی طور پر ایسی ضرورت کو ہم احتیاطاً تسلیم کر لیتے ہیں، کیونکہ ممکن ہے کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں اسے محرّمات کے سوا کوئی دوسری چیز نہ مل سکے۔

فرد کی مجبوری اس صورت میں باقی نہیں رہتی جبکہ معاشرہ میں اسکی ضرورت کو پورا کرنے کا سامان موجود ہو۔

آدمی کے پاس اگر ذاتی طور سے خورد و نوش کی اشیاء موجود نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر طرح مجبور ہو گیا ہے، جبکہ معاشرہ کے دیگر افراد کے پاس خواہ وہ مسلم ہوں یا

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱۲۷/۳۔ رقم الحدیث: ۱۲۲۸۸؛ سنن ابی داؤد کتاب اللباس، باب فی لبس الحریر لِعُذْر، رقم الحدیث: ۴۰۵۶؛ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما یرخص للرجال من الحریر للحکة، رقم الحدیث: ۵۸۳۹؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب اباحة، لبس الحریر للرجل، رقم الحدیث: ۲۰۷۶۔

ذمی کھانے پینے کی چیزیں فاضل مقدار میں موجود ہوں۔ ایسی صورت میں اس مجبور شخص کی ضرورت ان فاضل چیزوں سے پوری کی جاسکتی ہے اور اسے حرام چیزیں کھانے سے بچایا جاسکتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی تکمیل درحقیقت ایک دوسرے سے مل کر ہوتی ہے اور وہ باہم ایک دوسرے کے کفیل ہوتے ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کے افراد جسدِ واحد کے اجزا ہیں یا یوں کہئے کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس کے اجزا ایک دوسرے کو مستحکم کرتے ہیں۔

اجتماعی کفالت کے بارے میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ گراں قدر رائے فقہائے اسلام کے لیے مشعلِ راہ ہے:

”ایک مسلمان کے لیے حالتِ اضطرار میں مردار یا سور کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے جبکہ اس کے مسلم یا ذمی ساتھی کے پاس خورد و نوش کی فاضل اشیاء موجود ہوں، کیونکہ جس کے پاس کھانے کی فاضل چیزیں موجود ہوں اس پر بھوکے کو کھانا کھلانا فرض ہے۔ ایسی صورت میں یہ مضطر (لاچار) شخص مردار یا خنزیر کا گوشت کھانے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ اس کو اپنے ساتھی سے کھانے پینے کی فاضل چیزیں حاصل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ اس غرض کے لیے اگر اسے لڑنا پڑے اور اس میں وہ مارا جائے تو قاتل کے ذمہ قصاص ہوگا اور اگر مجبور اُروکنے والے شخص کو قتل کرنا پڑا تو اس مقتول پر اللہ کی لعنت ہے، کیونکہ اس مقتول نے ایک مجبور شخص کو اپنا حق حاصل کرنے سے روکا۔ بنا بریں اس کا شمار باغی گروہ میں ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیا ہے۔“

﴿فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيئَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ﴿٩٩﴾

”پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔“

در اصل اپنے بھائی کو روکنے والا شخص باغی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔ ❁

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

بحری جانور سب حلال ہیں

اپنے مسکن و مستقر کے لحاظ سے جانوروں کی دو قسمیں ہیں: بحری اور بری۔

بحری جانور جو پانی کے اندر رہتے ہیں اور پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں سب حلال ہیں۔ جس حالت میں بھی پائے جائیں۔ خواہ وہ پانی سے زندہ نکالے گئے ہوں یا مردہ، سطح آب پر تیرتے ہوئے پائے جائیں یا اس کے بغیر، مچھلی ہو یا سمندری کتا، سمندری خنزیر ہو یا کوئی اور جانور، یکساں طور پر جائز ہیں اور اس سلسلہ میں اس بات کا بھی اعتبار نہیں کہ ان کو پکڑنے والا مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ سمندر اور دریا کے تمام جانوروں کو مباح کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑی وسعت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِيَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ ❁

”اسی نے دریا کو مسخر کیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔“

نیز فرمایا:

﴿أَجَلٌ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ ❁

”تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا۔ یہ تمہارے

فائدے کے لیے ہے اور قافلہ والوں کے لیے (زادِ راہ) بھی۔“

حرام برّی جانور

جہاں تک برّی جانوروں کا تعلق ہے قرآن نے صراحت کے ساتھ مگر اجمالاً چار چیزوں کو اور تفصیل کے ساتھ دس چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جن کا بیان اس سے پہلے گزر چکا۔

لیکن قرآن کریم نے رسول ﷺ کی یہ شان بھی بیان فرمائی ہے:

﴿وَيُحَلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَيُحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ.﴾¹

”یہ رسول ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے۔“

خبیث وہ چیزیں ہیں جن کو کھیتیت مجموعی لوگ عام ذوق کے لحاظ سے گندہ خیال کرتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ کچھ افراد ان کو پسند کرتے ہوں۔

اس قبیل کی ایک چیز پالتو گدھے کا گوشت ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((نَهَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ))

”نبی ﷺ نے خبیر کے دن پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔“²

اور اسی سے متعلق صحیحین کی یہ حدیث ہے:

((نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ

مِنَ الطَّيْرِ.))³

”نبی ﷺ نے کچلی والے درندوں اور پنچہ سے کھانے والے پرندوں کو

کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔“

1 ۷/الاعراف: ۱۵۷۔

2 صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الانسية، رقم الحديث: ۵۵۲۴؛

صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب فی اکل لحوم الخیل، رقم الحديث: ۱۹۴۱؛ سنن

ابی داؤد، کتاب الأطعمة باب فی اکل لحوم الخیل، رقم الحديث: ۳۷۸۸؛ مسند احمد بن

حنبل ۳/۳۵۶، رقم الحديث: ۱۴۸۴۰؛ إرواء الغلیل للالبانی، ۸/۱۳۷، رقم الحديث: ۲۴۸۴۔

3 صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب تحريم اكل كل ذي ناب من السباع، رقم

الحديث: ۱۹۳۴؛ صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب اكل كل ذي ناب من السباع رقم

الحديث: ۵۵۳۰؛ بدون لفظ ”وكل ذي مخلب من الطير“؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب

ما جاء فی اكل السباع، رقم الحديث: ۳۸۰۳؛ صحیح ابن حبان، ۸۵/۱۲، رقم

الحديث: ۵۲۸۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۴۴، رقم الحديث: ۲۱۹۲۔

سباع (درندہ) سے مراد زبردستی پھاڑ کھانے والا جانور ہے، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ اور پنچہ والے پرندوں سے مراد وہ پرندے ہیں جو ناخن سے شکار کرتے ہوں، جیسے گدھ، باز، شکرہ، چیل وغیرہ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں جو چار چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ غالباً ان کے نزدیک درندوں وغیرہ کی ممانعت والی احادیث سے کراہت کا حکم نکلتا ہے نہ کہ حرمت کا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان تک یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔ بہر حال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے میں سورہ انعام کی آیت ﴿قُلْ لَا آجِدُ﴾ کے پیش نظر پالتو گدھے کا گوشت حلال ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا رجحان بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے مسلک کی طرف ہے۔

مانوس جانوروں کی اباحت کے لیے ذبح کرنے کی شرط

خشکی کے جن جانوروں کا کھانا جائز ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم تو ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں ہیں، مثلاً اونٹ، گائے، بکری جیسے چوپائے اور وہ پرندے جو پالے جاتے ہیں۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو انسان کے قابو میں نہ ہوں۔

پہلی قسم کے جانوروں کے جواز کے لیے اسلام نے یہ شرط عائد کی ہے کہ انہیں شرعی طریقہ پر ذبح کر دیا جائے۔

شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے شرائط

ذبح کرنے کے شرعی طریقہ کی تکمیل کے شرائط درج ذیل ہیں:

① جانور کو کسی تیز آلہ سے ذبح کیا جائے جس سے خون نکل پڑے اور رگیں کٹ جائیں، خواہ وہ آلہ پتھر کا ہو یا لکڑی کا۔ حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا نَصِيدُ الصَّيْدَ فَلَا نَجِدُ سِكِّينًا إِلَّا

الظَّرَارَ وَشِقَّةَ الْعَصَا، فَقَالَ أَمَرَ الدَّمُ بِمَا شِئْتَ، وَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ

عَلَيْهِ.))

”میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم شکار کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی سوائے دھار والے پتھر اور بانس کے ٹکڑے کے۔ فرمایا: جس چیز سے چاہو خون بہاؤ اور اس پر اللہ کا نام لو۔“

② حلق پر چھری چلائی جائے یا لَبَّ (گلے کے نچلے حصہ) میں چھرا گھونپ دیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو۔

اور ذبح کرنے کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ حلق، کھانے کی نالی اور گلے کے اندر کی دو بڑی رگیں کاٹ دی جائیں۔

بعض فقہانے مزید شرائط عائد کی ہیں، لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ ان شرائط پر کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے اور ذبح کرنا ایک ایسا فعل ہے جو فطری طور پر معروف ہے اور لوگ عادتاً اس کو جانتے ہیں۔ لہذا تعمق و تشدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً یہ سوال کہ یہ چیزیں پوری طرح کٹ جانی چاہئیں یا ان کے اکثر حصہ کا کٹ جانا کافی ہے؟ اور کیا یہ بھی شرط ہے کہ ذبح کرنے کا کام مکمل ہو جانے سے پہلے ہاتھ نہ اٹھایا جائے؟ وغیرہ حلق پر چھری چلانے کی شرط اس صورت میں ساقط ہو جاتی ہے جبکہ ذبح کرنے کا موقع نہ ہو، مثلاً جانور کنویں میں سر کے بل گر گیا ہو اور اس کا حلق ہاتھ نہ آئے یا وہ بپھر جائے ایسی صورت میں اس کے ساتھ شکار کا معاملہ کیا جائے گا۔ لہذا کسی بھی تیز چیز سے اس کے کسی حصہ کو زخمی کر دینا کافی ہوگا۔ صحیحین میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرِهِ فَنَدَّ بَعِيرٌ مِنْ اِبْلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ

مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبِسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

مسند احمد بن حنبل، ۲۵۶/۴، رقم الحدیث: ۱۸۲۵۰؛ مسند احمد بن حنبل،

۴۶۳/۳، رقم الحدیث: ۱۵۸۰۶ یہ معنا حدیث صحیح ہے؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب

ما یذکی بہ، رقم الحدیث: ۳۱۷۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب الذبیحة بالمروءة، رقم

الحدیث: ۲۸۲۴، مستدرک حاکم، کتاب الذبائح، ۲۴۰/۴۔

إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هَذَا فافْعَلُوا
بِهَ هَكَذَا. ﴿١﴾

”ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اونٹ قابو سے باہر ہو گیا۔ لوگوں کے ساتھ گھوڑے نہیں تھے (کہ آگے جا کر پکڑ لیں) ایک شخص نے تیر چلا کر اونٹ کو روک لیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان چوپایوں کی خصلت وحشی جانوروں کی ہوتی ہے لہذا جب کوئی چوپایہ ایسی حرکت کرے تو تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔“

③ اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے، کیونکہ اہل جاہلیت اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی کہ ذبح کرتے وقت ان کا نام لیتے یا استھانوں پر ذبح کرتے۔ قرآن نے ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

④ ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا جائے، جیسا کہ نصوص سے ظاہر ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿١﴾

”اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کو کھاؤ۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ط﴾ ﴿٢﴾

”جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ کہ یہ فسق ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

① صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب إذا تدبیر لقوم فرماہ، رقم الحدیث: ۵۰۴۴؛

صحیح مسلم، کتاب الأضاحی، باب جواز الذبح، بکل ما أنهر الدم، رقم الحدیث: ۱۹۶۸؛ جامع

ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء فی البعیر والبقر، والغنم إذا تد، رقم الحدیث: ۱۴۹۲۔

② ۶/الانعام: ۱۱۸۔ ﴿١﴾ ۶/الانعام: ۱۲۱۔

((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا.)) ❁

”جس جانور کا خون بہایا گیا ہو اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھاؤ۔“

اس شرط کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں شکار کے لیے تیر چلاتے وقت یا سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بعض علما کی رائے میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ذبح کے وقت ہی نام لیا جائے بلکہ کھاتے وقت نام لینا بھی کافی ہے، کیونکہ جو شخص کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اس پر یہ بات منطبق نہیں ہوتی کہ وہ ایسی چیز کھا رہا ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((أَنْ قَوْمًا حَدِيثِي عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمَانِ لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَمْ لَمْ يَذْكُرُوا؟ أَنَا كُلُّ مِنْهَا أَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَذَكَرُوا اسْمَ اللَّهِ وَكُلُوا.)) ❁

”کچھ لوگوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے نبی ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں۔ ایسی صورت میں ہم اسے کھائیں یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔“

❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب إذا ندب عیر لقوم فرماہ، رقم الحدیث: ۵۵۴۳؛ جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء فی البعیر والبقر والغنم إذا ند، رقم الحدیث: ۱۴۹۱؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب ما یذکی بہ، رقم الحدیث: ۳۰۱۷۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب الذبیحة بالمروء، رقم الحدیث: ۲۸۲۱۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الصوحید، باب السؤال باسماء اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث: ۷۳۹۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی أکل اللحم، رقم الحدیث: ۲۸۲۹۔

ذبح کرنے کے اس طریقہ کی حکمت و مصلحت

اس طریقہ ذبح میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جانور کی جان ایسے طریقہ سے نکال لی جائے کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔ اسی لیے آلہ کے تیز ہونے اور حلق کو ذبح کرنے کی شرط عائد کی گئی ہے۔ ساتھ ہی دانت اور ناخن سے ذبح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور گلا گھٹنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے چھری کو تیز کرنے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانے کی ہدایت فرمائی ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شُفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ.))¹

”اللہ نے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، لہذا جب تم قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو ☆ اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو۔ چھری کو تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور پھر چھری تیز کرنے لگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ؟ هَلَّا أَحَدَدْتَ شُفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تَضْجَعَهَا؟))²

”اس بکری کو تم کتنی مرتبہ مارنا چاہتے ہو؟ اسے لٹا دینے سے پہلے چھری

¹ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، رقم الحدیث: ۱۹۵۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی النهی أن تصبر البهائم، رقم الحدیث: ۲۸۱۴؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، رقم الحدیث: ۳۱۷۰۔
² [صحیح] مستدرک حاکم، کتاب الأضاحی ۴/۲۳۱؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/۳۳، رقم الحدیث: ۶۰۳۳؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی، رقم: ۲۴؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۱/۲۶۳، رقم الحدیث: ۱۱۹۱۶۔

☆ یہاں قتل سے مراد اسلامی عدالت کے فیصلہ کے پیش نظر قصاصاً قتل ہے۔ محمد اختر صدیق

کیوں نہ تیز کر لی؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کو ذبح کرنے کے لیے اپنے پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم پر افسوس! اسے اچھے طریقہ سے موت کی طرف لے چلو۔“ ❁

اس طرح اسلام نے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے اور ممکن حد تک اُن کو تکلیف سے بچانے کا سامان کیا ہے۔ اہل جاہلیت زندہ اونٹ کا کوہان اور دُنْبہ کی چکتیاں کاٹ لیا کرتے تھے جس سے ان کو بڑی تکلیف ہوتی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ جانور کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کو حرام قرار دیا۔ فرمایا:

((مَا قَطَعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ)) ❁

”زندہ جانور کا جو جزء کاٹ لیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے۔“

ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی مصلحت

اسلام نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا ہے۔ اس میں جو لطیف نکتہ پوشیدہ ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

بت پرست اور اہل جاہلیت ذبح کرتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیا کرتے تھے اس کے بجائے اللہ کا نام لینے کا طریقہ رائج کر دیا گیا، کیونکہ جب ایک مشرک ذبح کرتے وقت اپنے بت کا نام لیتا ہے تو ایک مؤمن اپنے رب کا نام کیسے نہ لے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جانور بھی انسان کی طرح اللہ کی جاندار مخلوق ہیں۔ انسان کو ان

❁ [ضعیف] سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب اذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، رقم: ۳۱۷۲؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۲۲۳/۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۱۴۴؛ شعب الایمان للبیہقی ۴۸۳/۷، رقم الحدیث: ۱۱۰۷۴؛ السنن الكبرى للبیہقی ۲۸۰/۹۔ ❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۲۱۸/۵، رقم الحدیث: ۲۱۹۰۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، رقم الحدیث: ۲۸۵۸؛ جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء فی قطع من الحي فهو ميت، رقم الحدیث: ۱۴۸۰؛ مستدرک حاکم، ۲۳۹/۴؛ سنن دارقطنی ۲۹۲/۴۔

کی جان اللہ کی اجازت ہی سے لینا چاہیے اور اللہ کا نام لینا اذن الہی کا اعلان کرنے کے مترادف ہے۔ گویا انسان کہتا ہے، میں یہ کام ان کو کمزور یا کر یا ظلم و زیادتی کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اللہ کی اجازت سے اس کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر شکار کرتا ہوں اور اس کا نام لے کر کھاتا ہوں۔

اہل کتاب کا ذبیحہ

اہل کتاب اصلاً توحید کے قائل ہیں، لیکن چونکہ ان کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا اس لیے مسلمان یہ گمان کر سکتے تھے کہ ان کے ساتھ بھی بت پرستوں کی طرح کا معاملہ کیا جا سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ﴾

”آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔“

مختصراً اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ لہذا نہ کوئی بھیرہ ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تمہارے لیے اصلاً حلال ہے، اس کو ہرگز حرام نہیں کیا گیا۔ اسی طرح تمہارا کھانا بھی ان کے لیے حلال ہے، لہذا تم ان کے ذبیحہ یا شکار کا گوشت کھا سکتے ہو اور اپنے ذبیحہ اور شکار کا گوشت ان کو کھلا سکتے ہو۔

اسلام نے کھانے کے معاملہ میں مشرکین عرب کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا، لیکن اہل کتاب کے ساتھ نرمی برتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب وحی، نبوت اور فی الجملہ اصول دین کو مانتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اہل ایمان سے قریب تر ہیں۔ ان کے کھانے میں شرکت، ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو مشروع قرار دے کر

اُن کو یہ موقع فراہم کر دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کو اس کے گھر میں علم و عمل اور اخلاق و معاملات میں اپنی اصلی شکل میں دیکھ لیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اعلیٰ حقائق، اکمل صورت اور پاکیزہ صحیفوں پر مشتمل ہے اور شرک و بدعت اور لغو باتوں سے بالکل پاک ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (اہل کتاب کا کھانا) عام ہیں جو اُن کے تمام کھانوں کو شامل ہیں۔ ان کا ذبیحہ، اناج وغیرہ سب چیزیں ہمارے لیے حلال ہیں جب تک کہ کوئی چیز فی نفسہ حرام نہ ہو، مثلاً مُردار، بہایا ہوا خون اور سور کا گوشت وغیرہ ان چیزوں کا کھانا بالاجماع جائز نہیں ہے، خواہ وہ اہل کتاب کا کھانا ہو یا کسی مسلمان کا۔

جو کنیساؤں اور تہواروں کے لیے ذبح کیا جائے

① کسی کتابی شخص کے بارے میں یہ بات سننے میں نہ آئی ہو کہ اُس نے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام مثلاً مسیح یا عزیٰر کا نام لیا تھا تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال ہے۔ البتہ جب سننے میں آیا ہو کہ اُس نے غیر اللہ کا نام لیا تھا تو بعض فقہا اس ذبیحہ کو حرام کہتے ہیں، کیونکہ ﴿مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ کے حکم میں شامل ہے۔ اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مباح ٹھہرایا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ ذبح کرتے وقت کیا کہتے ہیں۔ ❁

❁ ”مغنی“ میں ہے کہ اگر کتابی اللہ کا نام لینا دانستہ طور پر ترک کر دے یا غیر اللہ کا نام لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ، نخعی رضی اللہ عنہ، حماد رضی اللہ عنہ، اسحاق رضی اللہ عنہ اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہونے سے متعلق آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا وہ ذبیحہ حلال ہے جس میں مقررہ شرائط کی تکمیل کی گئی ہو جس طرح کہ مسلمان کو کرنا پڑتی ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ذبح کر نیوالے نے اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں، غیر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ جائز کر دیا ہے، درآنحالیکہ اسے معلوم ہے کہ ہم ہر ذبح کر نیوالے کے حال سے واقف نہیں ہو سکتے۔ [المغنی، ج ۸، ص ۵۷۱] [مترجم]

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے کنیسہ کے لیے ذبح کیے ہوئے مینڈھے کے بارے میں جسے ”جر جس“ کہا جاتا تھا پوچھا گیا کہ کیا کنیسہ کے اس نذرانہ سے ہم کھا سکتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے سائل کو جواب دیا: ”یہ اہل کتاب ہیں۔ ان کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے اور ہمارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ پھر ان سے کہا: کھا سکتے ہو۔“

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ سے اہل کتاب کے اس ذبیحہ کے بارے میں پوچھا گیا جس کا نذرانہ وہ اپنے تہوار کے موقع پر اور کنیسائوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں، حرام نہیں سمجھتا۔“ ان کا مکروہ خیال کرنا تو روع ہے اور حرام نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ﴿مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ کا مفہوم اہل کتاب کی نسبت سے یہ ہے کہ جسے انہوں نے اپنے معبودوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا ہو اور اسے وہ خود کھاتے نہ ہوں (بلکہ اس کا نذرانہ پیش کرتے ہوں) لیکن جسے ذبح کر کے خود کھاتے ہوں تو اس کا شمار ان کے کھانے میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾

”اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔“

الیکٹرک شاک کا ذبیحہ اور بند ڈبوں کے گوشت کا حکم

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ اہل کتاب کے ذبح کرنے کا طریقہ ہمارے طریقہ کے مطابق ہو، یعنی حلق کو کسی تیز چیز سے کاٹ دیا جائے؟ اکثر علماء سے ضروری سمجھتے ہیں، لیکن مالکیہ کے ایک گروہ کا فتویٰ ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ قاضی ابن العربی رحمہ اللہ سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اہل کتاب کا شکار اور کھانا ان پاک چیزوں

میں سے ہے جن کو اللہ نے جائز ٹھہرایا ہے۔ یہ مطلقاً حلال ہے اور اس کا ذکر

❁ [صحیح] تفسیر الطبری، سورہ المائدہ: آیت نمبر ۵، ۴/۴۴۳، رقم الحدیث: ۱۱۲۵۸۔

تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر، ۴۰۹/۴۵۔ ❁ ۵/المائدہ: ۵۔

خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے تاکہ شکوک رفع ہوں اور غلط خیالات کا ازالہ ہو جائے۔ میرے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ نصرانی مرغی کی گردن مروڑ دیتے ہیں اور پھر اسے پکالتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں یا ان کا کھانا کھایا جاسکتا ہے؟ میں نے کہا: کھایا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ نصاریٰ اور ان کے احبار اور ہبان کا کھانا ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ذبح کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا ہمارے لیے مطلقاً **✽** جائز کر دیا ہے اور ہر وہ کھانا جس کو وہ اپنے دین میں جائز سمجھتے ہوں وہ ہمارے لیے حلال ہے سوائے ان کھانوں کے جن کے بارے میں اللہ نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ ہمارے علما کا کہنا ہے کہ یہ اہل کتاب اپنی عورتیں ہماری زوجیت میں دے دیتے ہیں جن کے ساتھ مباشرت جائز ہے پھر ہم ان کا ذبیحہ کیوں نہ کھائیں؟ حلت و حرمت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کھانا مباشرت سے کم درجہ کی چیز ہے۔“ **✽**

موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں:

✽ یہ بات کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے مطلقاً جائز ہے ایک شاذ قول ہے جو محتاج دلیل ہے۔ قرآن نے ان کے جس ذبیحہ کو جائز قرار دیا ہے وہ مشروع ذبیحہ ہے نہ کہ غیر مشروع۔ جس سیاق میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ جس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اسی کا کھانا جائز ہے البتہ ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مشروع طریقہ پر ذبح کرنے کی شرط معبود ہے، اس لیے اس کو نظر انداز کر کے اہل کتاب کے ہر ذبیحہ کو جائز سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس بنا پر گردن مروڑی ہوئی مرغی ہمارے لیے حلال نہیں ہے۔ (مترجم)

✽ مصنف نے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے ابن العربی کے کلمات میں رد و بدل کر کے غلط موقف واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات علمی امانت اور حق گوئی کے خلاف ہے اور اگر ابن العربی کے کلام کو بھی پڑھا جائے تو اس میں حد درجہ کا تناقض ہے۔ دیکھئے الاعلام بنقد کتاب الحلال و الحرام للفضان۔

”یہ لوگ ذبح نہیں کرتے بلکہ گلا گھونٹ کر یا سر کچل کر ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر اسے کھاتے ہیں اس لیے یہ حرام مُردار ہے لیکن (یہ عدم جواز کی صورت اور اوپر جواز کی جو صورت مذکور ہوئی ان) دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ اہل کتاب جس کے بارے میں یہ سمجھتے ہوں کہ یہ درست ذبیحہ ہے اس کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے۔ اگرچہ کہ ہمارے نزدیک ان کے ذبح کرنے کا طریقہ درست نہ ہو، لیکن جس کے بارے میں وہ خود بھی یہ سمجھتے ہوں کہ یہ ذبیحہ درست نہیں ہے۔ وہ ہمارے لیے بھی حلال نہیں ہے۔ ذبح کا مشترک مفہوم یہ ہے کہ جانور کی جان نکالنے کا قصد اس کا کھانا حلال کرنے کی نیت سے کیا گیا ہو۔“

یہ مسلک مالکیہ کے ایک گروہ کا ہے۔

ان باتوں کی روشنی میں ہم محفوظ کیے ہوئے (بند ڈبوں کے) گوشت کا حکم سمجھ سکتے ہیں جسے اہل کتاب کے یہاں سے درآ مد کیا جاتا ہے مثلاً مرغی کا محفوظ کیا ہوا گوشت جو بعض اوقات الیکٹرک شاک کے ذبیحہ کا ہوتا ہے لیکن جب تک وہ اسے حلال ذبیحہ سمجھتے ہیں آیت کے عموم کے مطابق ہمارے لیے حلال ہے۔ ❁

رہا وہ گوشت جو کیمونسٹ ممالک سے درآ مد کیا جاتا ہے تو ان کا کھانا ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ تمام ادیان نیز اللہ اور رسالت سب کے منکر ہیں اس لیے ان کا شمار اہل کتاب میں ہرگز نہیں ہے۔

❁ جب یہ معلوم ہے کہ عام طور سے بند ڈبہ کا گوشت غیر شرعی طریقہ پر ذبح کیے ہوئے جانور کا ہوتا ہے۔ مثلاً جھٹکا کیا ہوا یا جس کو ذبح کرتے وقت دانستہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو ایسا گوشت محض اہل کتاب کی طرف منسوب ہو جانے سے ہمارے لیے کس طرح جائز ہوگا؟ کسی چیز کا حکم عام طریقہ کو دیکھ کر ہی لگایا جاتا ہے اور جو جانور غیر مشروع طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں، خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا عیسائی۔ مترجم۔

مجوسیوں وغیرہ کا ذبیحہ

مجوسیوں کے ذبیحہ کے بارے میں علما کا اختلاف ہے ❁۔ اکثر علما کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ دیگر علما کہتے ہیں کہ حلال ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((سَنُّوْا بِهٖمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ)) ❁

”ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ اختیار کرو۔“

اور یہ واقعہ ہے کہ ”ہجر“ کے مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا تھا۔ ❁

❁ جمہور علما کے نزدیک مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، امام مالک رضی اللہ عنہ، امام زہری رضی اللہ عنہ، امام ثوری رضی اللہ عنہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ، اصحاب الرائے اور امام احمد رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ ابن قدامہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ((سَنُّوْا بِهٖمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ)) (ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو) کا تعلق جزیہ سے ہے۔ ذبائح اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو المغنی ج ۸، ص ۵۷۰۔ علامہ حصاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ مجوس کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہا کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں اور جو ان کے اہل کتاب ہونے کے قائل ہیں وہ شاذ ہیں۔ ان کے اہل کتاب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دو گروہوں کو اہل کتاب قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اُنزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰی طٰٓئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ اگر مجوس اہل کتاب ہوتے تو ذکر کرتین گروہ کا ہوتا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجوس اہل کتاب میں سے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ ”ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔“ آپ ﷺ نے یہ بات خاص طور سے جزیہ کے بارے میں فرمائی۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن للخصاص، ج ۲، ص ۴۰۰) مترجم

❁ [ضعیف] مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۳/۶، رقم الحدیث: ۹۸۰۰؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۴۳۷/۱۹، رقم: ۱۰۵۹؛ السنن الكبرى للبیہقی، ۱۸۹/۹، ۱۹۰؛ إرواء الغلیل للذہبی، ۸۸/۵، رقم الحدیث: ۱۲۴۸؛ مؤطا امام مالک، کتاب الزکاة، باب جزية اهل الكتاب والمجوس، باب نمبر ۲۴۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الجزية الموادة، باب الجزية والموادة، رقم الحدیث: ۳۱۵۷؛ جامع ترمذی، کتاب السیر، باب فی أخذ الجزية من المجوس، رقم الحدیث: ۱۵۸۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب أخذ الجزية من المجوس، رقم الحدیث: ۳۰۴۳؛ إرواء الغلیل للذہبی، ۸۹/۵، رقم الحدیث: ۱۲۴۹۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”المحلی“ میں ذبح کے باب میں فرماتے ہیں:
 ”وہ بھی کتاب رکھتے ہیں اس لیے ان باتوں میں وہ اہل کتاب کے حکم
 میں ہیں۔“ ❁

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صابی بھی اہل کتاب ہیں۔

قاعدہ: جو چیز نظروں سے غائب ہے اُس کی تفتیش میں نہیں پڑنا
 چاہیے:

ایک مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ جو چیز اُس کی نظروں سے غائب ہو اس کے
 بارے میں تفتیش کرے کہ اس کو کس طرح ذبح کیا گیا تھا؟ ذبح کی شرائط پوری کی گئی تھیں یا
 نہیں؟ اس پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں؟ بلکہ جو ہماری نظروں سے غائب ہو اور ذبح کرنے
 والا مسلمان ہو خواہ وہ جاہل ہو یا فاسق، یا وہ اہل کتاب میں سے ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔
 اس سے پہلے ہم بخاری کی یہ حدیث بیان کر چکے ہیں:

((إِنَّ قَوْمًا سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي
 أَذَكَرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَمُوا اللَّهَ عَلَيْهِ
 أَنْتُمْ وَكُلُوا.))

”کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر
 آتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اُس پر اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔“

علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ افعال و تصرفات کو صحت و
 سلامت پر محمول کیا جائے گا، لہذا یہ کہ فساد و بطلان پر کوئی دلیل قائم ہو۔



شکار

عرب اور دیگر اقوام کے بہت سے لوگ شکار پر گزارہ کرتے تھے، اس لیے قرآن و سنت نے شکار کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے اور فقہانے مستقل ابواب مخصوص کر کے حلال و حرام اور واجب و مستحب کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ یہ تفصیل اس لیے ضروری ہوئی کہ بہت سے جانور اور پرندے جن کا گوشت پاکیزہ ہے، انسان کے اختیار اور قابو میں نہیں ہوتے، کیونکہ وہ انسان سے غیر مانوس ہوتے ہیں، اس لیے اسلام نے مانوس حیوانات کے حلق اور لہہ کو ذبح کرنے کی جو شرط رکھی ہے وہ ان غیر مانوس حیوانات کے لیے نہیں رکھی، بلکہ ان کو ذبح کرنے کا آسان طریقہ تجویز کیا۔ یہ انسان کے حق میں تخفیف اور وسعت ہے۔

اسلام نے انسان کی فطری ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور جو شرائط عائد کی ہیں ان کا منشا یہ ہے کہ انسان اسلام کے عقیدہ اور اس کے نظام کے آگے جھک جائے اور جس طرح ایک مسلمان کو ہر معاملہ میں اسلام کا رنگ اختیار کرنا چاہیے، اس معاملہ میں بھی وہ اسلام کا رنگ اختیار کرے۔

ان شرائط میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق شکار کرنے والے سے ہے، بعض کا شکار سے اور بعض کا شکار کے فعل سے۔

یہ باتیں بری شکار سے متعلق ہیں، کیونکہ دریائی شکار کے بارے میں اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید کے سب کو حلال قرار دیا ہے۔

﴿أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ ①

”دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے لیے جائز کر دیا گیا ہے۔“

وہ شرائط جو شکار کرنے والے سے متعلق ہیں:

① خشکی کا شکار کرنے والے کے لیے وہی شرائط ہیں جو ذبح کرنے والے کے لیے ہیں، یعنی اس کا مسلمان یا اہل کتاب یا جو اہل کتاب کے حکم میں ہیں ان میں سے ہونا جیسے مجوسی یا صابی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ فضول شکار نہ کیا جائے یعنی شکار نہ کھانے کی غرض سے کیا جائے اور نہ کسی اور قسم کا فائدہ اٹھانے کی غرض سے۔ اس طرح خواہ مخواہ جان تلف کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ قَتَلَ عُصْفُورًا عَبَثًا عَجَّ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: يَا رَبِّ،

إِنَّ فَلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًا وَلَمْ يَقْتُلْنِي مَنفَعَةً.)) ❁

”جس نے کسی چڑیا کو بے مقصد مار ڈالا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گی کہ اے رب! فلاں شخص نے مجھے خواہ مخواہ مار ڈالا تھا۔ یہ کام کسی فائدہ کے لیے نہیں کیا تھا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((مَا مِنْ إِنْسَانٍ يَقْتُلُ عُصْفُورًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا إِلَّا سَأَلَهُ

اللَّهُ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ: أَنْ

يَذْبَحَهَا فَيَأْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعُ رَأْسَهَا فَيَرْمِي بِه.)) ❁

”جو شخص کسی چڑیا یا اس سے بھی کم تر کسی جاندار کو ناحق مار ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ!

اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: اس کو ذبح کر کے کھانا، اس کا سر کاٹ کر پھینک نہ دینا۔“

علاوہ ازیں ضروری ہے کہ شکار کرنے والا حج یا عمرہ کے احرام میں نہ ہو، کیونکہ مسلمان

جب احرام میں ہوتا ہے تو مکمل امن و سلامتی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحُرْمٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ط﴾ ❁

”خشکی کا شکار جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔“

❁ [ضعیف] سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب من قتل عصفورا بغیر حقها، رقم

الحدیث: ۴۴۵۱؛ صحیح ابن حبان، ۲۱۴/۱۳، رقم الحدیث: ۵۸۹۴؛ مستدرک حاکم،

کتاب الذبائح، ۲۳۳/۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۸۹/۴، رقم الحدیث: ۱۹۴۷۰۔

❁ [ضعیف] مستدرک حاکم، کتاب الذبائح، ۲۳۳/۴؛ سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب

من قتل عصفورا بغیر حقها رقم الحدیث: ۴۴۵۱۔ ❁ ۵/المآئدہ: ۹۶۔

جس کا شکار کیا جائے اُس سے متعلق شرائط

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا جائے اس کے حلق یا لبہ کو ذبح کرنے پر انسان قادر نہ ہو۔ اگر اس پر قدرت رکھتا ہو تو پھر لازماً اسی طرح ذبح کرنا ہوگا، کیونکہ ذبح کرنے کا اصل طریقہ یہی ہے۔

اسی طرح اگر تیر چلا کر یا سدھائے ہوئے کتے کے ذریعہ شکار کیا ہو اور وہ اس حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی ہو تو معمول کے مطابق حلق کو ذبح کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر ایسی حالت میں مل جائے کہ اس میں قرار پذیر زندگی نہ ہو تو بہتر ہوگا کہ اسے ذبح کر لیا جائے، لیکن اگر اسے اپنے حال پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ صحیحین کی حدیث ہے:

((وَإِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَإِنْ امْسَكَ

عَلَيْكَ فَأَدْرِكْتَهُ حَيًّا فَادْبَحْهُ.)) ❁

”جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام لو۔ پھر اگر وہ شکار کو تمہارے لیے روک رکھے اور تم اسے زندہ پالو تو ذبح کرو۔“

شکار کے ذرائع

وہ چیزیں جن سے شکار کیا جائے دو طرح کی ہیں:

(۱) جارح آلہ جیسے تیر، تلوار، نیزہ۔ جیسا کہ قرآن کی آیت سے مترشح ہے:

﴿تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَا حُكْمٍ﴾ ❁

”جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں آجائے۔“

❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب إذا أكل الكلب، رقم الحدیث: ۵۴۸۳؛

السنن الكبرى للبيهقي، ۲۳۶/۹۔ جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء في الكلب يأكل

من الصيد، رقم الحدیث: ۱۴۷۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۵۶/۴، رقم الحدیث: ۱۸۲۴۵۔

❁ ۵/المآئدہ: ۹۴۔

(ب) شکاری جانور جسے شکار کی تربیت دی گئی ہو، جیسے کتا، چیتا، باز اور شکرہ۔
قرآن میں ہے:

﴿قُلْ أَحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلَّبِينَ
تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ﴾ ❁

”کہو، تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو، یعنی جن کو اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔“

شکار کرنے کیلئے زخمی کرنے والا ہتھیار اور بندوق کے شکار کا حکم
شکار کے آلہ سے متعلق دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ آلہ جسم کے اندر اس طرح نفوذ کر جائے کہ یہ نفوذ اور یہ جرح (زخم) شکار کی موت کا باعث بن جائے۔ آلہ کے بوجھ تلے دب کر موت واقع نہ ہوئی ہو۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

((إِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ فَأَصِيبُهُ قَالَ: إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ
فَخَرَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرَضِهِ فَلَا تَأْكُلْ)) ❁

”میں بغیر پھل کے تیر سے شکار کرتا ہوں اور وہ نشانہ پر لگ جاتا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تیر چلاؤ اور وہ شکار کے جسم میں نوک کی طرف سے گھس جائے تو اسے کھاؤ اور اگر عرض کی طرف سے جا کر لگے تو مت کھاؤ۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتبار نفوذ کرنے کا ہوگا اگرچہ کہ شکار کا قتل کسی بوجھل چیز

❁ ۵/المائدہ: ۴۔ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب ما أصاب المعراض

بعرضہ، رقم: ۵۴۷۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الصيد، باب صيد المعراض، رقم الحديث: ۳۲۱۴

صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالکلاب المعلمة، رقم الحديث: ۱۹۲۹

إرواء الغلیل للالبانی ۱۸۱/۸، رقم الحديث: ۲۵۴۸۔

سے ہوا ہو۔ اس بنا پر بندوق اور ریوالتور کی گولی سے کیا ہوا شکار حلال ہے، کیونکہ یہ گولی جسم میں تیر، نیزہ اور تلوار سے بھی زیادہ تیزی سے نفوذ کرتی ہے۔ رہی مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کہ:

((لَا تَأْكُلُ مِنَ الْبُنْدُقَةِ إِلَّا مَا ذَكَّيْتَ)) ❁

”بندقہ سے کیا ہوا شکار نہ کھاؤ الا یہ کہ تم نے اسے ذبح کر لیا ہو۔“

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو قول نقل کیا ہے کہ بندقہ کا شکار مَوْقُودَه (چوٹ کھا کر مرا ہوا جانور) ہے ❁ تو بندقہ سے مراد مٹی کا ڈھیلا ہے جس کو پھینک کر شکار کیا جائے۔ یہ بندقہ موجودہ بندوق سے بالکل مختلف چیز ہے۔

بندقہ سے مشابہت رکھنے والی چیز کنکری ہے جس کو پھینکنے کی نبی صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے:

((اِنَّهَا لَا تُصِيْدُ صَيْدًا وَلَا تَنْكَا عَدُوًّا لِكِنَّهَا تُكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ)) ❁

”کنکری سے نہ شکار ہوتا ہے اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، بلکہ دانت ٹوٹ جاتا ہے اور آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔“

دوسرے یہ کہ آلہ پھینکتے یا ہتھیار چلاتے وقت اللہ کا نام لیا جائے جس طرح نبی صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو اس کی ہدایت فرمائی تھی اور اس باب میں ان کی حدیثیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

❁ [ضعیف] مسند احمد بن حنبل ۴/۳۸۰، رقم الحدیث: ۱۹۳۹۲؛ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الصيد ۱۴، باب فی البندقۃ والحجر، ۲۱، ۴/۶۱۹؛ السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۴۹۔
❁ [تعلیقاً] صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب صید المعراض، (قول ابن عمر فی المقتولۃ بالبندقۃ) ❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب الخذف والبندقۃ، رقم الحدیث: ۵۴۷۹؛ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب اباحۃ ما يستعان به علی الاصطیاد، رقم الحدیث: ۱۹۵۴؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الخذف، رقم الحدیث: ۵۲۷۰؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الصيد، باب النهی عن الخذف، رقم الحدیث: ۳۲۲۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۵/۵۴، رقم الحدیث: ۲۰۵۴۰۔

کتوں کے ذریعہ شکار

جب شکار کتے یا باز وغیرہ کے ذریعہ کیا جائے تو اس صورت میں درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

☆..... ایک یہ کہ جانور کو شکار کی تربیت دی گئی ہو۔

☆..... دوسرے یہ کہ سدھایا ہوا جانور اپنے مالک کے لیے شکار کرے اور قرآن کی تعبیر کے مطابق اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے مالک کے لیے روکے رکھے۔

☆..... تیسرے یہ کہ اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔

ان شرائط کی بنیاد درج ذیل آیت ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ط قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ لَا وَمَا عَلَّمْتُمْ

مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ ص ﴿۱﴾

”تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیزیں حلال کر دی گئی ہیں؟ کہو!

تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور جن شکاری

جانوروں کو تم نے سدھایا ہو یعنی جن کو اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار

کی تعلیم دیا کرتے ہو وہ جس شکار کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کو کھاؤ،

البتہ اس پر اللہ کا نام لو۔“

① شکاری جانور کو کس حد تک سدھایا جانا چاہیے، یہ ایک معروف بات ہے اس کے

مفہوم میں یہ باتیں شامل ہیں۔ ”اس کا مالک اس پر اپنا حکم چلا سکے، اس کے بلانے پر وہ آ

جائے، شکار کرنے پر وہ آمادہ کرے تو وہ اس کی تعمیل کرے، اور ڈانٹنے پر متنبہ ہو جائے۔“

ان میں سے بعض باتوں کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اصل

بات یہ ہے کہ سدھانے کا مطلب عرف سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

② مالک کے لیے روک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شکار میں سے خود نہ کھائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا أُرْسِلْتَ الْكَلْبَ فَآكَلَ مِنَ الصَّيْدِ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، فَإِذَا أُرْسِلْتَهُ فَقَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ فَكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى صَاحِبِهِ.))

”جب تم کتے کو شکار کے لیے چھوڑ دو اور وہ شکار میں سے کچھ کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے شکار کو اپنے لیے روکا ہے۔ اور اگر تمہارے چھوڑ دینے کے بعد وہ شکار کرے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھائے تو اسے تم کھاؤ، کیونکہ ایسی صورت میں اس نے اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھا ہے۔“

بعض فقہانے درندوں میں فرق کیا ہے۔ ایک وہ جو چوپایوں میں سے ہوں۔ مثلاً کتے۔ اور دوسرے وہ جو پرندوں میں سے، مثلاً شکر۔ ان کے نزدیک پرندہ کا کھایا ہوا شکار جائز ہے لیکن کتے کا کھایا ہوا شکار جائز نہیں۔

شکاری جانور کو سدھانے اور اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھنے کی شرطیں درحقیقت انسان کے مرتبہ کی بلندی کے پیش نظر اور اسے درندوں کے پس خوردہ سے پاک رکھنے کی غرض سے ہیں، کیونکہ جب کتا سدھایا ہوا ہو اور وہ اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھے تو اس کی حیثیت محض آلہ کی ہو جاتی ہے جسے شکاری استعمال کرتا ہے، جیسے تیر اور نیزہ۔

③ شکار کے لیے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا ایسا ہی ہے جیسے تیر چلاتے، نیزہ گھونپتے، یا تلوار سے ضرب لگاتے وقت اللہ کا نام لینا۔ قرآن کی آیت ﴿وَإِذْ كُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ ”اس پر اللہ کا نام لو۔“ میں اس کا حکم موجود ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور متفق علیہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں، جیسے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

صحیح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب إذا اكل الكلب، رقم الحديث: ۵۴۸۳؛ جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ما جاء في الكلب يأكل من الصيد، رقم الحديث: ۱۴۷۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۵۷/۴، رقم الحديث: ۱۸۲۵۹۔ [معناً]

اس شرط کے صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس کتے کو شکار کے لیے چھوڑا گیا اس کے ساتھ اگر کوئی دوسرا کتا شریک ہو جائے تو ان کا شکار جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جب حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا:

((إِنِّي أُرْسِلُ كَلْبِي أَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمِيَتْ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى غَيْرِهِ.))

”میں اپنا کتا شکار کے لیے چھوڑ دیتا ہوں پھر اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی موجود ہوتا ہے معلوم نہیں کس کتے نے شکار کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مت کھاؤ، کیونکہ تم نے اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا تھا، دوسرے کتے پر نہیں لیا تھا۔“

پھر اگر تیر چلاتے وقت یا کتے کو چھوڑتے وقت رب کا نام لینا بھول جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھول چوک کی صورت میں اس امت سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اس کا تدارک کھاتے وقت اللہ کا نام لے کر کیا جائے، جیسا کہ ذبح کے باب میں گزر چکا۔

تیر چلانے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں مل جائے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شکاری تیر چلاتا ہے اور شکار کو لگ جاتا ہے لیکن وہ بروقت دستیاب نہیں ہوتا بلکہ چند دن بعد مردہ حالت میں دستیاب ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ شکار کیا ہوا جانور حلال ہے بشرطیکہ:

① وہ پانی میں نہ گر پڑا ہو، کیونکہ نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((إِذَا رَمِيَتْ سَهْمُكَ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ فَكُلْ إِلَّا أَنْ تَجِدَهُ قَدْ

① [صحیح] مسند احمد بن حنبل ۴/۲۵۶، رقم الحدیث: ۱۸۲۵۵؛ صحیح بخاری،

کتاب الذبائح والصيد، باب صید المعراض، رقم الحدیث: ۵۴۷۶؛ صحیح مسلم، کتاب الصيد

والذبائح، باب الصيد بالكلب المعلمة والرمي، رقم الحدیث: ۱۹۲۹۔

وَقَعَ فِي مَاءٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي الْمَاءُ قَتَلَهُ أَمْ سَهْمُكَ. ﴿١﴾

”تم تیر چلانے کے بعد شکار کو مردہ حالت میں پالو تو کھاؤ، لیکن اگر پانی میں گرا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ، کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ پانی کی وجہ سے وہ مر گیا ہے یا تمہارا تیر لگ کر۔“

② کسی دوسرے تیر کا نشان اس پر موجود نہ ہو جس سے معلوم ہو کہ شکار کسی اور تیر کے لگ جانے سے مر گیا ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ سَهْمِي مِنَ الْغَدِّ، فَقَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَفِيهِ أَثَرَ سَبْعِ فَكُلْ.)) ﴿٢﴾

”میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تیر چلاتا ہوں اور دوسرے دن شکار کو پاتا ہوں جس میں میرا تیر لگا ہوا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے ہی تیر نے اسے قتل کیا ہے اور کسی درندے کے کھانے کا کوئی نشان موجود نہ ہو تو اسے کھا لو۔“

③ شکار میں تعفن نہ پیدا ہوئی ہو، کیونکہ طبع سلیم کے نزدیک متعفن ناپاک ہے اور اسے ایسی چیز سے نفرت ہے، نیز اس میں مضرت کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ثعلبہ سے فرمایا:

❁ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، رقم الحديث: ۱۹۲۹؛ جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء فيمن يرمى الصيد فيجده ميتاً في الماء، رقم الحديث: ۱۴۶۹؛ [معناً]؛ صحيح البخاری، کتاب الذبائح والصيد، باب الصيد، اذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، رقم الحديث: ۵۴۸۴؛ مسند احمد بن حنبل ۴/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۸۲۴۵۔

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب الصيد، باب ماجاء في الرجل يرمى الصيد فيغيب عنه، رقم الحديث: ۱۴۶۸؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲/۲۴۲؛ مسند ابی داؤد الطيالسی، رقم الحديث: ۱۰۴۱؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/۳۸۸، رقم الحديث: ۱۹۳۶۹۔

((اِذَا رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَعَابَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَاَذْرَكَتَهُ فَكُلُّهُ مَا لَمْ يَنْتَنِ.)) ❁

”جب تم تیر چلاؤ اور شکار تین دن کے بعد مل جائے تو اسے کھاؤ، بشرطیکہ اس میں تعفن نہ پیدا ہوا ہو۔“

شراب

خمر (شراب) ایک الکوحلی مادہ ہے جو نشہ پیدا کرتا ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شراب کے کتنے مضر اثرات انسان کے عقل و جسم اور اس کے دین و دنیا پر مرتب ہوتے ہیں اور ایک خاندان کے لیے وہ کیا کیا تباہیاں لاتی ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قوم اور سماج کی مادی، اخلاقی اور روحانی زندگی کے لیے یہ کس قدر خطرناک ہے۔

ایک محقق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسان کو شراب سے بڑھ کر کسی چیز نے زک نہیں پہنچائی اگر دنیا کے اسپتالوں کا جائزہ لے کر ان لوگوں کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں جو شراب کی وجہ سے جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، جو قتل و خون کرنے لگ جاتے ہیں اور جو اعصابی بیماریوں اور پیٹ وغیرہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں، نیز جو اپنی املاک سے ہاتھ دھو کر مفلس اور قلاش ہو کر رہ جاتے ہیں، تو اعداد و شمار ایسی خطرناک حد کو پہنچ جائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں جو نصیحت بھی کی جائے کم ہی محسوس ہوگی۔

عرب زمانہ جاہلیت میں شراب کے متوالے تھے۔ ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ایک سو نام تھے اور ان کی شاعری میں شراب کی اقسام، اس کی خصوصیات اور جام و مینا اور محفل سرور کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ جب اسلام کی آمد ہوئی تو اس نے تربیت کا

❁ صحیح مسلم، کتاب الصيد والذبائح، باب اذا غاب عنه الصيد ثم وجدہ، رقم الحدیث:

۱۹۳۱ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی اتباع الصيد، رقم الحدیث: ۲۸۶۱؛ سنن

النسائی، کتاب الصيد، باب الصيد إذا أنتن، رقم الحدیث: ۴۳۰۸؛ مسند احمد بن حنبل،

۱۹۴/۴، رقم الحدیث: ۱۷۷۴۴۔

نہایت حکیمانہ انداز اختیار کیا اور تدریجاً اسے حرام قرار دیا۔

اس نے سب سے پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی۔ اس کے بعد یہ بات ذہن نشین کرائی کہ شراب کا گناہ اس کے فائدہ سے بڑھ کر ہے اور اخیر میں سورہ مائدہ کی جامع آیت نازل ہوئی جس نے شراب کا قطعی حکم بیان کر دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا
يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيُضِدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ
مُنْتَهُونَ ۝﴾

”اے ایمان والو! شراب، جو، استھان اور پانسے کے تیر بالکل نجس شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز آ جاؤ گے۔“

مذکورہ دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کی شدید حرمت بیان کی ہے۔ اسے رِجْس اور شیطانی عمل سے تعبیر کیا ہے اور اس سے اجتناب کو موجب فلاح قرار دیا ہے اس کے جو اجتماعی نقصانات بیان فرمائے ہیں اُن میں ترک صلوة، بغض و عداوت اور اس کے روحانی نقصانات میں ذکر اللہ اور نماز جیسے دینی فرائض سے روکنا شامل ہے۔ اس کے بعد اس سے باز آنے کی ہدایت نہایت بلیغ انداز میں فرمائی ہے:

﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾

”پھر کیا تم ان چیزوں سے باز آ جاؤ گے؟“

اس قطعی بیان کے بعد مومنوں کا جواب تھا۔ ”اے رب! ہم اس سے باز آ گئے۔“

اے رب! ہم باز آ گئے۔“

انہوں نے اس آیت کے نازل ہونے پر حیرت انگیز نمونہ پیش فرمایا۔ جو شخص ہاتھ میں جام لیے پی رہا تھا یہ سنتے ہی اُس نے منہ سے جام ہٹا دیا اور اسے زمین پر انڈیل دیا۔ بہت سی حکومتوں نے شراب کے نقصانات کو جو افراد، خاندانوں اور ملکوں کو بھگتنا پڑتے ہیں، تسلیم کر لیا ہے اور بعض حکومتوں نے اسے قانون و اقتدار کے بل پر ممنوع قرار دینے کی بھی کوشش کی، چنانچہ امریکہ نے شراب کو قانوناً ممنوع قرار دیا تھا، لیکن اس میں اسے بری طرح ناکامی ہوئی، لیکن اسلام اور صرف اسلام شراب کے خلاف جنگ لڑنے اور اس کا خاتمہ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔

اہل کینسہ کے درمیان شراب کے بارے میں مسیحی مذہب کا موقف متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔ انہوں نے اس کا ماخذ انجیل کی اس عبارت کو قرار دیا ہے کہ ”قلیل مقدار میں شراب معدہ کے لیے مفید ہے۔“

اگر یہ کلام صحیح ہو اور واقعی وہ معدے کے لیے مفید ہو تب بھی قلیل مقدار سے بچنا ضروری ہوگا، کیونکہ قلیل مقدار میں پیتے پیتے آدمی کثیر مقدار میں پینے لگے گا اور ایک جام دوسرے جام کی خواہش پیدا کرے گا۔ اس طرح وہ شراب کا عادی بن جائے گا۔

نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے

نبی ﷺ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی کہ شراب کس چیز سے بنائی جاتی ہے، بلکہ اس کے اثر یعنی نشہ کو قابل لحاظ سمجھا۔ لہذا جس چیز میں نشہ لانے کی قوت ہو وہ خمر (شراب) ہے، خواہ لوگوں نے اس کا کوئی سا نام رکھا ہو اور خواہ وہ کسی چیز سے تیار کی گئی ہو شراب کی اس حقیقت کے پیش نظر بیئر (Beer) اور اس کے مماثل چیزیں حرام ہیں۔

نبی ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ شہد، مکئی اور جو سے جو شراب بنائی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے، تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں بڑی جامع بات ارشاد فرمائی:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ.)) ❁

❁ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب بیان أن كل مسكرٍ خمرٌ وأن كل خمرٍ حرام، رقم

الحديث: ۱۷۳۳، ۲۰۰۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب الخمر مہامی، رقم

الحديث: ۳۶۷۷؛ و باب ماجاء فی السكر، رقم الحديث: ۳۶۷۹؛ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁)

”ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر (شراب) حرام ہے۔“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول سے اعلان فرمایا:

((الْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.)) ❁

”خمر (شراب) وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔“

نشہ آور چیز حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر

اسلام نے قطعی طور پر شراب حرام کر دی ہے اور کم یا زیادہ مقدار میں پینے کا کوئی لحاظ نہیں کیا تا کہ اس راہ میں انسان کے قدم ڈگمگانہ جائیں اور وہ گراوٹ اختیار نہ کرے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ.)) ❁

”جو چیز کثیر مقدار میں نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔“

نیز فرمایا:

((مَا أَسْكَرَ الْفِرْقُ مِنْهُ فَمِلُّهُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ.)) ❁

(❁❁ گذشتہ سے پیوستہ) جامع ترمذی، ابواب الأشربة، باب ماجاء فی شارب الخمر، رقم الحدیث: ۱۸۶۱؛ مسند احمد بن حنبل ۱۳۷/۲، رقم الحدیث: ۶۲۱۸؛ إرواء الغلیل للالبانی، ۴۰/۸ رقم: ۲۳۷۳۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الأشربة، باب الخمر من العنب وغیره، رقم الحدیث: ۵۵۸۱؛ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر، رقم الحدیث: ۳۰۳۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب تحریم الخمر، رقم الحدیث: ۳۶۶۹؛ المنتقی لابن جارود، باب ماجاء فی الأشربة، رقم الحدیث: ۸۵۲؛ إرواء الغلیل للالبانی، ۴۱/۸، رقم الحدیث: ۲۳۷۴۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السكر، رقم الحدیث: ۳۶۸۱؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الأشربة، باب ما أسکر کثیره فقليله حرام، رقم الحدیث: ۳۳۹۳؛ صحیح ابن حبان، ۲۰۲/۱۲، رقم الحدیث: ۵۳۸۲؛ مسند احمد بن حنبل ۳/۳، رقم الحدیث: ۱۴۷۰۳؛ السنن الكبرى للبيهقي، باب ما أسکر کثیره فقليله حرام: ۲۹۶/۸۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل ۷۱/۶، رقم الحدیث: ۲۴۴۲۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب ماجاء فی السكر، رقم الحدیث: ۳۶۸۷؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۹۶/۸؛ المنتقی لابن جارود، باب ماجاء فی الأشربة، رقم الحدیث: ۸۶۱۔

”جو چیز فرق (ایک ناپ جو سولہ رطل کا ہوتا ہے) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس کی چلو بھر مقدار بھی حرام ہے۔“

شراب کی تجارت

نبی ﷺ نے تھوڑی یا زیادہ مقدار میں شراب پینے کو ہی حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا اگرچہ کہ تجارت غیر مسلموں کے ساتھ کی جائے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ شراب کی درآمد و برآمد کا کاروبار کرے یا شراب خانہ کھول کر بیٹھ جائے، یا اس میں ملازمت کرنے لگ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے:

((عَاصِرُهَا وَمَعْتَصِرُهَا وَ شَارِبُهَا وَ حَامِلُهَا وَ الْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ وَ سَاقِيهَا

وَبَائِعُهَا وَ آكِلُ ثَمَنِهَا وَ الْمُشْتَرِي لَهَا وَ الْمُشْتَرَاةُ لَهُ.)) ❁

”شراب نچوڑنے والا، نچروانے والا، پینے والا، اٹھانے والا، وہ جس کے

لیے اٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اس کی قیمت

کھا جانے والا، خریدنے والا، اور وہ جس کے لیے خریدی جائے، ان سب

پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔“

جب سورہ مائدہ کی آیت جس میں شراب کی حرمت بیان ہوئی ہے، نازل ہوئی تو

نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هَذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ

فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ.)) ❁

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب الأشربة، باب النهی أن يتخذ الخمر خللاً، رقم الحدیث: ۱۲۹۵؛

سنن ابن ماجہ، کتاب الأشربة، باب لعنت الخمر علی عشرة أوجه، رقم الحدیث: ۳۳۸۱؛

السنن الكبرى للبيهقي، باب ماجاء فی تحريم الخمر: ۲۸۷/۸ ❁ [صحیح] صحیح مسلم،

کتاب المساقاة، باب تحريم بيع الخمر، رقم الحدیث: ۱۵۷۸؛ الدر المنثور للسيوطی، تفسیر

سورة المائدة، آیت نمبر ۹۰، ۳۱۶/۲؛ نصب الرایة للزیلعی، کتاب البیوع: ۴/۵۴۔

”اللہ نے شراب حرام کر دی ہے۔ لہذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو تو وہ اسے نہ پئے اور نہ اسے فروخت کرے۔“
راوی کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس شراب موجود تھی اس کو انہوں نے مدینہ کے راستوں پر بہا دیا۔

اسلام نے سید ذریعہ کے طور پر یہ بات بھی حرام کر دی کہ کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگوٹھ فروخت کرے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ان کو نچوڑ کر شراب بنائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ حَبَسَ الْعَنْبَ أَيَّامَ الْقَطَافِ حَتَّى يَبِيعَهُ مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ

أَوْ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلَى بَصِيرَةٍ))^❶

”جس نے انگوٹھ کو فصل کٹنے پر روک رکھا تا کہ وہ کسی یہودی یا نصرانی یا کسی

ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے گا جو اس سے شراب بناتا ہو تو وہ جانتے بوجھتے

آگ میں گھس پڑا۔“

مسلمان، شراب کا ہدیہ نہیں دے سکتا

شراب کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت کھا جانا ہی حرام نہیں ہے بلکہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو شراب کا ہدیہ دینا بھی حرام ہے۔ مسلمان پاک ہوتا ہے اور پاک چیز ہی کا ہدیہ دینا اور لینا پسند کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

”ایک شخص نے چاہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شراب ہدیہ پیش کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے شراب حرام کر دی ہے۔ اس نے پوچھا: پھر

اسے فروخت کر دوں؟ فرمایا: جس ہستی نے شراب کا پینا حرام کر دیا ہے اس

❶ [ضعیف] مجمع الزوائد للہیثمی، کتاب البیوع، باب فیمن باع العنب من العصاة ۴/ ۹۰؛

المعجم الاوسط للطبرانی، ۱۷۱/۶؛ رقم الحدیث: ۵۳۵۲؛ الدر المنثور للسیوطی، ۳۲۵/۲؛

التلخیص الحبیر لابن حجر عسقلانی، ۱۹/۳، رقم الحدیث: ۱۱۸۰۔

نے اس کا فروخت کرنا بھی حرام کر دیا ہے۔ اُس نے کہا: پھر یہود کی خدمت میں ہدیہ پیش کر دوں؟ فرمایا: جس ہستی نے اسے حرام کیا ہے اس نے یہود کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا بھی حرام کیا ہے۔ اس نے کہا: پھر میں اسے کیا کروں؟ فرمایا: بطحا کے راستوں پر بہا دو۔ ❁

شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ

اسی طرح مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ شراب کی مجلسوں کا بائیکاٹ کرے اور شراب پینے والوں کا ہم نشین نہ بنے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقْعُدُ عَلَى مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ)) ❁

”جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔“

کیونکہ مسلمان اس بات پر مامور ہے کہ جب کسی منکر کو دیکھے تو اسے بدل دے اور اگر اس کا ازالہ نہ کر سکتا ہو تو پھر اس سے دور ہو جانا چاہیے۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ شراب پینے والوں کے ساتھ اس شخص کو بھی کوڑے لگاتے جو ان کی مجلس

❁ [ضعیف] مسند حمیدی، ۲/۴۴۷، رقم الحدیث: ۱۰۳۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/۲۲۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۹۵؛ المطالب العالی لابن حجر عسقلانی، ۵/۱۳۳، رقم الحدیث: ۱۸۲۰؛ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۴۹۴۴، ۱۱/۳۱۹، [شواہد کی بناء پر یہ حدیث صحیح ہے] بحوالہ مسند حمیدی، محقق [مفہوماً]؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر، رقم الحدیث: ۱۵۷۹۔ (معناً)۔ ❁ [صحیح] السنن الكبرى للبيهقي، ۷/۲۶۶؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۱/۱۲۷، رقم الحدیث: ۲۴۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۰، رقم الحدیث: ۱۲۵؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۱؛ إرواء الغلیل للالبانی، ۷/۶، رقم الحدیث: ۱۹۴۹۔

میں شریک ہوتا گو اس نے شراب نہ پی ہو۔

شراب دوا نہیں بیماری ہے

مذکورہ نصوص سے واضح ہے کہ اسلام نے شراب کے خلاف زبردست جنگ کی، مسلمانوں کو اس سے یکسر روک دیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی۔ اسلام میں نہ تھوڑی سی شراب پینا روا ہے، نہ خرید و فروخت کا معاملہ کیا جاسکتا ہے، نہ ہدیہ کے طور پر شراب پیش کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو بنانا جائز ہے۔ اسی طرح اپنی تجارت گاہ یا اپنے گھر میں شراب رکھنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی جشن وغیرہ کی محفلوں میں پیش کرنے اور غیر مسلم مہمانوں کی اس سے تواضع کرنے اور ماکولات و مشروبات میں اس کی آمیزش کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز ہے۔

رہا دوا کے طور پر شراب کے استعمال کا مسئلہ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے پوچھنے پر اس سے منع فرمایا:

((إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ)) ❁

”شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالِدَوَاءَ وَجَعَلَ لَكُمْ دَاءً دَوَاءً فَتَدَاوُوا وَلَا

تَتَدَاوُوا بِحَرَامٍ)) ❁

”اللہ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں نازل کی ہیں اور تمہارے لیے بیماری

❁ [صحیح] صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمير، رقم الحديث: ۱۹۸۴؛ مسند احمد بن حنبل ۴/۳۱۱؛ رقم الحديث ۱۸۷۸۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدوية المكروهة رقم الحديث: ۳۸۷۳؛ سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب النهی أن يتداوى بالخمير، رقم الحديث: ۳۵۰۰۔ ❁ [ضعيف] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الأدوية المكروهة، رقم الحديث: ۳۸۷۴؛ السنن الكبرى للبيهقي ۱۰/۵؛ نصب الراية للزيلعي ۴/۲۸۵؛ شرح السنة للبغوی، کتاب الطب والرقی، باب الدواء ۱۲/۱۳۹، رقم الحديث: ۳۲۲۶؛ کنز العمال للمتقی الہندی، ۱۰/۵۳، رقم الحديث: ۲۸۳۲۴۔

کا علاج بھی رکھا ہے لہذا علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نشہ آور چیزوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِي مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ.)) ❁

”اللہ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی ہے۔“

علاج معالجہ کے لیے شراب اور دیگر محرّمات کو اسلام نے جو حرام قرار دیا ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول کسی چیز کی حرمت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ اس سے بالکل اجتناب اور دوری اختیار کی جائے۔ اگر بغرض علاج اس کو استعمال کرنے کی گنجائش رکھی گئی تو اس سے رغبت اور اختلاط پیدا ہو جائے گا جو شارع کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔

موصوف مزید فرماتے ہیں: علاج کے لیے اگر شراب کو مباح کر دیا جاتا تو وہ شہوت و لذت کے حصول کا ذریعہ بن سکتی تھی، خصوصاً جبکہ لوگ اسے مفید اور موجب شفا خیال کرتے ہوں۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نفسیاتی پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

”دوا سے شفا حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے قبولیت کے ساتھ

استعمال کیا جائے یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ مفید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ

نے جو شفا رکھی ہے اس کی برکت حاصل ہوگی، لیکن ایک مسلمان کا اعتقاد یہ

ہوتا ہے کہ شراب عین حرام ہے۔ یہ اعتقاد اس کے مفید اور ذریعہ شفا ہونے

کے منافی ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ نہ شراب کے بارے میں اچھا گمان

پیدا ہو سکتا ہے، اور نہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ

بندہ ایمان میں جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی وہ شراب سے نفرت کرے گا اور اسے بُرا

اور ناگوار خیال کرے گا۔ ایسی صورت میں شراب کا استعمال اس کے لیے

❁ [صحیح موقوفاً] مستدرک حاکم، ۲۱۸/۴؛ مجمع الزوائد للہیثمی، کتاب الطب ۵/۸۶؛

صحیح ابن حبان، ۲۳۳/۴؛ رقم الحدیث: ۱۳۹۱؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۵/۱۰۔

بیماری کا باعث ہو گا نہ کہ دوا کا۔“ ❶

اس کے باوجود شریعت کی نظر میں مجبوری ایک حقیقت ہے جس کی مناسبت سے احکام ہیں۔ فرض کیجیے شراب یا کوئی ایسی چیز جس میں شراب ملائی گئی ہو کسی ایسے مرض کا علاج قرار پائے جس میں انسانی زندگی خطرہ میں پڑ گئی ہو اور کوئی ایسی دوا نہ مل سکتی ہو جو اس سے بے نیاز کر دے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسی صورت ممکن ہے۔ اور یہ دوا تجویز کرنے والا مسلمان ماہر طبیب ہو جو دین کے معاملہ میں غیرت مند بھی ہو تو ایسی صورت میں شریعت کے اصول جو آسانی پیدا کرنے اور حرج کو رفع کرنے پر مبنی ہیں اس کے استعمال سے نہیں روکتے، بشرطیکہ یہ استعمال ممکنہ تنگ دائرہ کے اندر ہو۔

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ❷

”پھر جو مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ وہ اس کا چاہنے والا ہو، یا حد سے زیادہ تجاوز کرنے والا تو تمہارا رب غفور و رحیم ہے۔“

مُخَدَّرَاتُ (عقل کو بے حس کرنے والی چیزیں)

الْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ. ”خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانک دے“ ایک درخشندہ بات ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے بیان فرمایا۔ اس سے خمر کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور کسی شبہ کے لیے گنجائش نہیں رہتی۔ ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈالے اور قوت میٹزہ، قوت مد رکہ اور قوت فیصلہ کو متاثر کر دے خمر (شراب) ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے قیامت تک کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔

مُخَدَّرَاتُ مثلاً گانجا (بھنگ کے بیج)، کوکین، افیون وغیرہ اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ یہ عقل پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ دور کی چیز قریب اور قریب کی چیز دور نظر آنے لگتی ہے۔ جو چیز واقعہ موجود ہے اس کے بارے میں ذہول ہونے لگتا ہے، اور جو چیز واقعہ موجود نہیں ہے اس کو آدمی موجود خیال کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ اوہام و خیالات کے

سمندر میں تیرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے نفس، اپنے دین اور اپنی دنیا سب کو بھول کر محض خیالات کی وادی میں بھٹکنے لگتا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے جسم میں فتور اور اعصاب میں بے حسی پیدا ہو جاتی ہے اور صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ جو پست ہمتی، اخلاقی گراوٹ، ارادہ کا ڈھیلا پن اور شعور میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان زہریلی اشیاء کے عادی معاشرہ کے جسم کا ناسور بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کے علاوہ ضیاع مال اور گھروں کی تباہی اس پر مستزاد ہے اور بعض اوقات تو ان منشیات کا عادی اپنے بال بچوں کی غذا تک کا پیسہ ان پر خرچ کر بیٹھتا ہے اور کبھی دوسرے غیر شریفانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔

اسلام کا یہ اصول ہم بیان کر چکے ہیں کہ حرام چیزیں حُبث اور مضرت کا باعث ہیں، اور حقیقت یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صحت کے نقطہ نظر سے نیز نفسیاتی، اخلاقی، اجتماعی اور اقتصادی لحاظ سے یہ چیزیں سخت مضر ہیں جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خباثت کی حرمت پر ان تمام فقہاء کا اتفاق ہے جن کے زمانہ میں ان چیزوں کا ظہور ہوا۔ ان کے پیش پیش شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں:

”یہ حشیش (گانجا) حرام ہے، خواہ اس سے مدہوشی طاری ہو یا نہ ہو.....“

اس میں سرور اور نشہ ہوتا ہے، اس لیے اسے فاجر لوگ ہی استعمال کرتے ہیں اور یہ اپنی خصوصیت کی بنا پر نشہ آور شراب ہی کے قبیل کی چیز ہے۔ شراب محرک ہے اور خصومت کے جذبات پیدا کرتی ہے، اور گانجا عقل میں فتور پیدا کر کے ذلت کا سامان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عقل و مزاج میں خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے، نیز اس سے شہوت کو شہ ملتی ہے اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خرابیوں کے پیش نظر گانجا نشہ آور شراب سے بھی بدتر چیز ہے۔ لوگوں میں اس کا چلن تاتاریوں کے ظہور سے ہوا ہے۔ اس کے

پینے پر خواہ تھوڑی مقدار میں پیا جائے یا زیادہ مقدار میں، شراب کی حد یعنی اسی یا چالیس کوڑے لگائے جانے چاہئیں۔

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گانجا پیا ہے تو اس کی یہ حرکت بمنزلہ شراب نوشی کے ہے، بلکہ بعض وجوہ سے اس سے بھی بدتر ہے اور وہ شراب نوشی ہی کی طرح کی سزا کا مستحق ہے۔ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ محرمات میں سے جن چیزوں کی دلوں میں اشتہاء پیدا ہوتی ہے، جیسے شراب اور زنا، ان پر حد جاری کی جائے گی، لیکن جن چیزوں کی اشتہاء پیدا نہیں ہوتی، جیسے مردار، ان پر تعزیر ہے۔ گانجا تو پینے والوں کو ایسا مرغوب ہوتا ہے کہ وہ اسے کسی حال میں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، حالانکہ کتاب و سنت کے نصوص اس کے حرام ہونے پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح کہ دوسری قسم کی شراب کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔“

جو چیز بھی ضرر رساں ہو اس کا کھانا پینا حرام ہے

اسلامی شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے کسی ایسی چیز کا کھانا پینا جائز نہیں ہے جو اسے فوراً یا آہستہ آہستہ ہلاک کر دے، مثلاً ہر قسم کا زہر یا اور کوئی مضر چیز۔ اسی طرح بکثرت کھانا پینا بھی جائز نہیں کہ بسیار خوری کے نتیجہ میں بیمار پڑ جائے۔ مسلمان کی تحویل میں صرف اس کا نفس ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا دین، اس کی ملت، اس کی زندگی، اس کی صحت، اس کا مال اور اللہ کی ساری ہی نعمتیں اس کے پاس امانت ہوتی ہیں، لہذا ان کو ضائع کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾

”اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ❁

”اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) ❁

”ضرر پہنچانا اپنی تمام صورتوں کے ساتھ ناجائز ہے۔“

اس اصول کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ تمباکو اگر استعمال کرنے والے کے لیے مضر ثابت ہو رہا ہو تو حرام ہے ❁، خاص طور سے جبکہ ڈاکٹر کسی خاص شخص کے بارے میں یہ بتلائے کہ تمباکو کا استعمال اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر بالفرض تمباکو مضر صحت نہ ہو تب بھی وہ مال کا ضیاع ہے جس میں نہ دینی فائدہ ہے، نہ دنیوی۔ حدیث میں ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ)) ❁

”نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

اور یہ ممانعت اس صورت میں اور مؤکد ہو جاتی ہے جب کہ آدمی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ضرورت مند ہو۔

❁ ۲/ البقرة: ۱۹۵۔ ❁ (ضعیف) سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بحارہ، رقم الحدیث: ۲۳۴۰؛ جامع العلوم والحکم، لابن رجب ۲/ ۲۱۰۔ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/ ۱۰، رقم الحدیث: ۶۵۳۷۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ۱/ ۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۳۱۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۵۔

❁ مؤلف نے لکھا ہے کہ اگر تمباکو صحت کے لیے نقصان دہ ہو تو حرام ہے خصوصاً جب اسے کسی ماہر ڈاکٹر نے منع کیا ہو ورنہ نہیں۔ ہم اس کے جواب میں یہی کہنا چاہیں گے کہ ہمیں مؤلف کی پریشانی اور اضطراب پر حیرت ہے، کبھی کہتے ہیں کہ خبیث اور ضرر رساں چیز مسلمان نہیں کھا سکتا، وہ اس کے لئے حرام ہے اور کبھی تمباکو کو جائز کہتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں مؤلف نے خبیث چیزوں کو ناپاک کہا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں تمباکو نوشی حرام ہے۔ نامور محقق نے کئی وجوہات و مفاسد اور مختلف دلائل کے تناظر میں اس کی حرمت ثابت کی ہے۔ دیکھیے اعلام بقند کتاب الحلال والحرام للفوزان: ۱۵-۱۶۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبار، رقم الحدیث: ۵۹۷۵؛ صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة، رقم الحدیث: ۵۹۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/ ۲۵۰، رقم الحدیث: ۱۸۱۹۱۔

لباس اور زینت

اسلام میں یہ بات نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے کہ مسلمان اللہ کی پیدا کردہ زینت، پوشاک اور نفیس لباس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی وضع قطع اور شکل و صورت میں حُسن و جمال پیدا کرے۔

اسلام کی نظر میں لباس سے مقصود دو چیزیں ہیں۔ ایک سترِ عورت اور دوسرے زینت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کے لیے پوشاک اور زینت کا جو سامان مہیا کیا ہے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿يَبْنِيٰ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ط﴾

”اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری ستر پوشی بھی کرتا

ہے اور زینت بھی ہے۔“ [۷/الاعراف: ۲۶]

لہذا ان دو باتوں، ستر پوشی اور تزئین میں بے اعتدالی اختیار کرنا اسلام کی شاہراہ سے انحراف کر کے شیطان کے راستے میں جا پڑنا ہے۔ یہ نکتہ اللہ تعالیٰ کی ان دو نداؤں (آیتوں) میں مضمر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا ہے کہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی میں عریانیت اور ترکِ زینت کا طریقہ اختیار نہ کریں:

﴿يَبْنِيٰ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ط﴾

”اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے

والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اُتروادے تھے

تاکہ ان کی شرمگاہیں ان کے سامنے کھول دے۔“

اور فرمایا:

﴿يَبْنِيٰ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا

تُسْرِفُوا. ﴿۱﴾

”اے بنی آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہنو اور کھاؤ اور پیو مگر حد سے تجاوز نہ کرو۔“

اسلام نے مسلمان پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اپنے جسم کے پوشیدہ اعضاء کو جنہیں ایک مہذب انسان فطری طور پر کھولنے میں شرم محسوس کرتا ہے، چھپائے اور ننگے جانوروں سے ممتاز ہو جائے، نیز اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھے، تاکہ شرم و حیا انسان کی عادت و خصلت بن جائے۔

بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:
 ((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَوْرَتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ؟ فَقَالَ: اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَإِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيْنَهَا. فَقُلْتُ: فَإِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَحَقُّ أَنْ يَسْتَحْيِيَ عَنْهُ.)) ﴿۲﴾

”میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کا کس حد تک خیال رکھیں اور کس حد تک نہیں؟ فرمایا: اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور لونڈی کے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ (سفر وغیرہ میں) ہوں تو؟ فرمایا: جہاں تک ہو سکے ستر پوشی کرو۔ میں نے کہا: جب ہم میں سے کوئی شخص تخیلہ میں ہو تو؟ فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس سے شرمائے۔“

﴿۱﴾ ۷/ الاعراف: ۳۱۔ ﴿۲﴾ [حسن] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب فی التعری، رقم الحدیث: ۴۰۱۷؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی حفظ العورة، رقم الحدیث: ۲۷۹۴؛ مستدرک حاکم، ۴/ ۱۸۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/ ۵، رقم الحدیث ۲۰۰۳۴؛ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی، ۷/ ۱۳۶، رقم الحدیث: ۹۹۲۱۔

نظافت اور جمال والادین

اسلام نے زیبائش سے پہلے نظافت کا اہتمام کرنا ضروری قرار دیا ہے کیونکہ نظافت ہر قسم کی زیب و زینت کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَنْظِفُوا فَإِنَّ الْإِسْلَامَ نَظِيفٌ.)) ❁

”نظافت اختیار کرو کہ اسلام نظافت والادین ہے۔“

((النَّظَافَةُ تَدْعُو إِلَى الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ مَعَ صَاحِبِهِ فِي

الْجَنَّةِ.)) ❁

”نظافت ایمان کی داعی ہے اور ایمان اپنے ساتھی کو لے کر جنت میں جائیگا۔“

نبی ﷺ نے بدن، لباس، گھر اور راستوں کی صفائی کی ترغیب دی ہے اور خاص طور سے اپنے دانت، ہاتھ اور سر کو صاف ستھرا رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

نظافت کی یہ اہمیت ایک ایسے دین میں تعجب خیز نہیں ہے جس نے طہارت کو نماز جیسی اولین عبادت کے لیے کلید کی حیثیت دی ہے، چنانچہ ایک مسلمان کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا بدن، کپڑے اور نماز کی جگہ صاف نہ ہو۔ یہ نظافت غسل اور وضو سے حاصل ہونے والی طہارت کے علاوہ ہے۔

اہل عرب دیہات اور صحرا کے ماحول میں رہتے تھے جس کے زیر اثر اکثر لوگ صفائی اور زیبائش کے معاملہ میں بے اعتنائی برتتے تھے، اس لیے نبی ﷺ ان کے اندر نظافت کا احساس برابر پیدا کرتے رہے اور ان کی تربیت کرتے رہے اور ان کی تربیت اس طرح کی کہ وہ ترقی کر کے متمدن قوم بن گئے اور جس گھٹیا اور ابتر حالت میں تھے اس سے نکل گئے

❁ [ضعیف] أسرار المرفوعة لملا علی القاری، رقم الحدیث: ۱۲۷، ص ۱۵۳؛ کشف

الخفاء ومزیل الالباس للعجلونی، ۱/۲۸۸، رقم الحدیث: ۹۲۲؛ تاریخ بغداد للخطیب ۵/۱۴۳؛

المجروحین لابن حبان، ۳/۵۷۔ ❁ [ضعیف جداً] مجمع الزوائد للہیثمی، ۱/۲۳۶، رقم

الحدیث: ۱۲۱۲؛ المعالای وسط للطبرانی، ۸/۱۵۳، رقم الحدیث: ۷۳۰۷؛ أسرار المرفوعة لملا

علی القاری، ص ۱۵۴؛ کتاب ذکر اخبار الأصبهان لأبى نعیم، ۱/۱۸۳۔

اور ان کی حالت میں موزوں قسم کا جمال پیدا ہو گیا۔

نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا کہ گویا آپ ﷺ اسے بال درست کرنے کا حکم دے رہے ہیں، چنانچہ اس نے بال درست کر لیے اور پھر حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

((أَلَيْسَ هَذَا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ)) ❁

”یہ بہتر ہے یا تمہارا اس حال میں آنا کہ شیطان کی طرح بال پراگندہ ہوں۔“
آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال پراگندہ ہیں تو فرمایا:

((أَمَا وَجَدَ هَذَا مَا يُسْكِنُ بِهِ شَعْرَهُ؟ وَرَأَى آخَرَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ: أَمَا كَانَ هَذَا يَجِدُ مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ.)) ❁

”کیا اسے بالوں کو درست کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی؟ آپ نے ایک اور شخص کو جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا دیکھا تو فرمایا: کیا اسے اپنے کپڑے دھونے کے لیے کچھ نہیں ملا؟“

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے جسم پر خراب کپڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَيْكَ مَالٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللَّهُ تَعَالَى، قَالَ: فَإِذَا آتَاكَ اللَّهُ مَالًا فَلْيُرَاثِرْ

❁ [ضعيف بهذا اللفظ] مؤطا امام مالک، کتاب الشعر، باب اصلاح الشعر ۲/۷۲۳؛

تمهيد لابن عبدالبر، ۵/۵۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفي غسل الثوب،

رقم الحديث: ۴۰۶۲ [معناً]؛ سلسله الاحاديث الصحيحه للالباني، ۱/۸۹۱، رقم الحديث:

۴۹۳ - [معناً] ❁ [صحيح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفي غسل الثوب،

رقم الحديث: ۴۰۶۲؛ مستدرک حاکم، ۴/۱۸۶؛ سلسله الاحاديث الصحيحه للالباني،

۱/۸۹۱، رقم الحديث: ۴۹۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۵۷، رقم الحديث: ۱۴۸۵۰۔

نِعْمَةٌ لِلَّهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَةٌ.)) ❁

”تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟
اس نے کہا: ہر قسم کا مال جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ فرمایا: جب اللہ
نے تمہیں مال سے نوازا ہے تو وہ تم پر اپنی نعمت اور فضل کا اثر بھی دیکھنا چاہتا
ہے۔“

آپ ﷺ نے جمعہ و عیدین جیسے اجتماع کے موقعوں پر نظافت و زیبائش کا اہتمام
کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا:

((مَا عَلَيَّ أَحَدِكُمْ إِنْ وَجَدَ سَعَةً أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ

غَيْرِ ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ.)) ❁

”اگر ممکن ہو تو کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک جوڑی
کپڑے مخصوص کر لینے میں کیا مضائقہ ہے؟“

سونا اور خالص ریشم ❁ مردوں پر حرام ہے:

اسلام نے جہاں زینت کو جائز بلکہ مطلوب ٹھہرایا ہے اور حرام کر لینے کی مذمت کی
ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان و فی غسل الثوب، رقم
الحديث: ۴۰۶۳؛ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب الجلاجل، رقم الحديث: ۵۲۲۶؛ السنن
الكبرى للبيهقي ۱۰/۱۰؛ مسند احمد بن حنبل ۳/۴۷۳، رقم الحديث: ۱۵۸۸۹۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب اللبس للجمعة، رقم الحديث: ۱۰۷۸؛ سنن
ابن ماجة، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الزینة یوم الجمعة، رقم الحديث: ۱۰۹۵؛ صحیح ابن خزيمة،
رقم الحديث: ۱۷۶۵؛ صحیح ابن حبان ۷/۱۵، ۱۶، رقم الحديث: ۲۷۷۷ صحیح بشاهده۔

❁ مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالص ریشم پہننا مردوں کے لئے حرام ہے جبکہ کسی چیز سے ملا ہوا ریشم
پہننا جائز ہے حالانکہ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ اگر ریشم غالب ہو تو اس کا حکم خالص ریشم والا ہے کہ وہ
مردوں کے لئے حرام ہے اور اگر ریشم کم ہو اور دوسری چیز اس پر غالب ہو تو جمہور کے نزدیک جائز ہے کیونکہ ریشم پر
دوسری چیز غالب آچکی ہے دیکھئے: الاعلام بنقد کتاب الحلال والحرام لل فوزان: ۲۸، ۲۶۔

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ﴾ ❁

”کہو، کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے

لیے پیدا کیا ہے اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟“

وہاں اس نے مردوں پر زینت کی دو چیزیں حرام کر دی ہیں جبکہ عورتوں کے لیے حلال قرار دی ہیں۔ یعنی سونے کے زیورات اور خالص ریشم پہننا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو اپنے داہنے ہاتھ میں اور سونے کو اپنے بائیں ہاتھ میں رکھ کر فرمایا:

((إِنَّ هَذَيْنِ حَرَامٌ عَلَيَّ ذُكُورِ أُمَّتِي)) ❁

”یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔“

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ فَإِنَّ مَنْ لَبَسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي

الْآخِرَةِ)) ❁

”ریشم کونہ پہنو، کیونکہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنتا ہے وہ آخرت میں اس سے

محروم رہے گا۔“

❁ ۱/۷ الاعراف: ۳۲۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱/۱۱۵، رقم الحدیث: ۹۳۵؛

سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء رقم الحدیث: ۴۰۵۷؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب اللباس، باب لبس الحریر والذهب للنساء، رقم الحدیث: ۳۵۹۵؛ سنن النسائی، کتاب

الزینة، باب تحريم الذهب على الرجال، رقم الحدیث: ۵۱۴۸۔

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر للرجال، رقم الحدیث: ۵۸۳۲؛ سنن

ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الحریر رقم الحدیث: ۴۰۴۰؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب اللباس، باب کراهية لبس الحریر، رقم الحدیث: ۳۵۸۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۰،

رقم الحدیث: ۱۲۳؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحريم استعمال إناء الذهب

والفضة، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۔

اور ریشم کے ایک جوڑے کے بارے میں فرمایا:

((إِنَّمَا هَذِهِ لِبَاسٌ مَنْ لَا خَلْقَ لَهُ.)) ❁

”یہ اُن لوگوں کا لباس ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو نکال کر پھینک دی

اور فرمایا:

((يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ.))

”تم چاہتے ہو کہ اپنے ہاتھ میں انگارہ رکھ لو؟“

نبی ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے اُس شخص سے کہا کہ انگوٹھی اٹھا لو

اور اپنے کام میں لے آؤ۔ اس شخص نے کہا:

((لَا، وَاللَّهِ لَا أَخُذُهُ وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.)) ❁

”قسم اللہ کی! میں اسے نہیں اٹھاؤں گا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو

پھینک دیا ہے۔“

سونے کی انگوٹھی ہی کی طرح وہ چیزیں ہیں جن کو آج عیش پرست لوگ استعمال

کرتے ہیں۔ مثلاً سونے کا قلم، سونے کی گھڑی، سونے کا سگریٹ لائٹر، سونے کی سگریٹ

کی ڈبیہ اور سونے کا سگریٹ ہولڈر وغیرہ۔

البتہ چاندی کی انگوٹھی نبی ﷺ نے مردوں کے لیے جائز کر دی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے روایت ہے کہ:

❁ [صحیح] صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لبس الحریر للرجال، رقم

الحديث: ۵۸۳۵؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، رقم

الحديث: ۲۰۶۹؛ سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب كراهية لبس الحرير، رقم الحديث:

۳۵۹۱؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۴۶، رقم الحديث: ۳۲۱۔ ❁ [صحیح] صحیح مسلم،

کتاب اللباس والزينة، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال، رقم الحديث: ۲۰۹۰؛ السنن

الكبرى للبيهقي، ۲/۴۲۴؛ نصب الراية للزيلعي، کتاب الكراهية ۴/۲۳۵، آداب الزفاف

للألباني، ص ۱۳۳۔

((اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَاتِمًا مِنْ وَرَقٍ وَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ عُمَرَ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ فِي يَدِ عُثْمَانَ حَتَّى وَقَعَ بَعْدُ فِي بِيْرِ أَرِيَسَ.)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگٹھی بنوائی تھی۔ جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ اریس نامی کنویں میں گر پڑی۔“
 رہی دوسری دھاتوں کی انگٹھی مثلاً لوہے وغیرہ کی تو اس کی حرمت کسی صحیح نص سے ثابت نہیں ہے، بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے مہر کے بارے میں فرمایا:

((الْتِمَسْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ.)) ❁

”کوئی چیز تلاش کرو خواہ لوہے کی انگٹھی ہی کیوں نہ ہو۔“

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے لوہے کی انگٹھی کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

اور ریشم کا کپڑا پہننے کا جواز اس صورت میں ہے جبکہ اس کی واقعی ضرورت ہو، ”چنانچہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضة، رقم الحدیث: ۵۸۶۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی اتخاذا الخاتم، رقم الحدیث: ۴۲۱۸؛ سنن نسائی، کتاب الزینة، باب طرح الخاتم و ترک لبسه، رقم الحدیث: ۵۲۹۵؛ صحیح ابن حبان ۳۰۷/۱۲، رقم الحدیث: ۵۴۹۵۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب النظر إلی المرأة قبل التزویج، رقم الحدیث: ۵۱۲۶؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق و جواز کونه تعلیم قرآن و خاتم حدید، رقم الحدیث: ۱۴۲۵؛ سنن النسائی، کتاب النکاح، باب هبة المرأة نفسها لرجل بغير صداق، رقم الحدیث: ۳۳۶۱؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی التزویج علی العمل بعمل، رقم الحدیث: ۲۱۱۱؛ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب صداق النساء، رقم الحدیث: ۱۸۸۹۔

خارش کی وجہ سے ریشم کے کپڑے پہننے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔“ ❁

مردوں پر ریشم حرام کرنے کی مصلحت

ریشم اور سونا مردوں پر جن مصالح کی بنا پر حرام کر دیا گیا ہے وہ نہایت اہم تربیتی اور اخلاقی مصالح ہیں۔ اسلام جو جہاد اور قوت کا دین ہے، مردانگی کا تحفظ چاہتا ہے ان مظاہر کے مقابلہ میں جو کردار میں کمزوری، ڈھیلا پن اور گراوٹ پیدا کرتے ہیں۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت سے مختلف جسمانی ساخت عطا کی ہے، اس لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ حسین عورتوں کا مقابلہ کرنے لگے، اور زیورات سے آراستہ ہونے اور خوبصورت پوشاک زیب تن کرنے میں ان کی ہمسری کرنے لگے۔ علاوہ ازیں اس حرمت کے پیچھے اجتماعی مصلحتیں بھی کار فرما ہیں۔

اسلام نے تعیش کے خلاف جنگ کا جو پروگرام بنایا اس کا ایک جز سونے اور ریشم کی حرمت بھی ہے۔ قرآن کی نظر میں عیش پرستی وہ اخلاقی گراوٹ ہے جس نے کتنی ہی قوموں کو تباہی کے گھاٹ اتارا۔ یہ عیش پرستی اجتماعی ظلم کا مظہر ہے، کیونکہ ایک قلیل التعداد طبقہ کثیر التعداد اور مفلوک الحال طبقہ کے بل پر مزے اڑاتا ہے۔ یہ طبقہ ہمیشہ حق، خیر اور اصلاح کا مخالف رہا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِذَا آرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَا هَا تَدْمِيرًا ۝﴾ ❁

”اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱۲۷/۳۔ رقم الحدیث: ۱۲۲۸۸؛ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما یرخص للرجال من الحریر للحکة، رقم الحدیث: ۵۸۳۹؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب اباحة لبس الحریر للرجل، رقم الحدیث: ۲۰۷۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الحریر لعذر، رقم الحدیث: ۴۰۵۶۔

بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے بالکل تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔“
﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ

بِهِ كَافِرُونَ﴾ ❁

”ہم نے جس بستی میں بھی کوئی خبردار کرنے والا بھیجا تو اس بستی کے عیش پرست لوگوں نے یہی کہا کہ تم جو پیغام لے کر آئے ہو اس سے ہم انکاری ہیں۔“

قرآن کی اس اسپرٹ (روح) کے پیش نظر نبی ﷺ نے مسلمان کی زندگی میں تعیش کے جملہ مظاہر کو حرام قرار دیا۔ جس طرح سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام کیا اسی طرح سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے حرام ٹھہرایا۔ ان تمام مصالحوں کے علاوہ اقتصادی لحاظ سے بھی اس میں کافی وزن ہے، کیونکہ سونا نقدی کے لیے بین الاقوامی طور پر محفوظ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کا استعمال مرد کے زیور یا برتن جیسی چیزوں کے لیے ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

عورتوں کے لیے مباح ہونے کی مصلحت

اس حکم سے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ یہ استثنا عورت کے حق میں رعایت بھی ہے اور نسوانیت کا تقاضا بھی، نیز یہ ان کی زینت پسند فطرت کے عین ہے، بشرطیکہ اس سے مقصود غیر مردوں کو راغب کرنا اور شہوانی جذبات کو برا بیچختہ کرنا نہ ہو۔ حدیث میں ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ عَلَى قَوْمٍ لِيَجِدُوا رِيحَهَا فَهِيَ

زَانِيَةٌ وَكُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ.)) ❁

”جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ اس کی مہک ان

تک پہنچے وہ زانیہ ہے اور ہر نظر بد زانیہ ہے۔“

❁ ۳۴/سبا: ۳۴۔ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۴/۴۰۰، رقم الحدیث: ۱۹۵۷۸

سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی طیب المرأة للخروج، رقم الحدیث: ۴۱۷۳؛ جامع

ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، رقم الحدیث: ۲۷۸۶؛

صحیح ابن حبان، ۱۰/۲۷۰، رقم الحدیث: ۴۴۲۴۔

اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بَارِجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ط﴾ ❁

”وہ اپنے پاؤں زور سے مارتی ہوئی نہ چلیں کہ انہوں نے اپنی جس زینت کو چھپا رکھا ہے وہ معلوم ہو جائے۔“

مسلمان خاتون کا لباس

اسلام نے عورت کے لیے ایسے کپڑے پہننا حرام کر دیا ہے جن کے اندر سے بدن نظر آئے یا جھلکے۔ اسی طرح وہ کپڑا بھی حرام ہے جس سے بدن کے خدو خال اور خاص طور سے وہ اعضا نمایاں ہوں جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے، مثلاً پستان، کمر، چوڑا وغیرہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صِنْفَانِ مِنَ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ، يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ. وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لِيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا.)) ❁

”دو گروہ دوزخی ہیں جنہیں میں نے دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن کو وہ لوگوں پر برسائیں گے (یعنی ظالم حکمران) اور دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ رہیں گی۔ وہ اپنی طرف مردوں کو مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی۔ اُن کے سراونٹ کے جھکتے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اُس کی خوشبو پا سکیں گی حالانکہ اس کی

❁ ۲۴/النور: ۳۱۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات

العاريات، رقم الحدیث: ۲۱۲۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۵۵، رقم الحدیث: ۸۶۶۴؛

صحیح ابن حبان، ۱۶/۵۰۰، رقم الحدیث: ۷۴۶۱۔

خوشبودوردورتک پھیلی ہوئی ہوگی۔“

وہ کاسیات یعنی کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی۔ اس کے باوجود عاریات یعنی برہنہ ہوں گی کیونکہ ان کے کپڑے اس قدر باریک اور شفاف ہوں گے کہ بدن اندر سے ظاہر ہو رہا ہوگا اور وہ ستر پوشی کا کام نہیں دے سکیں گے۔ موجودہ زمانہ کی عورتیں زیادہ تر ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔

اور ان کے سر کو اونٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ وہ اپنے بالوں کا جوڑا سر کے درمیانی حصہ میں اونچا کر کے باندھیں گی۔ گویا نبی ﷺ غیب سے جھانک کر عصر حاضر کا مشاہدہ فرما رہے تھے جس میں عورتوں کے بال سنوارنے اور ان کو فیشن ایبل (Fashionable) بنانے کے لیے خاص مراکز قائم ہو گئے ہیں۔ ان مراکز کو ”کو افر“ کہا جاتا ہے اور ان کی نگرانی زیادہ تر مرد کرتے ہیں اور اپنی اس خدمت کی خوب خوب اجرت طلب کرتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ عورتوں کا عام طور سے یہ حال ہے کہ اللہ کے عطا کردہ قدرتی بال کو نا کافی خیال کرتے ہوئے مصنوعی بال خرید کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہیں۔

ایک طرف مرد ہیں جو ملائمت و نزاکت اور حسن و جمال میں عورتوں سے بڑھ جانے کے خواہش مند ہیں اور دوسری طرف عورتیں ہیں جو پُرکشش بن کر مردوں کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہیں۔

مذکورہ حدیث میں ایک عجیب نکتہ یہ ہے کہ سیاسی استبداد اور اخلاقی گراؤٹ کے درمیان ایک قسم کا ربط ہے جس کی تصدیق حالاتِ حاضرہ نے کر دی ہے۔ استبداد کرنے والے ہمیشہ قوم کو شہوت انگیز کاموں میں مصروف رکھ کر اور لوگوں کو ذاتی دلچسپی کے کاموں میں الجھا کر ان کی توجہ عام مسائل کی طرف سے ہٹاتے رہتے ہیں۔

عورت اور مرد کا ایک دوسرے کی مشابہت کرنا

نبی ﷺ نے واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ:

”عورت کے لیے مرد کا لباس پہننا اور مرد کے لیے عورت کا لباس پہننا

ممنوع ہے۔“¹

نیز ”آپ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی

مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔“²

مشابہت کے مفہوم میں بات چیت، حرکت، چال اور لباس وغیرہ شامل ہیں۔

انسانی زندگی میں شر کے پیدا ہونے اور معاشرہ کے بگاڑ میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ

یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے انحراف اور طبعی امور کے خلاف رویہ اختیار کرتا ہے۔ مرد

ایک مخصوص مزاج کا حامل ہوتا ہے اور عورت بھی ایک مخصوص مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ ہر

ایک کی خصوصیات الگ الگ ہیں لیکن جب مرد مخنث بننے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور عورت

مرد بن جانے کی تو اس کا نتیجہ بگاڑ اور اخلاقی گراوٹ کی شکل میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

”نبی ﷺ نے ایسے شخص کو ملعون قرار دیا ہے جس نے اپنے کو مؤنث بنا لیا

اور عورتوں کی مشابہت کرنے لگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مرد بنایا تھا، اور

وہ عورت بھی جسے اللہ نے مؤنث بنایا تھا لیکن وہ مذکر بن کر مردوں کی مشابہت

کرنے لگی۔“³

اسی بنا پر نبی ﷺ نے مردوں کو زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

¹ [صحیح] [معناً] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، رقم الحدیث: ۴۰۹۸؛

مستدرک حاکم، ۱۹۴/۴، رقم الحدیث: ۷۴۹۲؛ صحیح ابن حبان، ۶۳/۱۳، رقم الحدیث:

۵۷۵۲، ۵۷۵۱؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۲۵/۲، رقم الحدیث: ۸۳۰۹۔² صحیح البخاری،

کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال، رقم الحدیث: ۵۸۸۵؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۱۰۲/۸، رقم الحدیث: ۱۳۱۹۷؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۰۱/۱۱، رقم الحدیث:

۱۱۶۴۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۰۰/۲، رقم الحدیث: ۶۸۷۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس،

باب فی لباس النساء رقم الحدیث: ۴۰۹۷؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی

المتشبهات بالرجال من النساء، رقم الحدیث: ۲۷۸۴۔

³ [ضعیف] المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۰۴/۸، رقم الحدیث: ۷۸۲۷؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۱۱۹/۸، رقم الحدیث: ۱۳۲۰۲؛ الدر المنثور للسیوطی، ۲۲/۲۔

((نَهَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ التَّخْتُمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ

الْقِسِيِّ..... وَعَنْ لِبَاسِ الْمُعْصَفِرِ.)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے اور قسی (ایک قسم کا ریشم)

کا لباس پہننے..... اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعْصَفِرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ

مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسُهَا.)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا:

یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو۔“

شہرت اور تکبر کا لباس

پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے خواہ وہ کھانے پینے کی ہوں یا پہننے کی، عام شرط یہ ہے کہ اس معاملہ میں اسراف اور تکبر نہ کیا جائے۔ اسراف یہ ہے کہ حلال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حد سے تجاوز کیا جائے اور تکبر کا تعلق ظاہر کی بہ نسبت دل اور نیت سے زیادہ ہے، اور تکبر (اختیال) یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سمجھتے ہوئے غرور میں مبتلا ہو جائے اور لوگوں کے مقابلہ میں فخر کرنے لگے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ ❁

”اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں جو اترانے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔“

❁ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر رقم الحدیث:

۲۰۷۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب من کرهه، رقم الحدیث: ۴۰۴۴؛ جامع ترمذی،

کتاب اللباس، باب ماجاء فی کراهیة خاتم الذهب، رقم الحدیث: ۱۷۳۸؛ سنن النسائی، کتاب

الزینة، باب الرخصة فی خاتم الذهب للرجال، رقم الحدیث: ۵۱۷۹۔

❁ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، رقم الحدیث:

۲۰۷۷؛ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب ذکر النهی عن لبس المعصفر، رقم الحدیث: ۵۳۱۸؛

مسند احمد بن حنبل، ۱۶۲/۲۔ ❁ ۵۷/الحدید: ۲۳۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❁

”جو اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹتے ہوئے چلے گا تو اللہ قیامت کے دن اُس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔“

چونکہ مسلمان کو ایسی چیز سے جس میں تکبر کا اندیشہ ہو، اجتناب کرنا چاہیے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے جن سے فخر، ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش اور مقابلہ کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةَ الْبَسَةِ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ❁

”جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا اللہ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔“

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ میں کس قسم کے کپڑے پہنوں؟ آپ رضی اللہ عنہما نے کہا:

”جس کے پہننے سے نادان لوگ تمہیں بے وقعت خیال نہ کریں (یعنی گھٹیا

قسم کے اور بدنمانہ ہوں) اور اہل دانش اس میں عیب نہ نکالیں (یعنی حد

اعتدال سے متجاوز نہ ہوں)“ ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، رقم الحديث: ۵۷۸۴؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء، رقم الحديث ۲۰۸۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء في اسبال الإزار، رقم الحديث: ۴۰۸۵؛ سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، رقم الحديث: ۳۵۷۱۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، رقم الحديث: ۴۰۲۹؛ سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، رقم الحديث: ۳۶۰۶؛ السنن الكبرى للنسائی، رقم الحديث: ۹۴۸۷؛ مسند احمد بن حنبل ۹۲/۲۔

❁ [حسن] المعجم الكبير للطبرانی، ۲۰۳/۱۲۔ رقم الحديث: ۱۳۰۵۱؛ مجمع الزوائد للهيثمی ۱۳۵/۵، رقم الحديث: ۸۶۰۴۔

زینت میں غلو کے لیے خلق اللہ میں تغیر

زینت میں ایسا غلو کہ اللہ کی پیدا کردہ ساخت میں تغیر واقع ہو، اسلام کے نزدیک مردود ہے۔ قرآن نے اسے ”شیطان کی وحی“ سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے شیطان کا یہ قول اُس کے پیروؤں کے بارے میں نقل کیا ہے:

﴿وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ ❁

”اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کریں گے۔“

گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن کرانا

من جملہ ان ممنوعات کے بدن کا گودنا اور دانتوں کو نوکدار بنانا ہے۔

((لَعَنَ الرَّسُولُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْوَأَشْمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ

وَالْوَأَشْرَةَ وَالْمُسْتَوْشِرَةَ)) ❁

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے گودنے والی پر، گودوانے والی پر،

دانتوں کو نوکدار بنانے والی پر اور اُس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوالے۔“

گودنے کے لیے نیلا رنگ استعمال کیا جاتا ہے اور بدنما نقوش بنائے جاتے ہیں،

جس سے چہرے اور ہاتھوں میں بدصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس معاملہ میں بعض عربوں نے

اور خاص طور سے عورتوں نے تو حد کر دی ہے کہ اپنے پورے جسم پر نقوش بنا لیتے ہیں، اور

بعض اہل مذاہب تو اپنے دیوی، دیوتاؤں اور مذہبی شعائر کی تصویریں بنا لیتے ہیں، چنانچہ

نصاری اپنے ہاتھ پر اور سینہ پر صلیب کی تصویر بنا لیتے ہیں۔

علاوہ ان مفسد کے ایک بڑا مفسدہ یہ بھی ہے کہ بدن میں سوئی چھونے سے انسان

❁ ۴/النساء: ۱۱۹۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر، رقم الحدیث:

۵۹۳۶، ۵۹۳۲؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة

والمستوشمة، رقم الحدیث: ۲۱۲۴؛ مسند عمر بن عبدالعزیز، رقم الحدیث: ۲۶؛ اس میں لفظ

الواشمة والمستوشمة ہیں لیکن راوی عبدالجبار بن عمر ضعیف ہے۔

کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کام کرنا، کرانا موجب لعنت ہے۔
 رہا ”وشر“ یعنی دانتوں کو نوکدار اور کوتاہ بنانا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کام کو
 انجام دینے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے اور اس عورت پر بھی جو کسی سے یہ خدمت لے۔
 اگر کوئی مرد یہ خدمت انجام دے تو وہ لعنت کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے۔

نبی ﷺ نے جس طرح اس بات کو حرام کر دیا کہ دانتوں کو نوکدار بنایا جائے اسی
 طرح اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا کہ دانتوں کے درمیان درزیں بنائی جائیں۔

((وَلَعْنُ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغْيِرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ.)) ❁

”آپ ﷺ نے خوبصورتی (فیشن) کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے
 والیوں پر جو درحقیقت اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کرتی ہیں،
 لعنت فرمائی ہے۔“

درزیں بنانے سے مراد دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا ہے۔ بعض عورتوں کے
 دانتوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے اور بعضوں کے نہیں ہوتا، تو جن کے دانتوں کے درمیان
 فاصلہ نہیں ہوتا وہ مصنوعی طور پر درزیں بنا لیتی ہیں۔ یہ جعل سازی اور آرائش (فیشن) میں
 غلو ہے جس سے اسلام کا مزاج انکاری ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے ذریعہ جو صحیح ہیں، ہم خوبصورتی پیدا کرنے کی غرض سے کیے
 جانے والے آپریشنوں کا حکم معلوم کر سکتے ہیں جسے جسم و شہوت کی پرستار تہذیب نے رائج
 کیا ہے یعنی دورِ حاضر کی مادہ پرستانہ مغربی تہذیب نے۔ چنانچہ اپنی ناک یا پستان وغیرہ کی
 شکل درست کرانے پر مرد ہو یا عورت ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ یہ سب کام
 موجب لعنت ہیں، کیونکہ یہ تکلیف دہ بھی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں بلا ضرورت
 رد و بدل کے مترادف بھی۔ پھر یہ تبدیلی محض صوری ہوتی ہے حقیقی نہیں اور یہ رد و بدل جسم

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن، رقم الحدیث: ۵۹۳۱؛ صحیح

مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، رقم الحدیث: ۲۱۲۵؛ سنن ابی داؤد،

کتاب الترجل، باب فی صلة الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۶۹۔

میں ہوتا ہے روح میں نہیں۔

”البتہ اگر کسی شخص کے جسم میں کوئی ایسا عیب موجود ہو جو ایک زائد چیز کی

حیثیت رکھتا ہو اور اس سے تکلیف محسوس ہوتی ہو یا ذہنی کوفت ہوتی ہو تو اس

کا علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ مقصود اس حرج کو دور کرنا

ہو جس میں وہ مبتلا ہے اور جس سے عرصہ حیات اس پر تنگ ہو رہا ہے، کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دین میں کوئی حرج نہیں رکھا ہے۔“

اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حدیث ((لَعْنَةُ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسَيْنِ))

”خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے دانتوں میں درزیں بنانے والیوں پر آپ ﷺ نے لعنت

فرمائی ہے۔“ کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام اس صورت میں مذموم ہے

جبکہ جھوٹی خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے کیا جائے، لیکن اگر کسی تکلیف یا ضرر کو دور کرنے کی

غرض سے واقعی اس کی ضرورت ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

بھنویں باریک کرنا

غلو آمیز زینت کی ایک شکل جسے اسلام نے حرام کیا ہے نَمَص (بال نوچنا) ہے۔

نَمَص سے مراد بھوؤں کے بال نکال ڈالنا ہے تاکہ ان کو صاف یا ہموار کیا جاسکے۔ رسول

اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے:

((لَعْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ النَّامِصَةَ وَالْمُتَمِصَّةَ))

”رسول اللہ ﷺ نے بال نوچنے والی پر اور اُس عورت پر جو کسی سے یہ

خدمت لے، لعنت فرمائی ہے۔“

بال نوچنے کی حرمت اس صورت میں اور شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ بدکار عورتوں کا

شعار ہو۔ حنفی مسلک کے بعض علما کہتے ہیں کہ چہرے کے بال صاف کرنا، سرخی لگانا، نقش

المراة بين البيت والمجتمع، ص ۱۰۵۔ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الترحل،

باب فی صلة الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۷۰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۲۵۷،

رقم الحدیث: ۲۶۲۰۶ عن عائشة رضی اللہ عنہا، نیز دیکھیے حوالہ سابق۔

ونگار کرنا اور ناخنوں کو پالش (Nail Polish) لگانا جائز ہے، بشرطیکہ شوہر کی اجازت سے یہ کام کیے جائیں، کیونکہ یہ چیزیں بھی زینت میں شامل ہیں۔ لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چہرہ کے بال صاف کرنے کی شدت سے مخالفت کی ہے اور اس کا شمار نمص میں کیا ہے جو حرام ہے۔

البتہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ”سُنَن“ میں نامِ مصہ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بھوؤں میں نقش و نگار بنا کر اسے باریک کر دیتی ہے۔ اس سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ نمص کے مفہوم میں چہرہ کے بال صاف کرنا شامل نہیں ہے۔

طبرانی کی روایت ہے کہ ابواسحاق کی بیوی جو نو جوان تھی اور خوبصورتی کی شائق تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا: عورت اپنے شوہر کے لیے اپنے رخسار کے بال صاف کر سکتی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اذیت کو ممکن حد تک دور کرو۔ ❁

بال جوڑنا

عورت کا دوسرے بالوں کو جوڑ کر زینت کرنا بھی حرام ہے، خواہ بال اصلی ہوں یا نقلی، (مصنوعی) یعنی جسے آج کل ”بارو کہ“ کہا جاتا ہے اس جیسے بال۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ، ابن مسعود، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت بیان کی ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ.)) ❁

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال جوڑنے والی اور بالوں کو جوڑوانے والی عورت پر

❁ فتح الباری لا بن حجر عسقلانی، کتاب اللباس۔ ❁ صحیح بخاری، کتاب اللباس،

باب وصل الشعر، رقم الحدیث: ۵۹۳۳ تا ۵۹۳۹؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم

فعل الواصلة والمستوصلة، رقم الحدیث: ۲۱۲۲ إلى ۲۱۲۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۳۹/۲

رقم الحدیث: ۷۴۷۳۔ عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ۔

لعنت فرمائی ہے۔“

اس حرمت کا اطلاق اُن مردوں پر بدرجہ اولیٰ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیں خواہ وہ دوسروں کے سر میں بال لگانے کی خدمت انجام دیں جنہیں آج کل ”کوائفیر“ کہا جاتا ہے یا اپنے سر میں دوسرے بال لگوائیں، جیسے نوجوان زرخے (ہیجڑے)۔

نبی ﷺ نے اس قسم کی جعل سازی کی سخت مخالفت کی ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کسی ایسی عورت کو بھی دوسرے بال لگوانے کی اجازت نہیں دی جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے ہوں، خواہ وہ پہلی شب کی دلہن ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انصار کی ایک لڑکی کی شادی اس حال میں ہوئی کہ بیماری کی وجہ سے اس کے بال گر چکے تھے۔ لوگوں نے چاہا کہ دوسرے بال لگائیں لیکن جب نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ.)) ❁

”اللہ نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔“

سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

((قَدِمَ مُعَاوِيَةَ الْمَدِينَةَ اخِرَ قَدَمَةٍ قَدِمَهَا فَخَطَبَنَا فَاخْرَجَ كُبَّةً مِنْ

شَعْرٍ قَالَ: مَا كُنْتُ اَرَى اَحَدًا يَفْعَلُ هَذَا غَيْرَ الْيَهُودِ. اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ

سَمَاهُ الزُّوْرَ يَعْنِي الْوَاصِلَةَ فِي الشَّعْرِ.)) ❁

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے اور مدینہ میں اُن کی یہ تشریف

آوری آخری مرتبہ تھی۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دورانِ خطبہ بالوں کا

گچھا نکال کر فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے علاوہ اور کوئی یہ فیشن کرتا

❁ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر رقم الحدیث: ۵۹۳۴؛ صحیح مسلم،

کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة، رقم الحدیث: ۲۱۲۳؛ مسند احمد، ۶/۲۲۸،

رقم الحدیث: ۲۵۹۰۹۔ ❁ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر رقم الحدیث:

۵۹۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلة رقم الحدیث: ۲۱۲۷؛ مسند

احمد، ۶/۳۴۵ رقم الحدیث: ۲۶۹۱۸۔

ہوگا۔ نبی ﷺ نے اسے زور (جھوٹ، فریب) سے تعبیر فرمایا ہے یعنی بال
جوڑنے کا فیشن۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے کہا:

((أَيْنَ عُلَمَاءِكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ
هَذِهِ وَيَقُولُ: إِنَّمَا هَلَكْتُ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَ هَذِهِ
نِسَاءَهُمْ.))

”تمہارے علما کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کی چیزوں
سے روکتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بنی اسرائیل کی عورتوں نے
جب اس (فیشن) کو اختیار کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس عمل (فیشن) کو ”زور“ سے تعبیر فرمایا ہے جس سے تحریم کی
حکمت و مصلحت واضح ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کا فریب، جعل سازی اور تصنع ہے۔ اسلام فریب
کاری کو سخت ناپسند کرتا ہے اور تمام معاملات کو خواہ وہ مادی یا معنوی، کھوٹ سے پاک دیکھنا
چاہتا ہے:

((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.))

”جس نے ہمارے ساتھ فریب دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

(صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے اسے روایت کیا ہے)

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ان چیزوں کے بارے میں سخت وعید اس لیے وارد ہوئی ہے کہ ان میں
کھوٹ اور فریب ہے۔ اگر ان کو جائز کر دیا جاتا تو کھوٹ اور فریب کی

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ ((من غشنا فليس منا)) رقم الحدیث: ۱۰۱؛

سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی النهی عن الغش رقم الحدیث: ۳۴۵۲؛ مسند احمد ۲/۲۴۲

رقم الحدیث: ۷۲۹۲۔

دوسری صورتیں بھی جائز ہو جاتیں، نیز ان چیزوں میں قدرتی ساخت میں رد و بدل کا پہلو بھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث الْمُغَيَّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ. (اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں رد و بدل کرنے والیاں) اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔^❶

جو حدیثیں حرمت پر دلالت کرتی ہیں ان میں بالوں کو جوڑنے کا حکم بیان ہوا ہے خواہ وہ اصلی ہوں یا مصنوعی۔ اس میں جعل اور فریب دہی کا پہلو ہے، لیکن اگر بال نہ جوڑے جائیں بلکہ کپڑے کی دھجی یا دھاگہ وغیرہ جوڑ دیا جائے تو یہ چیز ممانعت کے حکم میں شامل نہیں ہوگی۔ اس سلسلہ میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

((لَا بَأْسَ بِالتَّوَامِلِ))^❷

”تو امل لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”تو امل“ سے مراد ریشم، اون وغیرہ کے دھاگے ہیں جن کو عورتیں بالوں میں جوڑ کر چوٹیاں بنا لیتی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

خضاب لگانا

زینت کے موضوع سے متعلق سر اور ڈاڑھی کو خضاب لگانے کا مسئلہ ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ خضاب لگا کر بالوں کا رنگ بدل دینے کے قائل نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ زیب و زینت دینداری اور خدا پرستی کے منافی ہے، چنانچہ راہبوں اور دین میں غلو کرنے والے زاہدوں کا یہی شعار ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تقلید کرنے اور ان کے طریقے اپنانے سے منع فرمایا ہے تاکہ مسلمان ظاہر و باطن میں اپنی مستقل امتیازی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

❶ [صحیح] فتح الباری لا بن حجر، کتاب اللباس، باب وحل الشعر؛ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الموصولہ رقم الحدیث: ۵۹۴۳؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلة رقم الحدیث: ۲۱۲۵۔ ❷ [ضعیف] فتح الباری، بحوالہ سنن ابی داؤد، کتاب الترحل، باب فی صلة الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۷۱۔

((إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصْرَى لَا يَصْبِغُونَ فَخَالِفُوهُمْ.)) ❁

”یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے لیکن تم ان کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرو۔“
یہ حکم یعنی خضاب لگانا مستحب ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے واضح ہے۔
چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ خضاب لگایا کرتے تھے،
لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ
نہیں لگایا کرتے تھے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ خضاب کس قسم کا ہو؟ سیاہ یا کسی بھی رنگ کا خضاب استعمال کیا جا
سکتا ہے یا سیاہ خضاب سے پرہیز کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص بہت
بوڑھا ہو گیا ہو اور اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید ہو گئے ہوں اس کو سیاہ خضاب
نہیں لگانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو فتح مکہ کے دن اٹھا
کر لائے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ
ان کے سر کے بال بالکل سفید ہو گئے ہیں، فرمایا:

((غَيْرُوا هَذَا وَجَنَّبُوا السَّوَادَ.)) ❁

”ان بالوں کا رنگ بدل دو، لیکن سیاہ خضاب سے پرہیز کرو۔“

لیکن جس کا حال ابو قحافہ جیسا نہ ہو اور نہ وہ ان کی عمر کا آدمی ہو تو اس کے سیاہ خضاب
لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب تک ہمارا چہرہ تر و تازہ تھا ہم سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے لیکن

جب سے چہرہ اور دانتوں میں تغیر آ گیا ہے ہم نے اس کا استعمال ترک کر

❁ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الخضاب، رقم الحدیث: ۵۸۹۹؛ صحیح مسلم، کتاب
اللباس، باب فی مخالفة اليهود فی الصبغ رقم الحدیث: ۲۱۰۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب
فی الخضاب، رقم الحدیث: ۴۲۰۳۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شیبہ علیہ السلام رقم
الحدیث: ۲۳۴۱؛ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی الخضاب رقم الحدیث: ۴۲۰۴؛
سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب الخضاب بالسواد، رقم الحدیث: ۳۶۲۴۔

دیا ہے۔“ ❁

سلف کا ایک گروہ جن میں سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور جریر بن عبد اللہ وغیرہ شامل ہیں، سیاہ خضاب کے جواز کے قائل ہے۔ لیکن علما کے دوسرے گروہ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ جہاد کے موقع پر دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے لگایا جائے تاکہ دشمن جب اسلام کے لشکر کو دیکھے گا کہ وہ تمام تر نوجوانوں پر مشتمل ہے تو اس کی دھاک دلوں میں بیٹھ جائے گی۔

اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتْمُ)) ❁

”بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کا رنگ بدل سکتے ہو وہ حنا اور کتم ہے۔“

کتم (وسمہ) یمن کی نباتات ہے جس کا رنگ سیاہ مائل بہ سرخ ہوتا ہے اور حنا کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حنا اور کتم کا خضاب لگایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خالص حنا کا خضاب استعمال کیا۔

داڑھی بڑھانا

ہمارے موضوع سے متعلق ایک مسئلہ داڑھی بڑھانے کا بھی ہے۔ حضرت ابن

عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

❁ [مقطوع] مسند احمد، ۲/۲۰۹ قال معمر: و كان الزهري يخضب بالسواد رقم الحديث:

۸۰۸۳؛ طبقات ابن سعد، ذكر صفة علي بن ابي طالب رضی اللہ عنہ ۳/۲۵۔

❁ [صحيح] سنن ابي داود، كتاب الرجل، باب في الخضب، رقم الحديث: ۴۲۰۵؛ جامع

ترمذی، كتاب اللباس، باب مما جاء في الخضب، رقم الحديث: ۱۷۵۳؛ سنن النسائي، كتاب

الزينة، باب الخضب بالحناء والكتم رقم الحديث: ۵۰۸۱؛ سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب

الخضب بالحناء رقم الحديث: ۳۶۲۲۔

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِرُوا اللَّحَى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ)) ❁

”مشرکین کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور موچھیں کتر واؤ۔“

اس روایت میں توفیر (وَفِرُوا) کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دوسری روایت میں اعفاء کا لفظ آیا ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی داڑھی کو چھوڑ دینا اور باقی رہنے دینا۔ اس کی علت بھی حدیث نے واضح کر دی ہے یعنی مشرکین کی مخالفت کرنا مقصود ہے۔ مشرکین سے مراد یہاں آتش پرست مجوسی ہیں۔ یہ لوگ داڑھی کتر واتے تھے البتہ کچھ لوگ منڈاتے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی مخالفت کا حکم دے کر مسلمانوں کی تربیت اس انداز سے کرنا چاہی ہے کہ وہ اپنا تشخص قائم رکھ سکیں اور صوری اور معنوی، ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہوں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ داڑھی منڈانا ایک ایسا فعل ہے جو فطرت کے خلاف ہے اور اس میں عورتوں سے مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ دراصل داڑھی رجولیت (مردانگی) کی تکمیل ہے اور اس سے مرد کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔

داڑھی کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے بال کم نہ کیے جائیں ❁۔

❁ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب اعفاء اللحی، رقم الحدیث: ۵۸۹۳؛ صحیح بخاری، کتاب اللباس باب تقليم الاظفار رقم الحدیث: ۵۸۹۲؛ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، رقم الحدیث: ۲۵۹۔

❁ مصنف کا یہ قول کہ داڑھی کو چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے اس کے بال کم ہی نہ کیے جائیں ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم یہی تو مطلب ہے۔ لفظ اعفاء کا مطلب یہی ہے کہ اس کو معاف کر دو۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اعفاء اللحیۃ داڑھی کو صاف کرنے کا مطلب ہے کہ اسے مکمل طور پر بڑھاؤ حدیث کا ظاہر یہی کہتا ہے شرح نووی: ۱۹۶/۳۔ اور مصنف نے ترمذی شریف کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ حدیث انتہائی ضعیف ہے بعض علما نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ علما کی ایک پوری جماعت نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ پھر مصنف نے دعویٰ کیا ہے داڑھی کاٹنے پر علمائے سلف کا عمل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کے مقابلہ میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو عمل مؤلف نے ذکر کیا ہے اس کے لئے ہم کہنا چاہیں گے کہ وہ صرف حج یا عمرہ کے موقع پر مٹھی بھر سے زائد داڑھی کاٹ لیا کرتے تھے مصنف نے مطلق طور پر یہ فعل ان کی طرف منسوب کیا ہے یہ طرز عمل صحیح نہیں ہے دیکھئے اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۳۰-۳۱۔

ایسی صورت میں داڑھی اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بے ڈھنگا پن ظاہر ہونے لگے گا اور اس سے داڑھی رکھنے والے کو کوفت بھی ہوگی۔ اس لیے یہ مطلب لینا صحیح نہیں، بلکہ (داڑھی کو بڑھانے کے باوجود) اس کے طول و عرض سے کچھ بال کم کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ ❁

اور بعض سلف سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔ عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”داڑھی منڈانا، اس کو چھوٹا بنانا اور ہموار کرنا مکروہ ہے البتہ جب داڑھی

بڑھ جائے تو اس کے طول و عرض میں سے بال کتر لینا اچھا ہے۔“

اور ابوشامہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں:

”ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو داڑھی منڈاتے ہیں حالانکہ مجوسیوں کے بارے

میں مشہور ہے کہ وہ کتراتے تھے۔“ ❁

اس سلسلہ میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اپنے دین کے دشمنوں اور یہود و نصاریٰ جیسے سامراجیوں کی تقلید کرتے ہوئے داڑھی منڈانے لگی ہے، اور مغلوب قوم ہمیشہ غالب قوم کی تقلید کرتی ہے۔ یہ مسلمان اس بات سے غافل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.)) ❁

❁ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا.)) ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے طول و

عرض سے بال کتر لیا کرتے تھے۔“ [موضوع] جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الاخذ

من اللحية، رقم الحدیث: ۲۷۶۲؛ غایۃ المرام، ص ۸۶، رقم الحدیث: ۱۱۰۔ (امام ترمذی نے

اس حدیث کو بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔) مترجم

❁ فتح الباری لابن حجر عسقلانی، باب اعفاء اللحي۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الشهرة، رقم الحدیث: ۴۰۳۱؛

مسند احمد، ۲/۵۰، رقم الحدیث: ۵۱۱۵؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۰/۴۷۸، رقم الحدیث:

”جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ اُن ہی میں سے ہوگا۔“

بہت سے فقہاء کے نزدیک اعفاء لحيہ (داڑھی بڑھاؤ) والی حدیث کے پیش نظر داڑھی منڈانا حرام ہے، کیونکہ حکم اصلاً وجوب پر دلالت کرتا ہے اور خاص طور سے یہ حکم تو کفار کی مخالفت کی علت کے ساتھ ہے اور ان کی مخالفت واجب ہے، نیز سلف میں سے کسی کا اس واجب کو ترک کرنا ثابت نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور کے بعض علما حالات سے متاثر ہو کر اور عمومِ بلوئی (عام ابتلاء کی حالت) کے آگے سپر ڈالتے ہوئے داڑھی منڈانے کو جائز کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا رسول اللہ ﷺ کے افعال عادیہ میں سے ہے اور شرعی امور سے متعلق نہیں ہے کہ اس کو عبادت کی حیثیت دی جائے۔

لیکن حقیقت میں اعفاء لحيہ (داڑھی رکھنا) نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس کا صراحت کے ساتھ حکم بھی دیا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ کفار کی مخالفت کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ”ان کی مخالفت شارع کے نزدیک مقصود ہے، کیونکہ ظاہری چیزوں میں مشابہت کرنے سے باطنی طور پر موڈت و محبت اور موالات کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، جس طرح باطن کی محبت ظاہر میں مشابہت پیدا کرتی ہے۔ محسوسات اور تجربات اس پر شاہد ہیں۔“

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

”کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ کفار کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی فی الجملہ مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ جس چیز میں کسی خرابی کے مضمحل ہونے کا احتمال ہوگا اس پر حرام کا اطلاق ہوگا۔ کفار کی ظاہری افعال میں مشابہت مذموم اخلاق و افعال کی مشابہت کا باعث ہوگی، بلکہ اندیشہ ہے کہ مشابہت کا یہ سلسلہ اعتقادات تک دراز نہ ہو جائے۔ اس کے اثرات گرفت میں نہیں آسکتے، کیونکہ اس سے جو اصل خرابی پیدا ہوتی ہے وہ بظاہر دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا ازالہ بہت مشکل ہے۔ لہذا جو چیز بھی خرابی کا

موجب ہو اس کو شارع نے حرام قرار دیا ہے۔“

اس طرح ہمارے نزدیک داڑھی منڈانے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔ یہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مسلک ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی منڈانا مکروہ ہے۔ یہ قول فتح الباری میں عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا

بیان کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ کسی اور کا نام مذکور نہیں ہے۔

اور تیسرا قول جواز کا ہے اور موجودہ زمانہ کے بعض علما اسی کے قائل ہیں۔¹

لیکن غالباً سب سے زیادہ معتدل، قرین قیاس اور مبنی بر صحت قول کراہت کا ہے،

کیونکہ داڑھی رکھنے کا حکم قطعی طور پر وجوب پر دلالت نہیں کرتا، گو اس کی علت کفار کی

مخالفت کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی کے مثل خضاب لگانے کا حکم ہے جس کی علت بھی یہود و

نصاری کی مخالفت کرنا ہے، لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم خضاب نہیں لگایا کرتے تھے جس سے

معلوم ہوا کہ خضاب لگانا بس مستحب ہے۔ (واجب نہیں) ²

یہ بات صحیح ہے کہ سلف میں سے کسی کا داڑھی منڈانا ثابت نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ

ممکن ہے یہ ہو کہ انہیں داڑھی منڈانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ہو، کیونکہ وہ لوگ

داڑھی رکھنے کے عادی تھے۔

¹ مصنف نے داڑھی منڈوانے کے متعلق علما کے تین قول نقل کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مؤلف نے

زبردست علمی خیانت کا مظاہرہ کیا ہے داڑھی منڈوانے کا قول کسی سلف سے منقول نہیں کیونکہ وہ داڑھی منڈوانے

کی کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے تھے۔ مؤلف نے داڑھی منڈوانے کو ترجیح دی ہے، یہ قول باطل ہے اس کی کوئی

دلیل نہیں بلکہ دلائل سے یہی بات سمجھ آتی ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے۔

² مصنف نے داڑھی رکھنے کو خضاب لگانے پر قیاس کیا ہے اور اسے واجب کی بجائے مستحب کہا ہے۔ ہم عرض

کرتے ہیں کہ مؤلف کا یہ استدلال سراسر باطل ہے کیونکہ داڑھی کے بارے میں صحابہ کے مابین اختلاف ہے۔

اور ہم یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ داڑھی بڑھانے کا مقصد فقط یہ نہیں کہ کفار کی مخالفت کی جائے بلکہ داڑھی بڑھانا امور

فطرت میں سے ہے۔ مصنف نے داڑھی منڈوانے کا عمل سلف کی طرف منسوب کیا ہے اور پھر خاموشی اختیار کر لی

جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مصنف کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ پر

دلیل پیش کریں! [دیکھئے کتاب اعلام بنقد کتاب الحلال و الحرام للفوازن: ۳۲-۳۳]

گھر

مسکن یا گھر آدمی کے لیے محفوظ مقام اور پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں وہ خانگی زندگی بسر کرتا ہے اور سماج کے قیود سے اپنے کو آزاد محسوس کرنے لگتا ہے۔ گھر میں جسم کو آرام ملتا ہے اور نفس کو سکون۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا﴾ ❁

”اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا۔“

اور نبی ﷺ کو کشادہ گھر پسند تھا اور اسے آپ ﷺ دنیوی سعادت خیال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ،

وَالجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيُّ.)) ❁

”چار چیزیں باعث سعادت ہیں: نیک بیوی، وسیع مسکن، اچھا پڑوسی اور

عمدہ سواری۔“

آپ ﷺ یہ دعا بہ کثرت مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي وَبَارِكْ لِي فِي

رِزْقِي.)) ❁

”خدا یا! میرے گناہ بخش دے، میرے گھر میں کشادگی پیدا فرما اور میرے

رزق میں برکت عطا کر۔“

❁ ۱۶/النحل: ۸۰۔ ❁ صحیح ابن حبان ۳۴۰/۹، رقم الحدیث: ۴۰۳۲؛ مسند احمد

بن حنبل ۱/۱۶۸، رقم الحدیث: ۱۴۴۵۔

❁ [ضعیف] نسائی فی الكبرى، ۲۴/۶، رقم الحدیث: ۹۹۰۸؛ مسند احمد بن حنبل،

۳۹۹/۴، رقم الحدیث: ۱۹۵۷۴؛ کتاب عمل اليوم والليلة لابن السنی، باب ما يقول بین

ظہرانی وضوہ رقم الحدیث: ۲۸؛ المعجم الصغير للطبرانی ۲/۹۱۔

کسی نے کہا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے ہیں؟ فرمایا:

((وَهَلْ تَرَ كُنَّ مِنْ شَيْءٍ...))

”اس دعا نے کسی چیز کو بھی چھوڑا ہے؟“

آپ ﷺ نے گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ یہ صفائی.....
نظافت پسند دین..... اسلام کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہو اور ایک ایسا عنوان ہو جو
مسلمانوں کو ان لوگوں سے ممتاز کرے جن کے مذہب میں گندگی تقرب الہی کا ذریعہ ہے۔
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ. نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ، كَرِيمٌ

يُحِبُّ الْكَرَّمَ. جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، فَنَظِّفُوا أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا

تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.))

”اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نظیف ہے نظافت کو پسند کرتا

ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، فیاض ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے۔ لہذا اپنے

گھر کے صحن صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔“

تعیش اور بت پرستی کے مظاہر

اپنے گھر کو رنگ و روغن، نقش و نگار اور جائز قسم کی زیب و زینت سے آراستہ کرنے
میں کوئی حرج نہیں ہے:

((قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ.))

”کہو، کس نے حرام ٹھہرایا ہے اللہ کی اُس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں

کے لیے پیدا کی ہے؟“

جی ہاں! ایک مسلمان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر، کپڑے اور جوتے

❦ [ضعیف] جامع ترمذی کتاب الادب، باب ماجاء فی النظارة، رقم الحدیث: ۲۷۹۹؛ العلل

المتناہیة لابن جوزی ۲/۲۲۴۔ رقم الحدیث: ۱۱۸۶؛ کنز العمال للمتقی الہندی رقم

الحدیث: ۴۸۷۳، ۲۱۵۷۔ ❦ ۷/الاعراف: ۳۲۔

وغیرہ کے معاملہ میں جمال کو پسند کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ. فَقَالَ

رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنًا.

فَقَالَ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ.)) ❁

”جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک

شخص نے پوچھا: آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے اور

جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی کبر ہے؟) فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو

پسند کرتا ہے۔“

دوسری روایت میں ہے:

((أَنَّ رَجُلًا جَمِيلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي أَحِبُّ الْجَمَالَ

وَقَدْ أُعْطِيتُ مِنْهُ مَا تَرَى، حَتَّى مَا أُحِبُّ أَنْ يُفَوِّقَنِي أَحَدٌ

بِشِرَاكِ نَعْلِ، أَفَمِنَ الْكِبَرِ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا،

وَلَكِنَّ الْكِبَرَ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ.)) ❁

”ایک خوبصورت شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں

جمال کو پسند کرتا ہوں اور مجھے جو جمال عطا ہوا ہے اس کا مشاہدہ آپ ﷺ

فرما ہی رہے ہیں۔ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص جوتی کے تسمہ کے

معاملہ میں بھی مجھ پر فوقیت لے جائے، تو کیا یہ بھی کبر ہے یا رسول اللہ؟

فرمایا: نہیں، بلکہ کبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکراؤ اور لوگوں کو حقیر خیال کرنے لگو۔“

البتہ غلو اسلام کو کسی چیز میں بھی پسند نہیں ہے اور نبی ﷺ نے اس بات کو بھی

❁ [صحیح] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و تحریمہ، رقم الحدیث: ۹۱؛

اتحاف السادة المتقين للزبيدي، ۶/۴۹۸؛ الدر المنثور للسيوطي، ۳/۷۹ - ۴/۱۱۴۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الکبر رقم الحدیث: ۴۰۹۲۔

مسند احمد بن حنبل، ۱/۳۸۵ - ۴۲۷۔ بلفظ [فاتیتہ] مستدرک حاکم، ۴/۱۸۱، ۱۸۲۔

پسندیدہ نہیں قرار دیا کہ ایک مسلمان کا گھر تعیش اور اسراف کا مظہر ہو جس کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے، یا بت پرستی کا مظہر بنے جس سے اس توحید والے دین نے پوری قوت کے ساتھ جنگ کی ہے۔

سونے چاندی کے برتن

اسی لیے اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ مسلمان کے گھر میں سونے چاندی کے برتن یا خالص ریشم کا بستر ہو۔ اس سے انحراف کرنے والے کو نبی ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((إِنَّ الَّذِي يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ فِي آنيةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ إِنَّمَا

يُجْرَجُ جُرْفٍ فِي بَطْنِهِ نَارِ جَهَنَّمَ.)) ❁

”جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم

کی آگ بھرتا ہے۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَشْرَبَ فِي آنيةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالذِّيَابِجِ وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ

وَقَالَ: هُوَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ.)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے

سے منع فرمایا ہے، نیز حریر و دیباچ کے کپڑے پہننے اور ان پر بیٹھنے کی بھی

❁ صحیح البخاری، کتاب الأشربة، باب آنية الفضة، رقم الحديث: ۵۶۳۴؛ صحیح

مسلم، کتاب الأشربة، باب تحريم استعمال اواني الذهب رقم الحديث: ۲۰۶۵؛ مسند احمد بن

حنبل ۳۰۱/۶ رقم الحديث: ۲۶۵۶۸۔

❁ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، باب الشرب في آنية الذهب، رقم الحديث: ۵۶۳۲؛

صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب تحريم استعمال إناء الذهب رقم الحديث: ۲۰۶۵ [نحوہ]؛

مسند احمد بن حنبل ۳۸۵/۵ رقم الحديث: ۲۳۲۶۹۔

ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے: یہ چیزیں کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔“

اور جب یہ چیزیں حرام ہیں تو ان کو تحفہ میں دینا اور سجاوٹ کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں اور ریشم کے بستر وغیرہ کی یہ حرمت مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے کیونکہ ان چیزوں کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے کہ گھر کو ناپسندیدہ سامان تعیش سے پاک رکھا جائے۔ ابن قدامہ نے اس پر بڑے اچھے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

”حدیث کے حکم کی عمومیت کے پیش نظر مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ حکم یکساں ہے کیونکہ ان چیزوں کو حرام کر دینے کی علت اسراف، تکبر اور غریبوں کی دل شکنی ہے جس کا تعلق دونوں فریق سے ہے۔ رہا عورتوں کے لیے زیورات کا جواز تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے لیے سنگھار کر سکیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اسے مباح کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر حرمت کی علت یہی ہے تو پھر یا قوت وغیرہ کے برتن کیوں نہیں حرام کیے گئے جو سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غریب لوگ ان چیزوں سے آشنا نہیں ہوتے اس لیے دولت مندوں کے اس چیز کو استعمال کرنے سے غریبوں کی دل شکنی نہیں ہوتی، نیز یہ جواہرات اتنی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ ان کے برتن بنانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لہذا ان کو حرام قرار دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن سونے اور چاندی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔“

ان وجوہ کے علاوہ ایک وجہ اقتصادی پہلو بھی ہے جس کی طرف ہم اس سے پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ دراصل سونے اور چاندی کی حیثیت نقدی کے لیے بین الاقوامی محفوظ

سرمایہ کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اموال کی قیمت کے لیے معیار بنایا ہے۔ اس میں ایک قسم کی حاکمانہ قوت موجود ہے جو قیمتوں میں صحیح توازن پیدا کرتی ہے اور زرِ مبادلہ کا کام دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کے استعمال کی رہنمائی فرما کر انسان کو اپنی نعمت سے نوازا ہے تا کہ وہ اس کو گردش میں رکھیں ورنہ یہ نعمت انہیں اس لیے نہیں عطا کی گئی ہے کہ وہ اس کو نقد خزانہ کی شکل میں گھر میں بند کر رکھیں یا برتن اور سامانِ زینت کی شکل میں بے کار بنا کر رکھ دیں۔ امام غزالی نے ”احیاء العلوم“ میں یہ بات کس قدر خوبی کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

”جس نے درہم و دینار سے سونے چاندی کے برتن بنائے اس نے کفرانِ نعمت کیا اور اس کا حال اس شخص سے بھی بدتر ہے جو خزانہ جمع کر کے رکھتا ہے کیونکہ اس کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جس نے حاکم شہر کو کپڑا بننے، جھاڑو دینے جیسی خدمت میں لگایا جس کو معمولی لوگ انجام دیتے ہیں۔ اس کو اس طرح استعمال کرنے کے مقابلہ میں جمع کر رکھنا اچھا ہے، کیونکہ پکی ہوئی مٹی، لوہا، سیسہ اور تانبہ سیال چیزوں کو محفوظ کرنے کے لیے سونے چاندی کا قائم مقام ہے اور برتن سیال چیزوں کو محفوظ کرنے ہی کے لیے ہوتے ہیں، لیکن پکی ہوئی مٹی اور لوہے سے نقدی کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا، اور جو شخص اس حقیقت سے نا آشنا ہو اس پر تشریح خداوندی کے ذریعہ یہ بات واضح ہو جانی چاہیے اور اسے یہ حدیث سنانا چاہیے کہ:

((مَنْ شَرِبَ فِي انِيَةٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَكَأَنَّمَا يُجْرُ جُرْفِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)) ❁

”جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ گویا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔“

❁ صحیح بخاری، کتاب الاشریة، باب انیة الفضة رقم الحدیث: ۵۶۳۴؛ صحیح مسلم،

کتاب الاشریة باب تحريم استعمال الاواني رقم الحدیث: ۲۰۶۵؛ مسند احمد بن حنبل،

یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس حرمت کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لیے گھر کے معاملات میں تنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نہیں، بلکہ پاک اور حلال چیزوں کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ کالج، مٹی، چینی، تانبے اور بہت سی دوسری دھاتوں کے برتن کتنے بہترین ہیں! اور روئی اور کتان وغیرہ کے بستر اور تکیے کتنی عمدہ چیزیں ہیں!

اسلام میں مجسموں کی حرمت

کسی دینی گھر میں مجسمہ کا وجود اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یعنی وہ مجسم تصویریں جو بے وقعت نہ ہوں۔ اس قسم کے مجسموں کی گھر میں موجودگی ملائکہ کی دوری کا باعث ہے حالانکہ وہ (فرشتے) اللہ کی خوشنودی کا مظہر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ تَمَاثِيلٌ)) ❁

”جس گھر میں مجسمے ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

علماء کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر آویزاں کرنے والا کفار کی مشابہت کرتا ہے۔ کفار اپنے گھر میں تصویریں لگاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ بات چونکہ ملائکہ کو ناپسند ہے اس لیے وہ ایسے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس میں داخل نہیں ہوتے۔ اسلام نے مجسمہ سازی کو حرام کر دیا ہے خواہ مجسمے غیر مسلمین ہی کے لیے کیوں نہ بنائے جائیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هَذِهِ

الصُّورَ)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال أحدكم آمین رقم الحدیث: ۳۲۲۵؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۶، بلفظ مختلف؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب باب ماجاء أن الملائكة لا تدخل بيتاً رقم الحدیث: ۲۸۰۵۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ما يجوز من الغضب، رقم الحدیث: ۶۱۰۹؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان رقم الحدیث: ۲۱۰۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۶/۶، رقم الحدیث: ۲۴۰۸۱۔

”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں۔“

ایک روایت میں ہے:

((الَّذِينَ يُضَاهِئُونَ بِخَلْقِ اللَّهِ))
 ”جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔“

نیز نبی ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ:

((مَنْ صَوَّرَ صُورَةً كَلَّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يُنْفَخَ فِيهَا الرُّوحَ وَ
 لَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا)) ❶

”جس نے تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اُس میں روح پھونکنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ کبھی اس میں روح پھونک نہ سکے گا۔“

یعنی اس میں حقیقی روح ڈالنے کی ذمہ داری ڈالی جائے گی اور یہ ذمہ داری ڈالنے کا مطلب اس کو بے بس کرنا اور سرزنش کرنا ہے۔

مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحت

(۱) مجسموں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں کئی ایک ہیں۔ من جملہ ان کے ایک مصلحت توحید کا تحفظ اور بت پرستوں کے طرز عمل کی مشابہت سے اجتناب کرنا ہے، کیونکہ بت پرست اپنے ہی ہاتھ سے تصویر اور بت بناتے ہیں، پھر اس کو مقدس قرار دے کر اس کے سامنے خشوع کے انداز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام توحید کے معاملہ میں بڑا حساس ہے اور اس کا اس معاملہ میں حساس اور محتاط ہونا بالکل بجا ہے، کیونکہ جن امتوں نے اپنے پیش روؤں اور نیک لوگوں کی تصویریں یادگار کے طور پر بنائیں وہ ایک مدت گزر جانے پر اُن شخصیتوں کو مقدس قرار دے بیٹھے اور انہیں

❶ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب من صور صورة كلف، رقم الحدیث: ۵۹۶۳؛ صحیح مسلم،

کتاب اللباس والزینة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان رقم الحدیث: ۲۱۱۰؛ مسند احمد بن حنبل،

رقم الحدیث: ۲۴۱/۱-۲۱۶۲۔

معبود بنا کر اُن کی پرستش شروع کر دی، اُن سے ڈرنے اور امیدیں وابستہ کرنے لگے اور حصول برکت کے لیے اُن کے دربار میں حاضر ہونے لگے، چنانچہ وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر والے یہی کچھ کرتے رہے۔

اسلام کا اس معاملہ میں حساس ہونا کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک ایسا دین ہے جو بگاڑ کے جملہ ذرائع کا سدباب کرنا چاہتا ہے اور ان تمام رخنوں کو بند کرنا چاہتا ہے جن سے شرک جلی یا شرک خفی دل و دماغ میں نفوذ کر جاتا ہے یا جس سے بت پرستوں اور مذہب میں غلو کرنے والوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور اسلام کا اس معاملہ میں سخت ہونا اس وجہ سے بھی بالکل بجا ہے کہ اس کی شریعت کسی ایک دور کے لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں بستے ہوں اور کسی خاص وقت کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔

(ب) تصویر کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مجسمہ سازی یا مصور اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے عدم سے اس مجسمہ یا تصویر کو وجود میں لایا ہے یا مٹی سے ایک جاندار مخلوق بنائی ہے۔ اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے مجسمہ تراشا اور اس کے بعد اس کے نیچے طویل عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ جب مجسمہ پوری طرح تیار ہو گیا تو اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کے خدو خال اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر ناز کرنے اور اترانے لگا یہاں تک کہ فخر و غرور کے نشہ میں اس کو مخاطب کر کے بول اٹھا: بات کر! بات کر!

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ الدِّينَ يَصْنَعُونَ هَذِهِ الصُّورَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ

أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ.))

صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامة، رقم الحدیث:

۵۹۵۱؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، رقم الحدیث:

۲۱۰۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/۲ رقم الحدیث: ۴۴۷۵۔

”جو لوگ اس قسم کی تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا

جائے گا کہ تم نے جو کچھ تخلیق کیا ہے اس میں جان ڈالو۔“

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً

فَلْيَخْلُقُوا شَعِيرَةً.)) ❁

”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے۔ یہ

لوگ مکئی یا جو کا ایک دانہ ہی پیدا کر دکھائیں۔“

(ج) جو لوگ اس فن کو اختیار کر کے اپنے مقصد کی طرف چل پڑتے ہیں پھر وہ کسی حد پر

رکتے نہیں۔ وہ عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں بنانے لگتے ہیں اور بت پرستی کے

مظاہر نیز دیگر مذاہب کے شعائر، مثلاً صلیب، بت وغیرہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے حالانکہ

اس قسم کی چیزیں بنانا ایک مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔

(د) مزید برآں یہ بھی حقیقت ہے کہ مجسمہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہے۔ ارباب

عیش و عشرت کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے محلوں کو مجسموں سے آباد کرتے ہیں اور اپنے

حجروں کو تصویروں سے مزین کرتے ہیں، نیز مجسمے گونا گوں دھاتوں کے بنا کر فنکاری کا

مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے جس دین نے عیش پرستی کے جملہ مظاہر و اقسام کے خلاف

جنگ کی ہے اس کا مسلمانوں کے گھروں میں مجسموں کے وجود کو برداشت نہ کرنا اور ان کو

حرام قرار دینا بعید از قیاس نہیں ہے۔

اسلام میں شخصیتوں کی یادگار کا طریقہ

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جن بڑی شخصیتوں نے تاریخ کے

شاندار اوراق پر اپنے اعمال ثبت کیے ہیں ان کے احسانات کا بدلہ امت کے مادی مجسمے

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقض الصور رقم الحدیث: ۵۹۵۳؛ صحیح

مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۱۱؛ مسند

احمد بن حنبل، ۲/۲۳۲، رقم الحدیث: ۷۱۶۶۔

کھڑے کر کے ادا نہ کرے کہ یہ مجسمے ان کے فضل و شرف کی یاد آنے والی نسلوں کو دلاتے رہیں؟ قوموں کے ذہن سے اکثر یادیں محو ہوتی رہتی ہیں اور لیل و نہار کا اختلاف انہیں بھلاوے میں ڈال دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام شخصیتوں کی تعظیم کے معاملہ میں غلو کو ناپسند کرتا ہے، خواہ ان کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہو اور خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ، وَلَكِنْ

قُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ)) ❁

”میری تعریف میں غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی غلو

آميز تعریف کی بلکہ کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے لیے احتراماً کھڑے ہونا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ

نے انہیں اس سے منع کیا اور فرمایا:

((لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعْظَمُ بَعْضُهَا بَعْضًا)) ❁

”عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو جایا کرو۔ وہ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے

کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

آپ ﷺ نے امت کو متنبہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے

کے بعد وہ آپ ﷺ کی شان میں غلو نہ کرے:

((لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَإِذْ كَرَفَى الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾

رقم: ۳۴۴۵؛ الشمائل المحمدیہ للترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۱؛ مسند حمیدی، ۱/۱۶۲ رقم

الحدیث: ۲۷؛ الدر المنثور للسیوطی، ۲/۲۴۹۔ ❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب،

باب الرجل یقوم للرجل یعظمه بذلك، رقم الحدیث: ۵۲۳۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۵/۲۵۳، رقم

الحدیث: ۲۲۱۸۱؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۸/۲۷۸، رقم الحدیث: ۸۰۷۲۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد کتاب الملک، باب زیارة القبور رقم الحدیث: ۲۰۴۲؛ مسند احمد

بن حنبل، ۲/۳۶۷ رقم الحدیث: ۸۸۰۴؛ المعجم الأوسط للطبرانی، ۹/۱۶، رقم الحدیث: ۸۰۲۶۔

”میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا۔“

اور اپنے رب سے اس طرح دعا فرمائی:

((اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثْنَا يُعْبَدُ.)) ❁

”خدایا! میری قبر کو بت نہ بنا کہ اس کی پرستش کی جانے لگے۔“

کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح مخاطب ہوئے: اے اللہ کے رسول! اے ہماری بہترین شخصیت! اے ہماری بہترین شخصیت کے صاحبزادے! اے ہمارے سردار اور اے ہمارے سردار کے صاحبزادے! آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بِقَوْلِكُمْ أَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ،

وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمْ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ. مَا

أَحَبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ.)) ❁

”لوگو! جس طرح تم مجھے خطاب کرتے رہے ہو اسی طرح کرو۔ شیطان

تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے۔ میں محمد اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

میں نہیں پسند کرتا کہ جو مقام مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے بلند مقام تم

میرے لیے تجویز کرو۔“

انسان کی تعظیم کے سلسلہ میں اسلام کا موقف یہ نہیں ہے کہ شخصیتوں کے مجسمے بت کی

طرح نصب کیے جائیں اور ان پر ہزار ہا روپیہ خرچ کیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرف تعظیم

اور احترام کے ساتھ اشارہ کریں۔

عظمت کے جھوٹے دعویدار اور باطل تاریخ سازی کرنے والے اس ہتھکنڈے سے

کام لے کر قوموں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں اپنے حقیقی زعماء سے آشنا ہونے نہیں دیتے۔

❁ [صحیح] مؤطا امام مالک، ۱/۱۷۲، کتاب قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة،

رقم الحدیث: ۸۵ مرسلًا؛ مسند امام احمد بن حنبل ۲/۲۴۶، رقم الحدیث: ۷۳۵۸؛ التمهید

لابن عبد البر، ۵/۴۳، ۴۴۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۳/۱۵۳، رقم الحدیث:

۱۲۵۵۱؛ نسائی فی الكبرى، ۶/۷۱، ۷۰؛ رقم الحدیث: ۱۰۰۷۷، ۱۰۰۷۸؛ عمل اليوم

والليلة لابن سنی، رقم الحدیث: ۳۴۸، ۳۴۹؛ مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث: ۱۳۰۹۔

حقیقی دوام جس کے مومن منتظر ہوتے ہیں وہ اللہ کے پاس ہے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جس سے بھول چوک سرزد نہیں ہوتی۔ اور کتنی عظیم شخصیتوں کے نام اس کے نزدیک دوام کے رجسٹر میں لکھے گئے لیکن مخلوق کے نزدیک وہ غیر معروف رہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو نیک، متقی اور گنہگار ہوں۔ جب وہ کسی مجلس میں موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہ جاسکے، اور جب غائب ہوں تو ان کو کوئی تلاش کرنے والا نہ ہو۔

اگر لوگوں کے پاس دوام مطلوب ہی ہے تو یہ مجسمے کھڑے کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا واحد طریقہ جو اسلام کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے یہ ہے کہ ان شخصیتوں کی یاد دل و دماغ میں راسخ ہو اور زبانوں پر جاری ہو جائے۔ انہوں نے جو نیک کام کیے اور جو نیک آثار چھوڑے ان کے پیش نظر آنے والی نسلوں میں ان کے لیے سچائی کی زبانیں بلند ہوتی رہیں گی۔

رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، قائدین اسلام اور ائمہ عظام کی یادگاریں مادی تصاویر کے ذریعہ قائم نہیں کی گئیں اور نہ ان کے لیے پتھر کے مجسمے تراشے گئے بلکہ خلف اپنے سلف سے اور اولاد اپنے آبا سے ان کے کارنامے اور مناقب سینہ بہ سینہ منتقل کرتی رہی، زبانوں پر ان کا ذکر خیر ہوتا رہا، محفلیں ان کے تذکروں سے مہک اٹھیں اور دل و دماغ ان کے کارناموں سے مسحور ہو گئے۔ اتنی عظیم یادگاریں تصویر اور مجسمہ کے بغیر ہی قائم ہو گئیں۔

بچوں کے کھلونے جائز ہیں

کچھ مجسمے ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ تعیش اور نہ ان سے وہ اندیشے لاحق ہوتے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا۔ ایسے مجسموں کے بارے میں اسلام نے کسی تنگی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

اس کی مثال چھوٹے بچوں کے کھلونے ہیں جو گڑیا، بلی وغیرہ جانداروں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ بے وقعت بھی ہوتے ہیں اور ان کو بچے بس کھیلنے کے کام میں لاتے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كُنْتُ الْعَبُّ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ يَأْتِينِي

صَوَّاحِبٌ لِي، فَكُنَّ يَنْقَمِعْنَ خَوْفًا مِّنْ رَسُولِ اللَّهِ، وَكَانَ

رَسُولُ اللَّهِ يَسُرُّ لِمَجِيئِهِنَّ إِلَيَّ، فَيَلْعَبُنَّ مَعِيَ. ﴿١٠﴾

”میں لڑکیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کھیلا کرتی تھی۔

میری سہیلیاں آتیں اور رسول اللہ ﷺ کے خوف سے چھپ جاتیں۔

حالانکہ آپ ﷺ کو ان کے میرے پاس آنے سے خوشی ہوتی۔ پھر وہ

میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔“

دوسری روایت میں ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا يَوْمًا: مَا هَذَا؟ قَالَتْ بَنَاتِي. قَالَ: مَا

هَذَا الَّذِي فِي وَسْطِهِنَّ؟ قَالَتْ، فَرَسٌ، قَالَ: مَا هَذَا الَّذِي

عَلَيْهِ؟ قَالَتْ جَنَاحَانِ. قَالَ: فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ: أَوْ مَا

سَمِعْتِ أَنَّهُ، كَانَ لِسُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ خَيْلٌ لَهَا أَجْنَحَةٌ؟

فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. ﴿١١﴾

”نبی ﷺ نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں

نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ پوچھا ان کے درمیان میں کیا چیز ہے؟ کہا: یہ

گھوڑا ہے۔ پوچھا اس گھوڑے کے اوپر کیا چیز ہے؟ کہا: دو پر ہیں۔ فرمایا:

گھوڑا اور اس کو پر بھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے گھوڑے پر والے تھے؟ یہ سن کر نبی ﷺ

ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک دکھائی دینے

﴿١٠﴾ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الانبساط الی الناس، رقم الحدیث: ۶۱۳۰

صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ام المومنین عائشہ، رقم الحدیث:

۲۴۴۰، النسائی فی الکبریٰ، ۱۷۹/۸، رقم الحدیث: ۸۸۹۷۔

﴿١١﴾ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب اللعب بالبنات، رقم الحدیث: ۴۹۳۲

السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۱۹/۱۰، باب ما جاء فی اللعب بالبنات؛ الدر المنثور

للسیوطی، ۳۰۹/۵۔

لگے۔“

ان گڑیوں سے جن کا ذکر حدیث میں ہوا بچے کھیلا کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو شادی کے وقت بالکل کم سن تھیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کو اس قسم کے مجسموں سے کھیلنے دینا جائز ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ بچوں کے لیے اس کو خرید کر لانا مکروہ خیال کرتے تھے، اور قاضی عیاض کا قول ہے کہ چھوٹی بچیوں کا گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے۔“

اور بچوں کے کھلونے میں وہ مجسمے بھی شامل ہیں جو مٹھائی سے بنائے جاتے ہیں اور تہواروں وغیرہ کے موقع پر فروخت کیے جاتے ہیں۔ بچے تھوڑی دیر ان سے کھیلتے ہیں اور ان کے بعد ان کو کھالیتے ہیں۔

ناقص اور مسخ شدہ مجسمے

حدیث میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے سے اس لیے رک گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازہ پر ایک مجسمہ تھا۔ دوسرے دن بھی داخل نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

((مُرِبْرَاسِ التَّمْثَالِ فَلْيُقْطَعْ حَتَّى يَصِيرَ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ.))¹

”مجسمہ کا سر کٹو دیجیے اس طرح کہ درخت کی شکل میں مجسمہ رہ جائے۔“

علماء کے ایک گروہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ حرام تصویر وہ ہے جو مکمل ہو لیکن جس تصویر کا ایسا عضو غائب ہو جس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے تو وہ جائز ہے۔

¹ [صحیح] سنن ابی داؤد کتاب اللباس، باب فی الصور، رقم الحدیث: ۴۱۵۸؛ جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء أن الملائكة لا تدخل بیتاً، رقم الحدیث: ۲۸۰۶؛ نسائی، کتاب الزینة، باب ذکر اشد الناس عذاباً، رقم الحدیث: ۵۳۶۷۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجسمہ کا سراڑ دینے کے لیے کہا تھا تا کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتبار کسی ایسے عضو کے ختم کرنے کا نہیں ہے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں، بلکہ اعتبار مسخ کر دینے کا ہے تا کہ وہ ایسی شکل میں باقی ہی نہ رہے کہ اسے دیکھ کر تعظیم کے جذبات پیدا ہونے لگیں۔

اگر ہم غور کریں اور انصاف سے کام لیں تو کسی شک و شبہ کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ نصف مجسمے جن کو بادشاہوں اور لیڈروں کی یادگار کے طور پر میدانوں میں نصب کیا جاتا ہے حرمت میں ان چھوٹے اور مکمل مجسموں سے بڑھ کر ہیں جو گھروں میں زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

غیر مجسم تصویریں

یہ تو ہوا تمثال (مجسموں) کے بارے میں اسلام کا موقف۔ اب سوال یہ ہے کہ ان فنی تصویروں کا کیا حکم ہے جو کاغذ کپڑے، پردہ، دیوار، فرش اور نقدی وغیرہ پر بنائی جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ تصویر فی نفسہ کس چیز کی ہے؟ اسے کہاں رکھا جائے گا؟ کس طرح استعمال کیا جائے گا؟ اور مصور نے اس کو کس غرض سے بنایا ہے؟

اگر یہ فنی تصویریں معبودان غیر اللہ کی ہیں، مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر جن کو نصاریٰ نے معبود بنا لیا ہے، یا گائے کی تصویر جس کو ہندو پوجتے ہیں تو اس قسم کی تصویریں بنانے والا جو اسی مقصد سے تصویریں بناتا ہے، کافر ہے اور کفر و گمراہی کی اشاعت کرنے والا ہے۔ ایسے ہی مصوروں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید وعید سنائی ہے:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ)) ❁

”قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان مصوروں کو ہوگا۔“

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین يوم القيامة، رقم الحدیث:

۵۹۵۰؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، رقم الحدیث:

۲۱۰۹؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۷/۴۶۸۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہاں مراد وہ مصور ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بناتا ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کا دانستہ طور پر اسی غرض کے لیے تصویر بنانا کفر کے مترادف ہے، لیکن جو شخص اس مقصد سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے تصویر بناتا ہے وہ صرف گنہگار ہے۔“

اسی طرح اس شخص کا معاملہ ہے جو تصویر کو مقدس سمجھ کر آویزاں کرتا ہے۔ یہ حرکت کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتی الا یہ کہ وہ اسلام کو پس پشت ڈال دے۔ اس سے مماثلت رکھنے والی شکل یہ ہے کہ تصویر کسی ایسی چیز کی بنائی جائے جس کی پرستش نہیں کی جاتی لیکن مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو، یعنی تصویر بنانے والا اس بات کا مدعی ہو کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اس قصد و ارادہ کی بنا پر دین تو حید سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسے ہی مصوروں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

((إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا الَّذِينَ يُضَاهَوْنَ بِخَلْقِ اللَّهِ)) ❁

”سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں۔“

یہ معاملہ صرف مصور کی نیت سے تعلق رکھتا ہے اور غالباً اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ ذَرَّةً)) ❁

”اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما وطئ، من التصاویر، رقم الحدیث: ۵۹۵۴؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۷؛ مسند احمد بن حنبل ۸۳/۶، رقم الحدیث: ۲۴۵۳۶-۲۱۹/۶، رقم الحدیث: ۲۵۸۳۹ واللفظ له۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم الحدیث: ۵۹۵۳؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۱۱؛ مسند احمد بن حنبل ۲۳۲/۲، رقم الحدیث: ۷۱۶۶۔

لگے۔ یہ لوگ ایک دانہ یا ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔“

یہ الفاظ مشابہت کا قصد کرنے اور الوہیت کی خصوصیات یعنی تخلیق و ایجاد میں ہمسری کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ وہ ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی پیدا کر دکھائیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کام اسی مقصد کے ساتھ انجام دیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اس کا بدلہ دے گا کہ علی رؤس الاشہاد ان سے اپنی تخلیقات میں جان ڈالنے کے لیے کہا جائے گا اور وہ اس میں کبھی جان نہیں ڈال سکیں گے۔

من جملہ ان تصاویر کے جن کا بنانا اور رکھنا حرام ہے، ان شخصیتوں کی تصویریں بھی ہیں۔ جنہیں مذہبی لحاظ سے مقدس سمجھا جاتا ہے یا دنیوی لحاظ سے جن کو قابل تعظیم خیال کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کی تصویروں کی مثال انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین کی تصویریں ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، اور حضرت جبریل علیہ السلام، کی تصویریں۔ ان کا رواج نصاریٰ کے ہاں ہے اور ان کی تقلید بعض مسلمان بدعتیوں نے بھی کی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی تصویریں انہوں نے بنالی ہیں۔

اور دوسری قسم کی تصویروں کی مثال بادشاہ، زعماء اور فن کاروں کی تصویریں ہیں۔ ان کا گناہ پہلی قسم کی تصویریں بنانے کی بہ نسبت کم ہے لیکن گناہ کی شدت اس صورت میں بڑھ جاتی ہے جبکہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تصویریں بنائی جائیں، مثلاً ان حاکموں کی تصویریں جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے بغیر فیصلے کرتے ہیں، ان زعماء کی تصویریں جو اللہ کے پیغام کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور ان فن کاروں کی تصویریں جو باطل کو فروغ دیتے ہیں اور لوگوں کے اندر بے حیائی اور بداخلاقی پھیلاتے ہیں۔

عہد رسالت اور بعد کے زمانہ میں تصویریں زیادہ تر تقدیس و تعظیم کے لیے ہوتی تھیں اور یہ اکثر روم اور فارس یعنی نصاریٰ اور مجوس کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں، اس لیے وہ

مذہبی عقیدت اور حکمرانوں کی تقدیس کے اثرات سے پاک نہیں ہوتی تھیں۔ حضرت ابوالضحیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنْتُ مَعَ مَسْرُوقٍ فِي بَيْتٍ فِيهِ تَمَاثِيلٌ فَقَالَ لِي مَسْرُوقٌ هَذِهِ تَمَاثِيلُ كِسْرَى؟ فَقُلْتُ لَا، هَذِهِ تَمَاثِيلُ مَرْيَمَ، كَانَ مَسْرُوقًا ظَنَّ أَنَّ التَّصْوِيرَ مِنْ مَجُوسٍ، وَكَانُوا يُصَوِّرُونَ صُورَ مَلُوكِهِمْ حَتَّى فِي الْأَوَانِي، فَظَهَرَ أَنَّ التَّصْوِيرَ كَانَ مِنْ نَصْرَانِيٍّ: وَفِي هَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ مَسْرُوقٌ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللَّهِ الْمُصَوِّرُونَ.))

”میں مسروق کے ساتھ ایک گھر میں تھا جس میں تماثیل تھیں۔ ان کو دیکھ کر مسروق نے مجھ سے کہا: کیا یہ کسریٰ کی تماثیل ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کی تماثیل ہیں۔ گویا مسروق کا خیال تھا کہ یہ تصویریں مجوس کی بنائی ہوئی ہوں گی کیونکہ مجوس برتنوں وغیرہ پر اپنے بادشاہوں کی تصویریں بنایا کرتے تھے لیکن معلوم ہوا کہ یہ تصویریں نصرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس قصہ میں مسروق نے کہا: میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو تصویریں بناتے ہیں۔“

ان کے سوا جو تصویریں غیر ذی روح کی ہوں مثلاً نباتات، درخت، دریا، جہاز، پہاڑ، چاند، سورج، ستارے وغیرہ قدرتی مناظر کی تو ان کے بنانے اور رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور اس معاملہ میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

اور اگر تصویر کسی ذی روح کی ہو اور اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو جس کا بیان اوپر گزر

صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، رقم الحديث:

۲۱۰۹؛ فتح الباری لابن حجر عسقلانی، ۱۰/۳۸۲؛ مسند حمیدی، ۱/۲۱۸، رقم

الحديث: ۱۱۷۔

چکا، یعنی کوئی ایسی تصویر نہ ہو جس کی تقدیس و تعظیم کی جاتی ہے اور نہ اس سے تخلیق خداوندی کی مشابہت مقصود ہو تو راقم السطور کی رائے میں ایسی تصویر حرام نہیں ہے اور اس کی تائید صحاح کی درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

((عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ. قَالَ بُسْرٌ ثُمَّ اشْتَكَى زَيْدٌ بَعْدَهُ، فَعُدْنَا لَهُ فَإِذَا عَلَى بَابِهِ سَتْرٌ فِيهِ صُورَةٌ. قَالَ: فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللَّهِ الْخَوْلَانِيِّ رَبِيبِ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَلَمْ يُخْبِرْنَا زَيْدٌ عَنِ الصُّورِ يَوْمَ الْأَوَّلِ؟ فَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ أَلَمْ تَسْمَعَهُ حِينَ قَالَ: إِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ؟))

”بسر بن سعید زید بن خالد سے اور وہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔ بسر کہتے ہیں بعد میں جب زید بیمار ہو گئے اور ہم ان کی عیادت کے لیے گئے تو ان کے دروازہ کے پردہ پر تصویر تھی، میں نے عبید اللہ خولانی سے جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ربیب تھے، کہا کہ زید نے ہمیں تصویروں کے بارے میں پہلے دن کیا بات بتائی تھی؟ عبید اللہ نے جواب دیا جس وقت انہوں نے حرمت کی بات کہی تھی اس وقت اس استثنا کا بھی تو ذکر کیا تھا کہ ”إِلَّا يَهْ كِهْ فِي ثَوْبٍ“

((عَنْ عُتْبَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُودُهُ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حَنِيفٍ، قَالَ: فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ إِنْسَانًا يَنْزِعُ

صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور، رقم الحدیث: ۴۱۵۵؛ سنن ابن ماجه، کتاب اللباس، باب الصور فی البیت، رقم الحدیث: ۳۶۴۹۔

نَمَطًا تَحْتَهُ فَقَالَ لَهُ سَهْلٌ: لِمَ تَنْزِعُهُ؟ قَالَ: لِأَنَّ فِيهِ تَصَاوِيرُ
وَقَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتَ، قَالَ سَهْلٌ أَوْلَمْ يَقُلْ: إِلَّا مَا
كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ؟ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: بَلَى، وَلَكِنَّهُ أَطِيبُ
لِنَفْسِي.)) ❁

”عتبہ سے روایت ہے کہ وہ طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس عیادت کے لیے
تشریف لے گئے وہاں انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔ ابو
طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ وہ نیچے سے دری نکالیں۔ یہ سن کر سہل
نے کہا: اسے کیوں نکالتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ اس میں تصویریں
بنی ہوئی ہیں اور نبی ﷺ نے تصویروں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے:
اس سے آپ واقف ہی ہیں۔ سہل نے کہا: آپ ﷺ نے یہ بھی تو فرمایا
ہے: ”الایہ کہ کپڑے میں نقش ہو۔“ ابو طلحہ نے کہا: صحیح ہے لیکن میں سمجھتا
ہوں اس کو ہٹا دینا بہتر ہوگا۔“

کیا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ حرام تصویروں سے مراد مجسمے
ہیں جن کو ہم تماثیل کہتے ہیں!

لیکن جو تصویریں تختیوں پر بنائی جاتی ہیں، یا کپڑے، فرش، دیوار وغیرہ پر جن کو منقش
کیا جاتا ہے ان کی حرمت کسی ایسی حدیث سے ثابت نہیں ہے جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی،
نیز وہ کسی دوسری حدیث سے متعارض بھی نہ ہو۔

البتہ ایسی صحیح حدیثیں موجود ہیں جن میں نبی ﷺ نے اس قسم کی تصاویر کے بارے
میں ناگواری کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ اس میں عیش پسندوں اور دنیوی مفاد کے پرستاروں
کے ساتھ مشابہت کا پہلو ہے:

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الصورة، رقم الحدیث: ۱۷۵۰؛
سنن النسائی، کتاب الزینة، باب التصاویر، رقم الحدیث: ۵۳۵۱؛ مؤطا امام مالک، کتاب
الاستیذان، باب ماجاء فی الصور والتماثیل، رقم الحدیث: ۶، ص ۷۳۶۔

((عَنْ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَائِيلٌ قَالَ فَاتَيْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا يَخْبِرُنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَائِيلٌ. فَهَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ذَكَرَ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ لَا..... وَلَكِنْ سَأَحَدِثُكُمْ مَا رَأَيْتُهُ فَعَلَّ، رَأَيْتُهُ خَرَجَ فِي غَزَاتِهِ فَأَخَذَتْ نَمَطًا فَسَتَرَتْهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ عَرَفَتْ الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِهِ فَجَذَبَهُ حَتَّى هَتَكَهُ أَوْ قَطَعَهُ وَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُو الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ. قَالَتْ فَقَطَعْنَا مِنْهُ وَسَادَتَيْنِ وَحَشَوْتُهُمَا لِيَفَا فَلَمْ يَعِْبْ ذَلِكَ عَلَيَّ.))

”ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتابیا مجسمے ہوں۔ راوی زید بن خالد کہتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ ابو طلحہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ملائکہ کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتابیا مجسمے ہوں۔ کیا آپ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ فرمایا نہیں..... لیکن میں نے آپ ﷺ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ بیان کرتی ہوں۔ آپ ﷺ کسی غزوہ پر تشریف لے گئے تھے، میں نے ایک چادر لی اور دروازہ کو پردہ لگا دیا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور چادر کو دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرہ سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے چادر کو کھینچ کر اسے پھاڑ ڈالا اور فرمایا: اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو کپڑوں سے آراستہ

صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۶-۲۱۰۷

سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور، رقم الحدیث: ۴۱۵۳۔

کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے اس سے دو تکتے بنا لیے اور اس میں کھجور کی چھال بھردی۔ آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔“

اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو حکم اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ دیواروں وغیرہ کو تصویر والے پردوں سے آراستہ کرنا مکروہ تہزیہی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو حرمت کی متقاضی ہو کیونکہ حدیث کے الفاظ ”اللہ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے“ سے نہ واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ مندوب ہونا اور نہ ہی اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔“

ایسی ہی ایک روایت مسلم کی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ لَنَا سَتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذْ دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: حَوْلِي هَذَا فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا.))¹

”ہمارے پاس ایک پردہ تھا جس پر پردہ کی تصویر تھی۔ جب کوئی شخص اندر داخل ہوتا تو اس کی نظر اس پر پڑتی۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے ہٹا دو، کیونکہ جب میں اندر داخل ہوتا ہوں تو میری نظر اس پر پڑتی ہے اور دنیا یاد آ جاتی ہے۔“

آپ ﷺ نے اسے پھاڑنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ اسے ہٹا دو۔ یہ اس لیے کہ آپ ﷺ ایسی چیزوں کو جو عام طور سے دنیا اور سامانِ زینت کو یاد دلاتی ہیں اپنے سامنے دیکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ خاص طور سے اس لیے بھی کہ آپ سنتیں اور نفل نمازیں گھر ہی میں ادا کرتے تھے۔ اس قسم کی تصاویر و تماثیل والی چادریں اور پردے انسان کو اپنی طرف

¹ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۷؛

مسند احمد بن حنبل ۶/۴۹، رقم الحدیث: ۲۴۲۱۸؛ جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب قول

فی القرام: انه يذكرني الدنيا، رقم الحدیث: ۲۴۶۸۔

متوجہ کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں خشوع کا اہتمام کرنے اور مناجات کی طرف متوجہ ہونے سے دل غافل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: أَمِيطِيهِ عَنِّي فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي)) ❁

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جسے وہ گھر کے ایک جانب لگایا کرتی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کو ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں۔“

اس سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے پردہ کے وجود کو جس میں پرندہ کی تصویر تھی اور دوسری تصویروں والے پردہ کو بھی برداشت کر لیا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث کے پیش نظر سلف اس بات کے قائل ہیں کہ ممنوع صرف وہ تصویریں ہیں جن کا سایہ پڑتا ہو یعنی جو مجسم ہوں اور جن کا سایہ نہیں پڑتا ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک باطل ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مسلک قاسم بن محمد سے جو مدینہ کے ممتاز فقیہ تھے، صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور شیخ بخیت نے خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”جو شخص حیوانات کی شکلیں بناتا ہے اور نقاش جو درخت وغیرہ کے نقوش بناتا ہے، ایسے لوگ میں سمجھتا ہوں کہ اس وعید میں داخل نہیں ہیں اگرچہ کہ اس باب کی تمام ہی چیزیں مکروہ ہیں اور اس سے انسان کی توجہ لایعنی

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب کراهية الصلوة في التصاوير، رقم الحديث: ۵۹۵۹

مسند احمد بن حنبل، ۱۵۱/۳، رقم الحديث: ۱۲۵۳۱؛ فتح الباری لابن حجر عسقلانی

کاموں کی طرف ہو جاتی ہے۔“

خطابی کے اس قول پر شیخ نجیث رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ:

”اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص جاندار کی شکل بناتا ہے وہ جاندار کی صورت نہیں ایجاد کرتا بلکہ وہ شکل و صورت کا محض خاکہ بناتا ہے۔ اس طرح جو تصویر بنائی جاتی ہے اس کے بہت سے ایسے اعضا غائب ہوتے ہیں جن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں ہے بلکہ درحقیقت جسم ہی غائب ہوتا ہے۔ لہذا یہ جاندار کی وہ تصویر نہیں ہے جس کا بنانے والا قیامت کے دن روح پھونکنے کی سزا کا مستحق ہوگا اور وہ اس میں روح پھونک نہیں سکے گا۔ بظاہر ایسی تصویر کا اطلاق جس کے بارے میں وعید آئی ہے سایہ رکھنے والے مجسمہ پر ہوتا ہے، ایسا مجسمہ جس کا کوئی عضو جو زندہ رہنے کے لیے ناگزیر ہے، غائب نہ ہو۔ جو مجسمہ اس نوعیت کا ہو اس میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ روح پھونکی جاسکے۔ لیکن اگر مصور اس میں روح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ (مجسمہ) میں زندگی کو قبول کرنے کی قابلیت نہیں ہے بلکہ یہ مصور کا نقص ہے، اس لیے اس کے عاجز ہونے کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔“

غیر مجسم تصویروں کے جواز کی جو رائے ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً،

فَلْيَخْلُقُوا شَعِيرَةً.))^❶

”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی طرح تخلیق کرنے لگے،

ایسے لوگوں کو چاہیے کہ ایک ذرہ یا جو کا ایک دانہ ہی تخلیق کر دکھائیں۔“

❶ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم الحدیث: ۵۹۵۳؛ صحیح مسلم،

کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، رقم الحدیث: ۲۱۱۱؛ مسند احمد بن حنبل،

۲/۲۳۲، رقم الحدیث: ۷۱۶۶۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق۔ جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں، محض خاکہ نہیں ہے جو کسی سطح چیز پر بنایا گیا ہو، بلکہ وہ حجم رکھنے والی مجسم تصویریں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ.﴾¹

”وہی ہے جو رحم میں تمہاری جس طرح چاہتا ہے صورت گری کرتا ہے۔“

اس مسلک کے خلاف اگر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے:

((أَنَّهَا اشْتَرَتْ نَمْرَقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَأَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ، فَعَرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اتُّوبُ إِلَى اللَّهِ وَالِى رَسُولِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ مَا بَالُ هَذِهِ النَّمْرَقَةِ؟ فَقَالَتْ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّورِ يُعَذَّبُونَ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّورُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ.))²

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی تھیں۔ جب رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دیکھا تو اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ دروازہ ہی پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طرف رجوع کرتی ہوں، مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے؟ فرمایا: یہ تکیہ کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں نے اسے آپ کے بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے خریدا ہے۔ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

¹ ۳/آل عمران: ۶۔ صحیح البخاری، کتاب اللباس باب من لم يدخله بيتاً فيه صورة،

رقم الحديث: ۵۹۶۱؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، رقم

الحديث: ۲۱۰۷۔

اس قسم کی تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنی تخلیق میں جان ڈالو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں:

((فَاخَذَتْهُ فَجَعَلَتْهُ مِرْفَقَتَيْنِ، فَكَانَ يَرْتَفِقُ بِهِمَا فِي الْبَيْتِ تَعْنِي أَنَّهَا شَقَّتِ النَّمْرِقَةَ فَجَعَلَتْهَا مِرْفَقَتَيْنِ.))

”پھر میں نے اس کے دو چھوٹے تکیے بنائے جن کو آپ ﷺ ٹیک لگانے کے لیے گھر میں استعمال کرتے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تصویروں والے تکیے کو پھاڑ کر اس کے دو چھوٹے تکیے بنا لیے۔“

لیکن اس حدیث سے درج ذیل امور متعارض ہیں:

1 یہ حدیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تصویر والے پردہ کو پھاڑ کر جو تکیہ بنا لیا گیا تھا اس کو آپ ﷺ نے استعمال کیا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو استعمال نہیں فرمایا۔

2 بعض روایتیں محض کراہت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کراہت بھی دیوار کو مصور پردہ سے آراستہ کرنے کے سلسلہ میں ہے جو ظاہر ہے کہ ایک قسم کی عیش پسندی ہے جس کو آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوا الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ.))

”اللہ نے ہمیں پتھر اور مٹی کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔“

3 مسلم کی حدیث جو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پرندہ کی تصویر والے پردہ کے بارے میں منقول ہے اور جس میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ ”اسے ہٹا دو کیونکہ جب

صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۰۶،

۲۱۰۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور، رقم الحدیث: ۴۱۵۳۔

میری نظر اس پر پڑتی ہے تو دنیا یاد آ جاتی ہے۔“ مطلقاً حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔

4 یہ حدیث ”قرام“ والی حدیث سے متعارض ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو پردہ تھا اسے آپ ﷺ نے ہٹانے کا حکم دیا کیونکہ اس

کی تصویریں نماز میں آپ ﷺ کے سامنے ہوتی تھیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ:

”اس حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث میں

تطبیق مشکل ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کو ہٹانے کا حکم

آپ ﷺ نے اس لیے دیا تھا کہ تصویر کا رخ نماز کے وقت بالکل سامنے

ہوتا تھا، ورنہ خاص طور سے تصویر کی وجہ سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا۔“

اس کے بعد موصوف نے دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح پیدا کی ہے کہ پہلی

حدیث میں جن تصاویر کا ذکر ہے وہ ذی روح کی تصاویر تھیں اور اس حدیث میں جن کا ذکر

ہے وہ جاندار کی نہیں تھیں۔

یہ تطبیق صحیح نہیں ہے کیونکہ قرام (پردہ) والی حدیث میں پردہ کی تصویر کا ذکر

موجود ہے۔

5 یہ حدیث ابو طلحہ انصاری کی حدیث سے متعارض ہے جس میں کپڑے کے نقش کو

حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو

کراہت پر محمول کیا جائے اور ابو طلحہ کی حدیث کو مطلق جواز پر جو کراہت

کے منافی نہیں ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تطبیق کو مستحسن کہا ہے۔

6 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نمرقہ (تکیہ) والی حدیث کے راوی اُن کے بھتیجے قاسم بن محمد

بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کے نزدیک ایسی تصویریں جائز تھیں جن کا سایہ نہ پڑتا ہو۔

ابن عون فرماتے ہیں: ”میں قاسم کے پاس گیا وہ مکہ کے بالائی حصہ میں اپنے گھر

میں مقیم تھے۔ میں نے اُن کے گھر میں جگہ دیکھا جس میں قندس (ایک آبی جانور)

اور عنقا (پرنده) کی تصویریں تھیں۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ممکن ہے حدیث الارقمٰ فی ثوب (الایہ کہ کپڑے میں نقش ہو) کو انہوں نے عام جواز پر محمول کیا ہو اور غالباً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ والی حدیث کی توجیہ ان کے نزدیک یہ رہی ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پردہ مصور بھی تھا اور اس سے دیوار کی پوشش کا کام بھی لیا گیا تھا جبکہ حدیث میں آتا ہے۔ ”اللہ نے ہمیں مٹی اور پتھر کو پوشاک پہنانے کا حکم نہیں دیا ہے۔“ قاسم بن محمد مدینہ کے سات ممتاز فقہا میں سے ہیں۔ انہوں نے نمرقہ والی حدیث روایت کی ہے۔ اگر وہ جملہ جیسی چیزوں میں تصویر کو جائز نہ سمجھتے تو اس کو استعمال نہ کرتے۔“

لیکن ان احادیث سے جو تصویروں اور مصورین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ احتمال ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرحلہ میں جب کہ شرک و بت پرستی اور تصاویر کو مقدس سمجھنے کا زمانہ گزرے ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا تصاویر کے معاملہ میں سختی برتی ہو، لیکن جب عقیدہ توحید دل و دماغ میں راسخ ہو گیا تو غیر مجسم تصاویر کی اجازت دی ہو جو فی الحقیقت محض نقوش اور خاکے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اپنے گھر میں کسی تصویر والے پردہ کا وجود برداشت نہ کرتے، اور نہ ان تصاویر کو مستثنیٰ قرار دیتے جو کپڑے میں نقش و نگار کے طور پر بنائی جاتی ہیں۔ اسی پر کاغذ اور دیوار کی تصاویر کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

طحاوی جو حنفی مسلک کے امام ہیں فرماتے ہیں:

”آغاز میں شارع نے ہر قسم کی تصاویر سے منع فرمایا تھا خواہ وہ نقش ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ تصویر پرستی کا زمانہ گزرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے ہر قسم کی تصاویر ممنوع قرار دیں۔ پھر جب ممانعت کے حکم پر عمل درآمد

ہو گیا تو آپ ﷺ نے کپڑوں میں بنے ہوئے نقوش کو عام ضرورت کے پیش نظر مستثنیٰ کر دیا، نیز ایسی تصاویر کو بھی جائز کر دیا جن کی بے وقعتی کی جاتی ہے۔ جس تصویر کی بے وقعتی کی جاتی ہے اس کی تعظیم کا اندیشہ نہیں رہتا۔ البتہ جن تصاویر کی عام طور سے بے وقعتی نہیں کی جاتی ان کی ممانعت برقرار رہی۔“

تصویر کی بے وقعتی اسے جائز کر دیتی ہے

جب کسی تصویر میں ایسا تغیر کر دیا جائے کہ وہ قابل تعظیم نہ رہے بلکہ بے وقعت ہو کر رہ جائے تو وہ جواز کے دائرہ میں آ جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَدْخُلْ. قَالَ كَيْفَ أَدْخُلُ وَفِي بَيْتِكَ سِتْرٌ فِيهِ تَصَاوِيرٌ؟ فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاقْطَعْ رَأْسَهَا، أَوْ قَطِّعْهَا وَسَائِدًا أَوْ اجْعَلْهَا بَسَطًا.))

”تشریف لائیے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: میں کس طرح اندر داخل ہو جاؤں جب کہ آپ ﷺ کے گھر میں تصویروں والا پردہ ہے؟ اگر اس کو رکھنا ہی ہے تو تصویر کا سر کاٹ دیجیے یا پردہ کو پھاڑ کر تکیہ یا بچھونا بنا لیجئے۔“

اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر والے تکیہ کی وجہ سے نبی ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو اس کو پھاڑ کر دو چھوٹے تکیے بنا ڈالے کہ ایسی صورت میں تصویروں کی بے وقعتی ہوتی ہے اور تعظیم کا ادنیٰ اندیشہ بھی باقی نہیں رہتا۔

1 شیخ بخیت نے الجواب الشافی میں اسے نقل کیا ہے۔

2 [صحیح] سنن النسائی، کتاب الزینة، باب ذکر اشد الناس عذاباً، رقم الحدیث: ۵۳۶۷

صحیح ابن حبان، ۱۳/۱۶۴، رقم الحدیث: ۵۸۵۳، مصنف عبدالرزاق، ۱۰/۳۹۹، رقم

الحدیث: ۱۹۴۸۸۔

سلف سے منقول ہے کہ وہ غیر واقع تصویروں کے استعمال میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ پرندوں اور آدمیوں کی تصویروں والے تکیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے، اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تصویروں کا نصب کرنا علما کو ناپسند تھا اور جن تصاویر کو عام طور سے پامال کیا جاتا ہے اُن میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور بچھونے اور تکیے کی تصویروں کے بارے میں جو پامال کی جاتی ہیں کہتے یہ ان کی تذلیل ہے۔

فوٹو گرافی کی تصویریں

یہ بات بالکل واضح ہے کہ تصویر اور مصوری کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ اُن تصاویر کے متعلق ہیں جو تراش لی جاتی ہے یا جن کا خاکہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک عکسی تصویر کا تعلق ہے جو کیمرے کے ذریعے لی جاتی ہے تو یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ یہ فوٹو گرافی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف کے زمانہ میں نہیں تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصاویر اور مصوری کے متعلق جو احکام آئے ہیں کیا وہ فوٹو گرافی پر بھی منطبق ہوتے ہیں؟^❶

جو علما یہ سمجھتے ہیں کہ تصویر کی حرمت مجسمہ کی حد تک ہے وہ فوٹو گرافی کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ خاص طور سے اس صورت میں جبکہ تصویر غیر مکمل ہو۔

رہی دوسرے گروہ کی رائے تو سوال یہ ہے کہ کیا ان عکسی تصاویر کو ان تصاویر پر قیاس کیا جائے جو ایک آرٹسٹ کے برش کی تخلیق ہے؟ یا بعض احادیث میں یہ جو علت بیان ہوئی ہے کہ مصور اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتا ہے، وہ علت فوٹو گرافی میں نہیں پائی جاتی؟ اور اصول فقہ کی رو سے جب علت ہی باقی نہیں رہی تو معلول بھی باقی نہیں رہا۔ (یعنی جب

❶ مصنف فوٹو گرافی کے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مقابلہ نہیں اور یہ تصویر کشی نہیں۔ ہمیں مؤلف کی اس بات پہ تعجب ہے کہ اگر یہ تصویر کشی نہیں تو پھر کیا ہے؟ کس چیز نے اسے تصویر کشی سے خارج کیا ہے اور کیسے یہ تخلیق الہی سے مقابلہ نہیں ہے؟ ان کا یہ قول باطل اور مغالطہ پر مبنی ہے۔ دیکھیے (اعلام بنقد

مشابہت نہیں پائی جاتی تو حرمت کا اطلاق بھی نہیں ہوگا۔ ❁

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ واضح بات مفتی مصر شیخ محمد بخیت مرحوم کا فتویٰ ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ فوٹو گرافی کے ذریعہ لی ہوئی تصویر ”جو عکس کو مخصوص ذرائع سے روک لینے سے عبارت ہے“ اس تصویر کی تعریف میں نہیں آتی جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ جس قسم کی تصویر سازی سے منع کیا گیا ہے اس کا اطلاق تصویر ایجاد کرنے اور بنانے پر ہوتا ہے جو پہلے سے موجود یا بنائی ہوئی نہ ہو اور جس کے ذریعہ اللہ کی پیدا کردہ کسی جاندار چیز کی مشابہت کی جائے۔ لیکن کیمرہ کے ذریعہ لیے ہوئے فوٹو کی حقیقت یہ نہیں ہے۔ ❁ فوٹو کی اصل حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت یہی ہے لیکن علما کا ایک گروہ تصویر کے

❁ مصنف نے تصویر کی جو تقسیم مجسم اور غیر مجسم ہونے کے لحاظ سے کی ہے وہ غلط ہے تصویر چاہے مجسم ہو یا کاغذ اور دیوار پر ہو حرام ہے۔ قرآن و سنت کے دلائل کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں تصویر خواہ کسی قسم کی ہو حرام ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اعلام الموقعین ۴/۳۰۳ میں کبیرہ گناہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ”(ان کبیرہ گناہوں) میں سے ایک جانور کی تصویر کشی ہے اس کا سایہ ہو یا نہ ہو۔“

امام نووی شرح صحیح مسلم: ۱۳/۱۸، میں فرماتے ہیں ”تمام قسم کی تصویر کشی حرام ہے اس کا سایہ ہو یا نہ ہو۔“ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ نامور محققین جمہور علما کی بات کا خلاصہ یہی ہے کہ تصویر کشی حرام ہے چاہے اس کا سایہ ہو یا نہ ہو تو غلط نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے دروازے پر لٹکے پردے پر تصاویر دیکھ کر اندر داخل ہونا گوارا نہیں کیا حالانکہ اس تصویر کا سایہ نہیں تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کون مدینہ میں جائے گا تاکہ وہاں کوئی بت ہو تو اسے توڑ دے اور کوئی تصویر ہو تو اسے مٹا ڈالے۔“ لہذا اس بات میں کوئی شک نہیں تصویر کشی واقعی حرام ہے۔

حافظ ابن حجر اس حدیث (ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة) کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اس سے پتہ چلتا ہے ہر قسم کی تصویر بنانا حرام ہے چاہے اس کا سایہ ہو یا نہ ہو۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ تصویر کشی سے متعلقہ احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ تصویر کشی حرام ہے اور تمام مصورین دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ تصویر کپڑے پر بنائی گئی ہو یا کسی اور جگہ پر کیونکہ تصویر کا لفظ (فوٹو) پر صادق آتا ہے۔“ نیل الاوطار: ۲/۱۰۸۔

اہل علم کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تصویر بنانا حرام ہے چاہے وہ کسی قسم کی بھی ہو اور جہاں بھی بنائی گئی ہو۔ اسی طرح فوٹو گرافی جو کیمرہ کے ذریعے کی جاتی ہے وہ بھی حرام ہے۔ دیکھیے (اعلام بنقذ کتاب الحلال والحرام: ۴۴)۔

❁ الجواب الشافی فی اباحۃ التصوير الفوتوغرافی۔

معاملہ میں خواہ وہ کسی قسم کی ہوشدت برتا ہے اور اس کو مکروہ خیال کرتا ہے یہاں تک کہ فوٹو گرافی کو بھی۔ تاہم یہ گروہ بھی مجبوری کی صورت میں یا ضرورت و مصلحت کی بنا پر تصویر کے جواز کا قائل ہے، مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں لگائی جانے والی تصویریں، مشتبہ افراد کی تصویریں اور ایسی تصویریں جو توضیح وغیرہ کی غرض سے استعمال کی جائیں۔ اس قسم کی تصاویر سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ عقیدہ کی خرابی کا کوئی اندیشہ محسوس ہوتا ہے۔ ان کے استعمال کی ضرورت کپڑوں کے نقوش کی بہ نسبت جس کو نبی ﷺ نے حرمت سے مستثنیٰ کیا تھا، زیادہ شدید اور اہم ہے۔ ❁

تصویر کا مقصد

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تصویر کے مقصد کو حرمت وغیرہ کے احکام میں کافی دخل ہے اور کوئی مسلمان ایسی تصویر کے حرام ہونے کی مخالفت نہیں کرے گا جس کا مقصد اسلام کے عقائد، اس کی شریعت اور اس کے آداب کے خلاف ہو۔ پس عورتوں کی عریاں اور نیم عریاں تصویریں اور نسوانیت کی خصوصیات رکھنے والے اور جن سے فتنہ کا اندیشہ ہو سکتا ہے ایسے اعضا کو نمایاں کرنا اور ان کے خاکے اور تصویریں شہوانی ہیجان پیدا کرنے والی سفلی جذبات کو بھڑکانے والی شکلوں میں بنانا جیسا کہ اس کا مظاہرہ رسائل و اخبارات اور سینما گھروں میں کھلے بندوں ہو رہا ہے تو ان تمام چیزوں کے حرام ہونے میں اور اس قسم کی تصویر سازی کی ممانعت میں ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی اشاعت کرنا، ان کو محفوظ رکھنا اور گھر، دفاتر وغیرہ مقامات پر ان کی نمائش کرنا اور دیواروں پر انہیں آویزاں کرنا نیز قصداً ایسی تصویروں کو دیکھنا اور ان کا مشاہدہ کرنا سب

❁ مصنف نے اس حدیث (الارقمأ فی ثوب) سے استدلال کیا ہے کہ وہ تصاویر جو کپڑے وغیرہ پہنی ہوں اور ان کی تعظیم وغیرہ نہ ہو تو وہ جائز ہے۔ مصنف کا یہ استدلال ہرگز جائز نہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں اس سے مراد غیر جاندار کی تصویر ہے۔ شرح مسلم: ۸۵/۴۱۱۔ ابن باز فرماتے ہیں۔ یہ استثناء تو فرشتوں کے دخول سے منع والی تصاویر میں ہے نہ کہ مطلق تصویر کشی جائز ہے اور اس سے یہ مراد ہے اگر تصویر کپڑے وغیرہ پہ ہو اور اس کو توہین آمیز رویہ سے استعمال کیا گیا ہو تو یہ مستثنیٰ ہے جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو پھاڑنے کا حکم ہے۔ دیکھئے

حرمت میں داخل ہے۔

یہی معاملہ کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تصویروں کا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس قماش قسم کے لوگوں کی تصویریں بنائے یا ان کو محفوظ رکھے۔ مثلاً ملحد لیڈروں کی جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں یا بت پرست کی جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یا یہودیوں اور نصرانیوں کی جو محمد ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں یا ایسے لوگوں کی جو اسلام کے مدعی تو ہیں لیکن اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے بے نیاز ہو کر فیصلے کرتے ہیں یا سماج میں بے حیائی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ جیسے ایکٹر، ایکٹریس، گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں وغیرہ۔

اور یہی حکم ان تصویروں کا ہے جو بت پرستی کی نمائندگی کرتی ہیں یا مذہبی شعائر کی حیثیت رکھتی ہیں جنہیں اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا، مثلاً بت، صلیب وغیرہ کی تصویریں غالباً عہد رسالت میں بیشتر فرش، پردے اور تکیے اسی قسم کی تصاویر اور نقش و نگار کے ہوتے تھے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَالِيبُ إِلَّا

نَقْضَهُ.)) ❁

”نبی ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں رہنے دیتے تھے جس پر صلیب

کی تصویر ہو۔ اگر ایسی کوئی چیز ہوتی تو اسے توڑ کر رکھ دیتے۔“

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ الرَّسُولَ ﷺ فِي عَامِ الْفَتْحِ لَمَّا رَأَى الصُّورَ الَّتِي فِي الْبَيْتِ

الْحَرَامِ لَمْ يَدْخُلْ حَتَّى أَمَرَ فَمُحِيتُ.)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم الحدیث: ۵۹۵۲؛ سنن ابی داؤد،

کتاب اللباس، باب ماجاء فی الصلیب فی الثوب، رقم الحدیث: ۴۱۵۱؛ مسند احمد، بن حنبل،

۵۲/۶، رقم الحدیث: ۲۴۲۶۷۱۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ

﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ رقم الحدیث: ۳۳۵۲؛ مسند احمد بن حنبل ۱/۳۶۵، رقم

الحدیث: ۳۴۵۵۔ صحیح ابن حبان، ۱۳/۱۷۱، رقم الحدیث: ۵۸۶۱۔

”رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں تو اس میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حکم دیا اور تصویریں مٹا دی گئیں۔“

اس میں شک نہیں کہ یہ ایسی تصویریں تھیں جو مشرکین مکہ کی بت پرستی اور ان کی قدیم گمراہی کی نمائندگی کرتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي جَنَازَةِ فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَنْطَلِقُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَا يَدْعُ بِهَا وَثْنًا إِلَّا كَسْرَهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّاهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَحَهَا، فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ فَهَابَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ..... وَأَنْطَلَقَ الرَّجُلُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَمْ أَدْعُ بِهَا وَثْنًا إِلَّا كَسْرَتُهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَحْتُهَا. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَادَ إِلَى شَيْءٍ مِّنْ هَذَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيَّ مُحَمَّدٌ ﷺ.))

”رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون مدینہ میں یہ خدمت انجام دیتا ہے؟ کسی بت کو توڑے بغیر، کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہ چھوڑے۔ ایک شخص نے کہا: میں یا رسول اللہ! راوی کا بیان ہے کہ مدینہ والے اس حکم سے خوفزدہ ہو گئے..... وہ شخص چلا گیا اور پھر واپس آ کر اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے مدینہ میں کسی بت کو

❖ [اسنادہ ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۸۷/۱، رقم الحدیث: ۶۵۸؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۷۲/۵، ۱۷۳، رقم الحدیث: ۸۸۸۷ باب ماجاء فی التماثل والصور (جبکہ صحیح مسلم، میں اس کا شاہد ان الفاظ میں ہے) عن ابی الہیاج الاسدی قال: قال لی علی: ابعتک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ؟ أن لاتدع تماثلاً إلا طمسته ولا قبراً مشرفاً إلا سويته) صحیح مسلم، کتاب الجنائز باب الأمرینویۃ القبر، رقم الحدیث: ۹۶۹؛ سنن ابی داؤد کتاب الجنائز، باب فی تسویۃ القبر، رقم الحدیث: ۳۲۱۸۔

توڑے بغیر، کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مسخ کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان میں سے کسی چیز کا دوبارہ مرتکب ہو گا وہ اس ہدایت کا منکر ہوگا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔“

یہ تصاویر جن کو ایک پیغمبر نے مسخ کرنے اور مٹانے کا حکم دیا، زمانہ جاہلیت کی بت پرستی کے مظاہر میں سے ہونے کے علاوہ ان کی اور کیا حقیقت ہو سکتی ہے؟ اس لیے آپ ﷺ نے چاہا کہ مدینہ کو اس کے آثار سے پاک کر دیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے دوبارہ ارتکاب کو اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے کفر کرنے کے ہم معنی قرار دیا۔

تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ

تصویر اور مصور سے متعلق احکام کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) حرمت اور گناہ میں سب سے زیادہ شدید تصویریں معبودانِ غیر اللہ کی ہیں۔ مثلاً نصاریٰ کے معبود حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر۔ اس قسم کی تصویر بنانا کفر کا موجب ہے، اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے قصداً ایسی تصویر بنائے۔ ایسی تصویروں کے مجسمے اشد گناہ کا کام اور بدترین منکر ہیں۔ اور جو شخص بھی ان تصویروں کو رواج دے یا کسی نہ کسی طریقہ پر ان کی تعظیم کرے وہ اپنے حصہ کے بقدر اس گناہ میں شریک ہے۔

(ب) اور گناہ میں اس سے قریب تر وہ شخص ہے جو کسی ایسی چیز کی تصویر بنائے جس کی پرستش نہیں کی جاتی لیکن اس سے مقصود اللہ کی تخلیق کی مشابہت ہو یعنی وہ یہ دعویٰ

مصنف کی بات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ زمانہ جاہلیت ابھی قریب قریب ختم ہوا تھا اور لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا خدشہ تھا۔ ہم محترم مؤلف سے پوچھتے ہیں کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ بلکہ دلائل تو ان کے اس بے بنیاد دعوے کو رد کر رہے ہیں۔ ہمارے بیان کردہ دلائل تمام اور مطلق ہیں کہ تصویر کشی حرام ہے اس کا کسی علاقے یا وقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں قدیم علماء محققین کے علاوہ موجودہ دور کے عظیم محقق احمد شاہ کہتے ہیں: ”ہم اپنے زمانہ کے بعض نامور اہل علم کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس فتح اور مذموم فعل کو جائز قرار دے دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کو جائز قرار دینے کے لئے ایسی علتیں بیان کی ہیں جن کا اس حکم کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں بنتا۔“ دیکھئے تفصیل (اعلام بنقد کتاب الحلال و الحرام: ۵۲)۔

کرے کہ وہ بھی اللہ ہی کی طرح تخلیق و ایجاد کا کام کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن اس کا تعلق صرف مصور کی نیت سے ہے۔

(ج) اس سے کم تر درجہ کا گناہ یہ ہے کہ ایسی شخصیتوں کے مجسمے بنائے جائیں جن کی پرستش تو نہیں کی جاتی لیکن تعظیم کی جاتی ہے، جیسے بادشاہ، قائد، لیڈر وغیرہ جن کی یادگار میدانوں وغیرہ میں مجسمے نصب کر کے قائم کی جاتی ہے۔ اور مجسمہ کے کامل یا نصف ہونے سے گناہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(د) اور اس سے بھی کمتر درجہ میں ایسے اشخاص کے مجسمے ہیں جن کی تقدیس و تعظیم نہیں کی جاتی اس کی حرمت پر بھی اتفاق ہے، البتہ جن کی بے وقعتی کی جاتی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بچوں کے کھلونے اور مٹھائی کے مجسمے جو کھائے جاتے ہیں۔

(ه) اس کے بعد غیر مجسم تصویروں کا درجہ ہے یعنی فنی تصویریں ان شخصیتوں کی جن کی تعظیم کی جاتی ہے، جیسے حاکموں اور لیڈروں وغیرہ کی تصویریں، خاص طور سے جبکہ وہ نصب یا آویزاں کر دی گئی ہوں۔ ان کی حرمت اور شدید ہو جاتی ہے جبکہ یہ تصویریں ظالموں، فاسقوں اور ملحدوں کی ہوں، کیونکہ ان کی تعظیم اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

(و) اور گناہ کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر درجہ کی وہ تصویریں ہیں جو مجسم نہ ہوں اور ان ذوی الارواح کی ہوں جن کی تعظیم نہیں کی جاتی لیکن وہ عیش پرستی کے مظاہر میں سے ہوں، مثلاً اس قسم کی تصویروں والے پردہ سے دیوار وغیرہ کو آراستہ کرنا جو کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(ز) جہاں تک غیر ذوی الارواح کی تصویروں کا تعلق ہے مثلاً کھجور وغیرہ کے درخت، دریا جہاز، پہاڑ وغیرہ قدرتی مناظر کی تصویریں تو ان کو بنانے اور محفوظ کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ طاعت سے غافل نہ کر دیں یا تعیش کا باعث نہ بنیں، بصورت دیگر ایسی تصویریں مکروہ ہیں۔

(ح) رہی عکسی تصویر یعنی فوٹو تو یہ اصلاً مباح ہے، بشرطیکہ اس سے حرام چیز مقصود نہ ہو مثلاً جس شخص کا فوٹو ہے اس کا مذہبی تقدس یا دنیوی تعظیم، خصوصاً جبکہ وہ شخص کافر و فاسق ہو مثال کے طور پر وہ شخص بت پرست ہو یا کیمونسٹ ہو یا گمراہ فن کار ہو۔

(ط) اور آخری بات یہ ہے کہ حرام مجسموں اور تصویروں کو جب مسخ کر دیا جائے یا بے وقعت اور حقیر بنا دیا جائے تو وہ دائرہ حرمت سے نکل کر دائرہ حلت میں آ جاتی ہیں۔ مثلاً فرش کی تصویریں جنہیں پیر اور جوتے وغیرہ پامال کرتے رہتے ہیں۔

بلا ضرورت کتے پالنا

نبی ﷺ نے بلا ضرورت گھر میں کتے پالنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ ہم نے ایسے عیش پرستوں کو دیکھا ہے جو کتوں پر تو خوب خرچ کرتے ہیں لیکن انسان کی اولاد پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں، اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے کتے کے ناز و ادا پر مال خرچ کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان سے جذباتی وابستگی بھی پیدا کر لیتے ہیں جبکہ وہ اپنے اقربا سے بے رخی برتتے ہیں اور اپنے پڑوسی اور بھائی کو بھول جاتے ہیں۔

مسلمان کے گھر میں اگر کتا ہو تو اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ وہ برتنوں وغیرہ کو چاٹ کر نجس بنا کر نہ رکھ دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنْاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ،

إِحْدَاهُنَّ بِالتُّرَابِ))^❶

”جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اسے چاہئے کہ برتن کو سات مرتبہ

دھوئے۔ ان میں سے ایک مرتبہ مٹی لگا کر دھولے۔“

بعض علما نے ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کتا مہمان پر بھونکتا ہے، سائل کو خوف زدہ

کرتا ہے اور وہ راہ چلنے والے کو اذیت پہنچاتا ہے۔

❶ صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم، رقم الحديث: ۱۷۲؛

صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب حکم ولوغ الكلب، رقم الحديث: ۲۷۹؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۲۸۷/۱، باب فی السنور والکلب، رقم الحديث: ۱۵۸۷۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((اتَانِي جَبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِي اتَيْتِكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَائِيلٌ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامٌ سَتْرٌ فِيهِ تَمَائِيلٌ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ، فَمُرُّ بِرَأْسِ التَّمْثَالِ الَّذِي فِي الْبَيْتِ يُقَطَّعُ فَيَصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرُّ بِالسَّتْرِ فَلْيُقَطَّعْ فَيَجْعَلْ مِنْهُ وَسَادَتَانِ تُوْطَانِ وَمُرُّ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرِجْ.)) ❁

”میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا: گزشتہ شب میں آیا تھا لیکن گھر میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ دروازہ پر مجسمہ تھا اور گھر میں تصویروں والا پردہ تھا اور گھر میں کتا بھی تھی۔ لہذا جو مجسمہ گھر میں ہے اس کا سر آپ اس طرح کٹوادیتجیے کہ وہ درخت کی شکل میں رہ جائے۔ اور پردہ پھاڑ کر تکیے بنا لیجیے جن کو پامال کیا جائے اور کتے کو گھر سے باہر نکلوادیتجیے۔“

ممانعت کا یہ حکم ان کتوں کے بارے میں ہے جن کو بلا ضرورت اور بے فائدہ پالا جائے۔

شکار اور حفاظت کے لیے کتوں کا جواز

جو کتے کسی ضرورت سے پالے جائیں مثلاً شکاری کتے یا کھیت اور مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کرنے والے کتے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ زُرْعٍ أَوْ مَاشِيَةٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلِّ يَوْمٍ قِيرَاطًا.)) ❁

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور، رقم الحدیث: ۴۱۵۸؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء أن الملائكة لا تدخل بیتاً، رقم الحدیث: ۲۸۰۶؛ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب ذکر أشد الناس عذاباً، رقم الحدیث: ۵۳۶۷۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب اقتناء الكلب للحرث، رقم الحدیث: ۲۳۲۲؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب، رقم الحدیث: ۱۵۷۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصيد، باب اتخاذ الكلب للصيد وغيره، رقم الحدیث: ۲۸۴۴۔

”جو شخص کتاب پالتا ہے اس کا اجر روزانہ ایک قیراط کم ہو جاتا ہے الا یہ کہ شکاریا کھیتی یا مویشیوں کے لیے پالا جائے۔“

اس حدیث سے بعض فقہانے یہ استدلال کیا ہے کہ کتاب پالنے کی ممانعت کراہت کے حکم میں ہے نہ کہ حرمت کے حکم میں، کیونکہ اگر کتاب پالنا حرام ہوتا تو ہر حال میں اس سے احتراز کرنا پڑتا خواہ اجر میں کمی واقع ہو یا نہ ہو۔

گھر میں کتاب پالنے کی جو ممانعت کر دی گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کتوں کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کیا جائے یا ان کو ختم کر کے رکھ دیا جائے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَوْ لَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِّنَ الْأُمَّمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا.)) ❁

”اگر کتے بھی ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنے کا حکم دیتا۔“

اس حدیث کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس مہتمم بالشان حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَالِكُمْ ط﴾ ❁

”زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح ایک امت نہ ہو۔“

اور نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس شخص کا قصہ سنایا جس نے صحرا میں ایک کتے کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے کچھڑ چاٹ رہا تھا۔ وہ شخص دوڑتا ہوا کنوئیں پر گیا اور اپنے موزہ میں پانی بھر کر لایا اور کتے کو پلا دیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ اس قصہ کو

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الصيد، باب فی اتخاذ الكلب للصيد وغيره، رقم الحدیث:

۲۸۴۵؛ جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی قتل الكلاب، رقم الحدیث: ۱۴۸۶؛

سنن النسائی، کتاب الصيد، باب صفة الكلاب التي امر بقتلها، رقم الحدیث: ۴۲۸۵؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الصيد، باب النهی عن إقتناء الكلب، رقم الحدیث: ۳۲۰۵۔

❁ ۶/ الانعام: ۳۸۔

سنا کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا۔ ❁

کتابالنا علم جدید کی رو سے

ہمیں اپنے ملک میں اکثر ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوتے ہیں اور اپنے کو رحمدل، انسانیت نواز اور ہر جاندار مخلوق کے حق میں مہربان خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے کس طرح ایک ایسے جانور سے باز رکھا ہے جو سنجیدہ، مانوس اور امانت دار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم ٹھوس علمی مقالہ پیش کرنا چاہتے ہیں جسے ایک جرمن اسکالر نے لکھا ہے جو ایک جرمن رسالہ میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالہ میں ان اہم خطرات کو بیان کیا گیا ہے جو کتے کو پالنے یا اس کے قریب رہنے کی صورت میں لاحق ہوتے ہیں:

”گزشتہ چند برسوں میں لوگوں کے اندر کتابالنے کا شوق کافی بڑھ گیا ہے، جس کے پیش نظر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ لوگوں کی توجہ ان خطرات کی طرف مبذول کرائی جائے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ لوگ کتابالنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ خوش طبعی بھی کرنے لگتے ہیں اور اس کو چومتے بھی ہیں، نیز اس کو اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ چھوٹوں اور بڑوں کے ہاتھ چاٹ لے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچا ہوا کھانا کتوں کے آگے اپنے کھانے کی پلیٹوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ عادتیں ایسی معیوب ہیں کہ ذوق سلیم ان کو قبول نہیں کرتا اور یہ شائستگی کے خلاف ہیں۔ مزید برآں یہ صحت و نظافت کے اصول کے بھی منافی ہے۔

طبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کتے کو پالنے اور اس کے ساتھ خوش طبعی کرنے سے جو خطرات انسان کی صحت اور اس کی زندگی کو لاحق ہوتے ہیں ان کو معمولی خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں کو اپنی نادانی کی بھاری

❁ صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء، رقم الحدیث: ۲۳۶۳؛ صحیح مسلم،

کتاب السلام، باب فضل سقی البهائم المحترمة و إطعامها، رقم الحدیث: ۲۲۴۴۔

قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتوں کے جسم پر ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو دائمی اور لاعلاج امراض کا سبب بنتے ہیں بلکہ کتنے ہی لوگ اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔

اس جراثیم کی شکل فیتہ کی ہوتی ہے اور یہ انسان کے جسم پر پھنسی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ گو اس قسم کے جراثیم مویشیوں اور خاص طور سے سوروں کے جسم پر بھی پائے جاتے ہیں لیکن نشوونما کی پوری صلاحیت رکھنے والے جراثیم صرف کتوں کے جسم پر ہوتے ہیں۔

یہ جراثیم گیدڑ اور بھیڑیے کے جسم پر بھی ہوتے ہیں لیکن بلیوں کے جسم پر شاذ ہی ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم دوسرے فیتہ والے جراثیم سے مختلف ہوتے ہیں اور اتنے باریک ہوتے ہیں کہ دکھائی دینا مشکل ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ چند سالوں ہی میں کچھ معلومات ہو سکی ہیں۔“

مقالہ نگار آگے لکھتا ہے:

”یہ جراثیم انسان کے جگر میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہاں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ اکثر پھیپھڑے، عضلات، تلی، گردہ اور سر کے اندرونی حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بہت کچھ بدل جاتی ہے، یہاں تک کہ خصوصی ماہرین کے لئے بھی ان کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔

بہر حال اس سے جو زخم پیدا ہوتا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ میں پیدا ہو، صحت کے لیے سخت مضر ہے۔ ان جراثیم کا علاج اب تک دریافت نہیں کیا جا سکا ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ ہم تمام ممکنہ وسائل کے ساتھ اس لاعلاج بیماری کا مقابلہ کریں اور انسان کو اس کے خطرات سے بچائیں۔

جرمن ڈاکٹر نولر کا بیان ہے کہ کتے کے جراثیم سے انسان پر جو زخم ابھرتے ہیں ان کی تعداد ایک فی صد سے کسی طرح کم نہیں ہے اور بعض ممالک میں تو بارہ فی صد تک اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں..... اس مرض کا مقابلہ کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان جراثیم کو کتوں تک ہی رہنے دیا جائے اور

انہیں پھینے نہ دیا جائے.....

انسان اگر اپنی صحت کو محفوظ اور اپنی زندگی کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو اسے کتوں کے ساتھ خوش طبعی نہیں کرنا چاہیے، انہیں قریب آنے سے روکنا چاہیے، بچوں کو ان کے ساتھ گھل مل جانے سے باز رکھنا چاہیے۔ کتوں کو ہاتھ چاٹنے کے لیے چھوڑ نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کو بچوں کے کھیل کود اور تفریح کے مقامات میں رہنے اور وہاں گندگی پھیلانے کا موقع دینا چاہیے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کتوں کی بڑی تعداد بچوں کی ورزش گاہوں میں پائی جاتی ہے.....

اسی طرح ان کے کھانے کے برتن الگ ہونے چاہئیں۔ انسان اپنے کھانے کے لیے جو پلیٹیں وغیرہ استعمال کرتا ہے ان کو کتوں کے آگے چاٹنے کے لیے نہ ڈال دیا جائے اور نہ ان کو بازاروں اور ہوٹلوں وغیرہ میں داخل ہونے دیا جائے۔ غرضیکہ پوری احتیاط سے کام لے کر ان کو کھانے پینے کی تمام چیزوں سے دور رکھا جائے۔“

اس بیان کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ حضرت محمد ﷺ نے کتوں کے ساتھ گھل مل جانے سے جو روکا ہے وہ کس قدر بڑی برحقیقت ہے! آپ ﷺ نے کھانے پینے کے برتنوں میں کتے کے منہ ڈالنے سے احتراز کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے نیز بلا ضرورت کتا پالنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ غور کیجئے۔ اس میں کتنی عظیم مصلحت پوشیدہ ہے!

ایک اُمی ﷺ کی تعلیمات جدید علمی و طبی تحقیقات سے آج کس قدر ہم آہنگ ہو رہی ہیں! اس حقیقت کو دیکھ کر بے تحاشا ہماری زبان پر قرآن کریم کے یہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۗ﴾ ﴿١﴾

”وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔“

کسب اور پیشہ

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَأَمْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا
وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ط﴾ ❁

”وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر رکھا ہے تاکہ تم اس کے کندھوں
پر چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ۔“

یہ ہے اسلام کا اصول۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے مسخر کیا ہے
لہذا اس نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے پہلوؤں میں اللہ کے فضل کے طالب بن کر
دوڑ دھوپ کرنا چاہیے۔

جو شخص کام کی قدرت رکھتا ہو اس کا بیٹھے رہنا حرام ہے

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ عبادت کے لیے یکسوئی یا اللہ پر توکل کے نام
سے طلبِ رزق سے بے پرواہ ہو جائے۔ کیونکہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش
ہونے والی نہیں۔

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ صدقات کے بھروسہ پر بیٹھ جائے جبکہ ایسے
ذرائع میسر ہوں جن کو اختیار کر کے وہ اپنے معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکتا ہے نیز
اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام ﷺ
نے فرمایا ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيِّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ)) ❁

”صدقہ کسی غنی کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے لیے جو توانا

اور تندرست ہو۔“

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب من يعطى من الصدقة، رقم الحديث: ۱۶۳۴

جامع ترمذی، کتاب الزکاة، باب ماجاء من لا تحل له الصدقة، رقم الحديث: ۶۵۲؛ سنن النسائی،

کتاب الزکاة باب إذالم یکن له دراهم وکان له عدلها، رقم الحديث: ۲۵۹۸۔

❁ ۶۷/الملک: ۱۵۔

نبی ﷺ نے اس بات کی سخت مذمت فرمائی ہے اور حرام ٹھہرایا ہے کہ ایک مسلمان لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے جس کے نتیجے میں اس کے چہرہ کی رونق غائب ہو جائے اور اپنی انسانیت و شرافت کو بلا ضرورت مجروح کر کے رکھ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الَّذِي يَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ كَمَثَلِ الذِّي يَلْتَقِطُ الْجَمْرَ.)) ❁

”جو شخص بلا ضرورت مانگتا ہے وہ گویا اپنے ہاتھ میں انکارے چتا ہے۔“

اور فرمایا:

((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ يَشْرِي بِهِ مَالَهُ كَانَ خَمُوشًا فِي وَجْهِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَرِضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ، فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلِّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ.)) ❁

”جس نے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیا تا کہ وہ مالدار ہو جائے وہ اپنے چہرہ کو قیامت تک کے لیے مجروح کر دیتا ہے اور جہنم کے گرم پتھر کھائے گا۔ اب جو شخص چاہے اپنے لیے یہ چیزیں زیادہ مقدار میں فراہم کرے یا کم مقدار میں۔“

نیز فرمایا:

((لَا تَزَالُ الْمَسْأَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَ لَيْسَتْ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةٌ لَحْمٍ.)) ❁

❁ [صحیح] شعب الایمان للبیہقی، ۲۷۱/۳، رقم الحدیث: ۳۵۱۷ واللفظ له؛ مسند احمد بن حنبل ۱۶۵/۴، رقم الحدیث: ۱۷۵۰۸؛ شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۳۰۶۔ صحیح ابن خزیمہ، باب التغلیظ فی مسألة الغنی من الصدقة، رقم الحدیث: ۲۴۴۶۔

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب الزکاة، باب جاء من لا تحل له الصدقة، رقم الحدیث: ۶۵۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب من يعطى من الصدقة، رقم الحدیث: ۱۶۲۹؛ سنن ابن ماجه، کتاب الزکاة، باب من سأل عن ظهر غنی، رقم الحدیث: ۱۸۳۸۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب من سأل الناس تكثرا، رقم الحدیث: ۱۴۷۴؛ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب كراهية المسألة للناس، رقم الحدیث: ۱۰۴۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۵/۲، رقم الحدیث: ۴۶۳۸؛ شرح السنة للبقوی، ۱۱۹/۶، رقم الحدیث: ۱۶۲۲۔

”جو شخص اپنے کو مانگنے کا عادی بنا لے وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی کوئی بوٹی نہ ہوگی۔“

اس انجامِ بد سے بچانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے مسلمان کی عزت کا تحفظ فرمایا ہے اور اس کے اندر استعفاف، خود اعتمادی اور مانگنے سے احتراز جیسے اوصاف کی پرورش کا سامان کیا ہے۔

سوال کرنا کب جائز ہے

لیکن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی ضرورتوں اور مجبوریوں کا پورا پورا لحاظ فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص سوال کرنے اور حکومت یا افراد سے اعانت طلب کرنے کے لیے مجبور ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((انَّمَا الْمَسْأَلُ كُدُوحٌ يَكْدَحُ الرَّجُلُ بِهَا وَجْهَهُ ، فَمَنْ شَاءَ أَبْقَى عَلَى وَجْهِهِ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ ذَا سُلْطَانٍ أَوْ فِي أَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا.))¹

”سوال کرنا خراش کے ہم معنی ہے۔ جو شخص سوال کرتا ہے وہ اپنے چہرہ کو نوچتا ہے۔ لہذا جو شخص چاہے اپنے چہرہ کو اس حال میں رکھے اور جو چاہے ترک کر دے۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی صاحبِ اقتدار سے مانگنا پڑے یا کسی ایسے معاملہ میں سوال کرنا پڑے جو بالکل ناگزیر ہو۔“

ابو بشر قبیسہ بن المخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَسْأَلُهُ فِيهَا فَقَالَ: أَقِمُّ حَتَّى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرُكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةَ إِنَّ

¹ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب ما تجوز فیہ المسألة، رقم الحدیث: ۱۶۳۹؛

جامع ترمذی، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی النهی عن المسألة، رقم الحدیث: ۶۸۱؛ سنن النسائی،

کتاب الزکاة، باب مسألة الرجل ذا سلطان، رقم الحدیث: ۲۶۰۰۔

الْمَسَائِلَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدٍ ثَلَاثَةً، رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ
لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ
اجْتَا حَتَّى مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قَوْمًا مِنْ عَيْشٍ،
وَ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُولَ ثَلَاثَةً مِنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ
لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قَوْمًا
مِنْ عَيْشٍ..... فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةَ سُحَّتْ يَأْكُلُهَا
صَاحِبُهَا سُحْتًا.)) ❁

”میں نے ایک معاملہ میں ضمانت کی ذمہ داری قبول کر لی تھی اس لیے میں
نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال پیش کر دیا۔
آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہرو۔ صدقہ کا مال آجائے تو ہم تمہیں دلوا دیں گے۔
پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا جائز نہیں ہے بجز تین اشخاص کے۔ ایک وہ
شخص جو کسی کے لیے ضمانت کی ذمہ داری قبول کر لے۔ ایسے شخص کے لیے
سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اسے مطلوبہ مال حاصل نہ ہو جائے۔ اس
کے بعد اسے رک جانا چاہیے۔ دوسرا وہ شخص جس کا مال کسی مصیبت میں مبتلا
ہو یہاں تک کہ اس کے محلہ کے تین سمجھ دار لوگ یہ کہہ دیں کہ فلاں شخص فاقہ
زدہ ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ گزر
بسر کی چیزیں اسے فراہم نہ ہو جائیں۔ ان کے ماسوا جو شخص سوال کرتا ہے تو
یہ حرام کا مال ہے جسے وہ کھاتا ہے۔“

❁ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب من تحل له المسألة، رقم الحدیث: ۱۰۴۴؛ سنن
ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب ما تجوز فيه المسألة، رقم الحدیث: ۱۶۴۰؛ مسند احمد
بن حنبل، ۳/۴۷۷، رقم الحدیث: ۱۵۹۱۶۔

کام کرنا باعث عزت ہے

بعض لوگ کچھ کاموں کو معیوب خیال کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور اپنے اصحاب کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ عزت اور کامل عزت کام کرنے میں ہے خواہ وہ کوئی کام ہو، اور ذلت و خست لوگوں کی اعانت پر تکیہ کرنے میں ہے۔ فرمایا ہے:

((لَا نَ يَأْخُذُ أَحَدَكُمْ حَبْلُهُ فَيَأْتِي بِحُرْمَةٍ حَطَبٍ عَلَى ظَهْرِهِ
فَيَبِيعُهَا فَيَكْفُ اللَّهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ
مَنْعَوْهُ.)) ❁

”کسی شخص کا رسی لے کر جانا اور لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لانا اور اسے بیچ دینا کہ اللہ اس کے ذریعہ اس کی آبرو کو بچالے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور پھر لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔“

زراعت کے ذریعہ روزی کمانا

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسان پر اپنے فضل و احسان کا ذکر فرماتے ہوئے وہ اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں جو زراعت کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ اگانے اور پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتی ہے اور اسے فرش بنا دیا ہے جو مخلوق کے لیے ایک نعمت ہے۔ اس نعمت کو یاد رکھنا اور اس کی قدر کرنا نہایت ضروری ہے۔

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَا جَاءَ﴾

”اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر

چلو۔“ ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب الاستغفار عن المسألة، رقم الحدیث: ۱۴۷۱۔

صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب کراهة المسألة للناس، رقم الحدیث: ۱۰۴۲؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب الزکاة، باب کراهية المسألة، رقم الحدیث: ۱۸۳۶۔ ❁ ۷۱/نوح: ۲۰، ۱۹۔

﴿وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۗ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۗ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۗ فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبُونَ﴾ ﴿١٠﴾
 ”اور زمین کو اس نے مخلوقات کے لیے بنایا۔ اس میں پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں غلاف والے، غلہ ہے بھوسہ والا اور پھول ہیں خوشبودار۔ پھر تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کا انکار کرو گے؟“

اور پانی کو اللہ تعالیٰ نے بارش کی صورت میں اتارا اور اس کی نہریں جاری کیں۔ اس سے وہ مردہ زمینوں کو زندگی بخشا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۗ﴾ ﴿١١﴾
 ”وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی نباتات اگائیں پھر اس سے سرسبز شاخیں پیدا کیں جن سے ہم تہ برتہ دانے نکالتے ہیں۔“

اور ہواؤں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے جس سے بادل چلنے لگتے ہیں اور نباتات بار آور ہوتی ہیں:

﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ۗ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۗ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۗ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ ۗ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۗ﴾ ﴿١٢﴾

”اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تناسب کے ساتھ اگائیں اور تمہاری معیشت کا سامان بھی رکھا اور ان کی معیشت کا بھی جن کو تم رزق نہیں دیتے۔ ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس

موجود ہیں اور اسے ہم مقررہ انداز کے ساتھ ہی اتارتے ہیں، اور ہواؤں کو ہم بار آور بنا کر بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں، ورنہ تم اس کے ذخیرہ کو جمع نہیں کر سکتے تھے۔“

ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زراعت کی نعمت اور اس کے سہل الحصول ذرائع کی طرف انسان کو متوجہ فرمایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ وَلَا إِنْسَانٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ)) ❁

”جو مسلمان بھی پودا لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس میں سے پرندے یا انسان جو کچھ کھا لیتے ہیں وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔“

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ثواب جاری رہتا ہے جب تک کہ پودا یا کھیتی سے کھانے وغیرہ کا فائدہ اٹھایا جاتا رہے اگرچہ پودا لگانے والا یا کھیتی کرنے والا مر چکا ہو یا اس کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہو گئی ہو۔

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی سے یہ بعید نہیں کہ وہ ایسے شخص کو اس کے مرنے کے بعد بھی ثواب سے نوازتا رہے جس طرح اس کی زندگی میں نوازتا رہا ہے، یعنی چھ باتوں کے سلسلہ میں۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسرے نیک اولاد جو اپنے والد کے لیے دعا کرے، چوتھے پودا، پانچویں کھیتی اور چھٹے پاسبانی یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں سرحد وغیرہ کی حفاظت کرنا۔

روایت ہے کہ ایک شخص کا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ اخروٹ کا پودا لگا رہے تھے۔ اس شخص نے کہا: آپ بڑھاپے میں اخروٹ کا پودا لگا رہے ہیں! اس کو

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث باب فضل الزرع والغرس، رقم الحدیث: ۲۳۲۰؛ صحیح مسلم،

کتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، رقم الحدیث: ۱۵۵۳؛ جامع ترمذی، کتاب الأحکام،

باب ماجاء فی فضل الغرس، رقم الحدیث: ۱۳۸۲۔

پھل لانے میں تو کئی سال لگ جاتے ہیں..... ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس میں کیا حرج ہے کہ میں اجر کماؤں اور دوسرے لوگ اسے کھائیں؟“ ❁

اور ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((مَنْ نَصَبَ شَجْرَةً فَصَبَرَ عَلَى حِفْظِهَا وَالْقِيَامِ عَلَيْهَا حَتَّى تَثْمُرَ فَإِنَّ لَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُصَابُ مِنْ ثَمَرِهَا صَدَقَةٌ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ❁

”جس نے درخت لگایا پھر اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ درخت پھل لے آیا تو اس کے پھلوں کا جو نقصان بھی ہوگا اس کا اجر اللہ عزوجل کے پاس اسے ملے گا۔“

ان احادیث سے اور اس قسم کی دوسری احادیث سے بعض علما نے یہ استدلال کیا ہے کہ زراعت کمانے کے دیگر ذرائع سے بہتر ہے۔ لیکن دوسرے علما کہتے ہیں کہ صنعت اور دستکاری افضل ہے اور کچھ علما تجارت کو افضل بتاتے ہیں۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ مختلف حالات میں مختلف چیزیں افضل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً جب غذا کی ضرورت شدید ہو تو زراعت افضل ہوگی کیونکہ اس کا فائدہ عام ہے۔ اور جب ڈاکہ زنی وغیرہ کی وجہ سے منڈیوں میں مال کم آ رہا ہو تو تجارت افضل ہوگی، اور جب مصنوعات کی ضرورت ہو تو صنعت افضل ہوگی۔

اخیر میں جو تفصیل بیان کی گئی اس سے موجودہ اقتصادی علم ہم آہنگ ہے۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل ۶/۴۴۴، رقم الحدیث: ۶۷۵۰؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/۶۸، رقم الحدیث: ۶۲۶۷۔

❁ [اسناد ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۴/۶۱، رقم الحدیث: ۱۶۵۸۶؛ أسد الغابة لابن الأثیر، ۴/۳۵۲، رقم الترجمة: ۴۲۴۳، (فتح بن دحرج)؛ الاستیعاب لابن عبدالبر، ۳/۳۳۱، رقم الترجمة: ۲۱۱۱؛ (فتح بن دحرج)؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/۶۸، رقم الحدیث: ۶۲۶۸۔

حرام کاشتکاری

ہر وہ نباتات جس کو نوش کرنا اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے جس کا استعمال مضر ہے اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہے۔ مثلاً گانجا وغیرہ۔

اور تمباکو کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر ہمارے نزدیک تمباکو نوشی حرام ہے ”اور قول راجح یہی ہے“ تو اس کی کاشت کرنا بھی حرام ہوگا اور اگر ہمارے نزدیک وہ مکروہ ہے تو اس کی کاشت کرنا بھی مکروہ ہوگا۔

مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ حرام چیز کی کاشت اس لیے کرے کہ اسے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کر دینا ہے۔ مسلمان حرام چیز کی کبھی ترویج نہیں کرتا چنانچہ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ سوروں کی پرورش کرے تاکہ ان کو نصاریٰ کے ہاتھ بیچ دے اور اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلام نے حلال انگور بھی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا حرام ٹھہرایا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا۔

صنعت و حرفت

اسلام نے زراعت کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کی خوبیاں بھی بیان کر دی ہیں نیز اس خدمت کو باعثِ ثواب قرار دیا ہے، لیکن اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی سرگرمیاں زراعت کے لیے وقف ہو کر رہ جائیں، جس طرح سپی کا کیرا سپی کے اندر بند ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے صرف کاشتکاری پر اکتفا کرنا اور بیلوں کی دم کے پیچھے پیچھے چلتے رہنا ناپسند کیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ملت پیش آمدہ خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، اس لیے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے باعثِ ذلت قرار دیا اور زمانہ نے اس کی پوری طرح تصدیق کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعَيْنَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقْرِ وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَ تَرَكَتُمُ الْجِهَادَ، سَلَطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا

إلى دينكم.)) ❶

”جب تم عینہ کی بیج کرنے لگو گے (ایک خاص قسم کی بیج جس میں سود کی شکل پیدا ہو جاتی ہے) اور بیلوں کی دم پکڑے رہو گے۔ زراعت کو پسند کرو گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط فرمائے گا، پھر اسے دور نہیں کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔“

لہذا زراعت کے ساتھ صنعت و حرفت بھی ضروری ہے۔ ان چیزوں کے ذریعہ خوشگوار زندگی کی ضرورتیں اور ایک آزاد اور طاقتور امت نیز ایک مستحکم اور خود کفیل حکومت کے لوازمات پورے ہو سکتے ہیں۔ صنعت و حرفت اسلام کی رو سے ایک جائز خدمت ہی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ علما اور ائمہ نے کہا ہے فرض کفایہ ہے اس مفہوم میں کہ اسلامی جماعت کے اندر صنعت و حرفت اور ہر فن کو جاننے والے اتنی وافر تعداد میں ہونے چاہئیں کہ جماعت کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور وہ اپنا کام ٹھیک طریقہ سے انجام دے سکے۔ اگر صنعت و فن کے کسی گوشہ میں اس طرح کمی واقع ہو جاتی ہے کہ اس خدمت کو انجام دینے والا کوئی شخص بھی نہیں ملتا تو پوری جماعت گنہگار ہو جاتی ہے اور خاص طور سے اولوالامر اور اہل حل و عقد۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فرض کفایہ ہر وہ علم ہے جس سے انسان دنیوی معاملات میں بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جیسے طب کہ بقائے جسم کے لیے ضروری ہے اور حساب کہ معاملات اور وصیت و میراث کی تقسیم وغیرہ کے لیے ضروری ہے۔ اور یہ ایسے علوم ہیں کہ اگر کوئی شہر ان کے جاننے والوں سے خالی ہو جائے تو لوگ تکلیف میں پڑیں گے۔ اور جب کوئی شخص ان کاموں میں لگ جاتا ہے تو دوسروں پر سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں اس بات پر

❶ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی النہی عن العینۃ، رقم الحدیث: ۳۴۶۲؛

السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳۱۶/۵۔ الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ۱۹۹۸/۵؛ سلسلۃ

الاحادیث الصحیحۃ، رقم الحدیث: ۱۱۔

تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ طب اور حساب فرض کفایہ ہیں اور بنیادی نوعیت کے کام اور صنعتیں بھی فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مثلاً زمین جوتنا، کپڑے بننا، جانوروں کی دیکھ بھال کرنا بلکہ کچھنے لگانا اور سلائی کا کام کرنا بھی، اگر کوئی شہر کچھنے لگانے والوں سے خالی ہو جائے تو ہلاکت تیزی کے ساتھ لوگوں کی طرف بڑھے گی، کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اس نے دوا بھی پیدا کی ہے اور اس کے استعمال کی طرف رہنمائی بھی کی ہے نیز اس کی فراہمی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں لہذا ان کو ترک کر کے اپنے کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔“

قرآن نے کتنی ہی صنعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کا ذکر نعمت کی حیثیت سے کیا ہے مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالنَّالَةُ الْحَدِيدَ أَنْ أَعْمَلَ سَابِغَاتٍ وَقَدِرُ فِي السَّرْدِ﴾ ❁
 ”ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا کہ زرہیں بناؤ اور ان کی کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو۔“

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صِنْعَةَ لُبُوسٍ لَكُمْ لِيُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ﴾ ❁

”اور ہم نے انہیں تمہارے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھادی تھی تاکہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ کرے۔ پھر کیا تم شکر گزار ہو؟“
 اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ط وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ط وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ ط اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا ط﴾ ❁

”اور ہم نے ان کے لیے تانبہ کا چشمہ بہا دیا۔ اور ایسے جن ان کے تابع کیے جو اپنے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھاتے۔ وہ ان کے (سلیمان کے) لیے بناتے جو انہیں منظور ہوتا، اونچی عمارتیں، تصویریں، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔ اے آل داؤد، عمل کرو شا کرانہ طریقہ پر۔“

اسی طرح قرآن نے ذوالقرنین کے بلند و بالا دیوار تعمیر کرنے اور حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بہت سی سورتوں میں شکار کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً مچھلی کا شکار، آبی جانوروں کا شکار اور خشکی کے جانوروں کا شکار نیز موتی اور مرجان وغیرہ نکالنے کے لیے غوطہ لگانا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن نے لوہے کی صحیح قدر و قیمت بتادی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی، نہ کسی دینی کتاب میں اور نہ دنیوی کتاب میں۔ فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾¹

”اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔“

جس ہنر یا پیشہ سے معاشرہ کی ضرورت پوری ہوتی ہو یا اسے حقیقی فائدہ پہنچتا ہو وہ عمل صالح ہے جبکہ اس کو اختیار کرنے والا خلوص نیز ہنر مندی کے ساتھ اس کو انجام دے جیسا کہ اسلام نے حکم دیا ہے۔

اسلام نے ایسے کتنے پیشوں کو معزز بنایا جو لوگوں کی نظروں میں حقیر تھے، مثال کے طور پر بکریاں چرانے والے کو لوگ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

((مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، قَالُوا وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟

قَالَ: نَعَمْ كُنْتُ أَرْعُهَا عَلَى قَرَارِيطٍ لِأَهْلِ مَكَّةَ. ﴿١﴾

”اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے بھی؟ فرمایا: میں مکہ والوں کی بکریاں اجرت پر چرایا کرتا تھا۔“

محمد ﷺ جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، بکریاں چرایا کرتے تھے! اور پھر اکثر آپ ﷺ کی اپنی بکریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مقررہ اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروؤں کو یہ قصہ سنایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ عزت و افتخار کام کرنے والوں کے لیے ہے نہ کہ عیش پرستوں اور بے کاروں کے لیے۔

قرآن نے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا ہے کہ آپ نے ایک بوڑھے بزرگ کے پاس اجرت پر کام کیا تھا۔ اس بزرگ نے آٹھ سال تک خدمت کرنے کی شرط پر اپنے ہاں رکھ لیا تھا جس کا معاوضہ یہ طے ہوا تھا کہ وہ اپنی ایک لڑکی کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے اچھے خادم اور اجیر ثابت ہوئے اور اس بزرگ کی لڑکی کی فراست صحیح ثابت ہوئی کہ:

((قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْأَمِينُ ۝)) ﴿٢﴾

”ان دو میں سے ایک لڑکی نے کہا۔ ابا جان! انہیں ملازم رکھ لیجیے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے، حضرت ادریس علیہ السلام سلائی کا کام کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کی خدمت انجام

﴿١﴾ صحیح البخاری، کتاب الاجارہ باب رعی الغنم علی قراریط، رقم الحدیث: ۲۲۶۲۔ سنن

ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الصناعات، رقم الحدیث: ۲۱۳۹۔ الطبقات الکبریٰ لابن

سعد، ۱/۱۲۵ ذکر رعی رسول اللہ الغنم بمکة۔ ﴿٢﴾ ۲۸/القصص: ۲۶۔

دیتے تھے۔ ❁

لہذا مسلمان کو اپنے پیشہ پر خوش ہونا چاہیے۔ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرتا رہا ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

((مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ وَإِنَّ

نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ.)) ❁

”جس نے اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھایا اس سے بہتر کسی کا کھانا نہیں ہے،

اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔“

ممنوع کام اور پیشے

البتہ کچھ کام اور پیشے ایسے ہیں جن کو اختیار کرنا اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کے عقیدہ، اخلاق، عزت اور تہذیبی اقدار کے لیے یہ سخت مضر ہیں۔

محبہ گری

مثال کے طور پر زنا کاری کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے لیکن اکثر مغربی ممالک نے اس پیشہ کو جائز کر دیا ہے۔ وہ اس کی اجازت بلکہ باقاعدہ لائسنس دیتے ہیں اور طوائف کے پیشہ کو بھی دیگر پیشوں کی طرح ایک پیشہ قرار دے کر ان کو حقوق عطا کرتے ہیں جبکہ اسلام نے اس پیشہ کی جڑ پر تیشہ چلایا ہے اور کسی آزاد عورت یا لونڈی کے لیے یہ جائز نہیں کیا کہ وہ جسم فروشی کو کمانے کا ذریعہ بنالے۔

بعض اہل جاہلیت لونڈیوں پر یومیہ ٹیکس عائد کرتے تھے۔ یہ ٹیکس انہیں اپنے مالکوں

❁ [اسنادہ موضوع] مستدرک حاکم ۵۹۶/۲، رقم الحدیث: ۴۲۲۱۔ ذکر حرف الانبیاء

اس میں عبد المنعم راوی ہے جسے امام احمد نے کذاب کہا ہے۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع،

باب کسب الرجل وعمله بیدہ، رقم الحدیث: ۲۰۷۲؛ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب

الحث علی المکاسب، رقم الحدیث: ۲۱۳۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۳۲/۴، رقم الحدیث:

۱۷۱۹۰؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۲۷/۶۔

کو ادا کرنا پڑتا تھا خواہ کسی طریقہ سے وہ کما کر لائیں۔ اس کی ادائیگی کے لیے کتنی ہی لونڈیاں زنا کا پیشہ اختیار کرتی تھیں، اور بعض اہل جاہلیت ان کو اس کام کے لیے بالکل مجبور کر دیتے تھے تاکہ دنیا کا حقیر فائدہ اور گھٹیا اور ناپاک کمائی حاصل کریں۔ جب اسلام آیا تو اس نے اپنے فرزندوں اور اپنی دختروں کو اس پستی سے نکالا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَلَا تَكْرَهُوا فِتْيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا

عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ﴾

”اپنی لونڈیوں کو قبحہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں
محض اس لیے کہ دنیوی فائدہ تم کو حاصل ہو جائے۔“

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی لونڈی تھی جو بہت زیادہ خوبصورت تھی اور جس کا نام معاذہ تھا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ لونڈی فلاں یتیموں کی ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے زنا کی اجازت دیں گے تاکہ اس کا نفع ان یتیموں کو ملے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گندے پیشہ کی بالکل ممانعت کر دی خواہ اس کی کمائی سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہو اور خواہ کیسی ہی ضرورت اور کتنا ہی اچھا مقصد کیوں نہ پیش کیا جائے، تاکہ اسلامی معاشرہ اس قسم کی خبیث اور مہلک باتوں سے پاک رہے۔

رقص اور جنسی فنون

اسی طرح اسلام رقص کے پیشہ کا بھی قائل نہیں ہے جو صنفی جذبات کو ابھارتا ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا قائل ہے جو طبیعت میں جنسی ہیجان پیدا کرتی ہے، مثلاً فحش گانے، حیا سوز ایکٹنگ اور اس قسم کے دوسرے بے ہودہ کام۔ اگرچہ لوگوں نے اس قسم کی چیزوں کا نام

۱۱ ۲۴/النور: ۳۳۔ ﴿منکر﴾ الدر المنثور للسيوطی، ۴۶/۵، ۴۷؛ التفسیر الکبیر للامام

رازی، ۲۳/۲۲۰ [سورہ نور]۔ اسی مفہوم کی ایک روایت مسلم میں ہے صحیح مسلم، کتاب التفسیر

باب فی قوله تعالیٰ ﴿وَلَا تَكْرَهُوا فِتْيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾ رقم الحدیث: ۳۰۲۹۔ [عن جابر]

”فن“ (Art) رکھا ہے اور اس کو ”ترقی“ میں شمار کرتے ہیں لیکن الفاظ کا یہ نہایت گمراہ کن استعمال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے نکاح کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کو حرام قرار دیا ہے اور ہر اس قول و عمل کو جو ناجائز تعلقات کا دروازہ کھول دے حرام ٹھہرایا ہے۔ قرآن نے زنا کی حرمت بیان کرنے کے لیے جو معجزانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس میں یہی راز مضمر ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ ❁

”زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بے حیائی کا فعل اور بہت براراستہ ہے۔“

یعنی زنا کی ممانعت پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی ممانعت فرمائی۔ اوپر ہم نے جو باتیں بیان کی ہیں جن باتوں کو لوگ جذبات انگیز سمجھتے ہیں وہ سب اس بے حیائی سے قریب کرنے والی باتیں ہیں بلکہ اس پر آمادہ کرنے والی اور اس کی ترغیب دینے والی ہیں۔ تو یہ کتنے برے کام ہیں جو لوگ کرتے ہیں!

مجسموں اور صلیب وغیرہ کی صنعت

اسلام میں مجسمے حرام ہیں، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور مجسمہ سازی کی حرمت اور زیادہ شدید ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں:

((كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ إِنِّي

رَجُلٌ إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صِنْعَةِ يَدِي وَإِنِّي أَصْنَعُ هَذِهِ التَّصَاوِيرَ

فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُهُ حَتَّى يَنْفَخَ فِيهَا

الرُّوحَ وَ لَيْسَ بِنَافِعٍ فِيهَا أَبَدًا. فَرَبَا الرَّجُلُ رُبُوعًا شَدِيدَةً، فَقَالَ

ابْنُ عَبَّاسٍ. وَيَحْكُ إِنِ ابْتِئْنَا أَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهَذَا الشَّجَرِ

وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ ﴿١﴾

”میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابن عباس! میرا ذریعہ معاش کاریگری ہے اور میں اس قسم کی تصویریں بناتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا ہے وہی تمہیں سناؤں گا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو تصویر بنائے گا اسے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا کہ وہ اس میں روح پھونک دے لیکن وہ کبھی اس میں روح نہ پھونک سکے گا۔ یہ سن کر اس شخص کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اگر تم تصویر بنانا ہی چاہتے ہو تو پھر درخت وغیرہ غیر ذی روح کی تصویریں بناؤ۔“

یہی حکم بت، صلیب اور ان جیسی دوسری چیزوں کا ہے۔

رہی فوٹو گرافی کی تصویریں تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی روح سے قریب تر بات یہ ہے کہ یہ جائز ہیں یا زیادہ سے زیادہ انہیں مکروہ کہا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ فی نفسہ کسی حرام مقصد کے لیے نہ ہوں، مثلاً عورتوں کے ان اعضا کو نمایاں کرنا جن سے فتنہ کا احتمال ہو یا ایسی تصویر جس میں مرد کو عورت سے بوس و کنار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو نیز ایسی تصویریں جن کی تعظیم و تقدیس کی جاتی ہے، جیسے ملائکہ، انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی تصویریں۔

نشہ آور اور مخدر عقل اشیاء کی صنعت

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے شراب کی ترویج میں کسی بھی قسم کی شرکت کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ اسے بنایا جائے، یا تقسیم کیا جائے، یا نوش کیا جائے۔ جو شخص بھی اس کا مرتکب ہوگا وہ بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملعون ہے۔

حشیش اور افیون جیسی مخدر عقل چیزوں کی حرمت بھی نشہ آور چیزوں ہی کی طرح

١ صحیح البخاری، کتاب البیوع باب بیع التصاویر التي لیس فیہا روح، رقم الحدیث: ۲۲۲۵؛

صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحيوان، رقم الحدیث: ۲۱۱۰؛ مسند

احمد بن حنبل، ۳۰۸/۱، رقم الحدیث: ۲۸۱۰۔

ہے۔ ان چیزوں کا لین دین، ان کی تقسیم اور ان کی صنعت سب ہی حرام ہیں۔ اسی طرح اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کوئی ایسی صنعت یا پیشہ اختیار کرے جو حرمت پر مبنی ہو یا جس سے کسی حرام چیز کی ترویج ہوتی ہو۔

تجارت کے ذریعہ کمانا

اسلام نے قرآنی نصوص اور سنت رسول ﷺ کے ذریعہ تجارت کرنے کی پرزور طریقہ پر دعوت دی ہے اور اس مقصد کے لیے سفر کرنے کی بھی ترغیب دی ہے اور اسے اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا ہے، نیز تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کا ذکر مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے:

﴿وَآخِرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾

﴿وَآخِرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾

”کچھ لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔“

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے بحری مواصلات کے ذریعہ جو بین الاقوامی تجارت کے لیے حمل و نقل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، لوگوں کے لیے داخلی اور خارجی تجارت کی راہیں کھول دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تسخیر اور جہاز رانی کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ﴾

”اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔“

اور بعض مقامات پر اس کے ساتھ ہوائیں چلانے کا بھی ذکر کیا ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ﴾

وَلَتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ ﴿٥٠﴾ ❁

”اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو خوشخبری دینے اور تمہیں اپنی
رحمت سے آشنا کرنے کے لیے بھیجتا ہے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے
چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر احسان فرما کر ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیئے کہ ان کا
شہر جزیرہ عرب میں ایک ممتاز تجارتی مرکز بن گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کہ ”ان کو
پھلوں سے رزق دے۔“ ان کے حق میں سچی ثابت ہوئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قریش پر
احسان فرما کر ان کے لیے موسم سرما اور موسم گرما کے تجارتی سفر آسان کر دیئے۔
اسلام نے مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر تجارتی لین دین کا موقع عطا کیا ہے چنانچہ
ہر سال حج کے موسم میں یہ موقع فراہم ہوتا ہے۔ مسلمان حج کے موقع پر تجارت کرنے میں
انقباض محسوس کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح طور سے فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ط﴾ ❁

”اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“

قرآن نے مسجد سے گہری دلچسپی رکھنے والوں کی تعریف کی ہے جو صبح شام اللہ کی
پاکی بیان کرتے ہیں:

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ

وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ.﴾ ❁

”ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور اقامتِ صلوة اور

ادائیگیِ زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔“

پس مومنین قرآن کی نظر میں مسجدوں میں بند ہو کر رہنے والے لوگ نہیں ہیں اور نہ
تکیوں کے درویش ہیں اور نہ ہی خانقاہوں کے رہبان بلکہ وہ کام کاج کرنے والے لوگ

ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیوی کام انہیں دینی ذمہ داریوں سے غافل نہیں کرتے۔ تجارت کے سلسلہ میں یہ چند باتیں قرآن سے پیش کی گئی ہیں۔ رہی سنت تو اس سے بھی ان باتوں پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ پیغمبر اسلام نے اپنے قول و عمل سے تجارت کی ترغیب دی ہے اور اس کی بنیادوں کو استوار کیا ہے۔ کس قدر حکیمانہ ہیں آپ ﷺ کے یہ ارشادات:

((التَّاجِرُ الْأَمِينُ الصَّدُوقُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.))

”سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“

((التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ.))

”سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔“

گا۔“

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ نبی ﷺ نے سچے تاجر کو مجاہد اور شہید کے برابر قرار دیا کیونکہ دنیوی زندگی کے تجربات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جہاد میدانِ قتال ہی میں نہیں ہوتا بلکہ اقتصادی میدان میں بھی ہوتا ہے۔

تاجروں سے آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ہاں بلند درجہ پر فائز ہوں گے اور ثوابِ جزیل سے نوازے جائیں گے، کیونکہ تجارت آدمی کے اندر طمع اور کسی بھی طریقہ سے نفع کمانے کی خواہش پیدا کرتی ہے، مال سے مال پیدا ہوتا ہے اور نفع مزید نفع حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جو شخص سچائی اور دیانتداری کے حدود پر ٹھہرا رہتا ہے وہ فی الواقع مجاہد ہے جس نے خواہشات کی جنگ جیت لی ہے لہذا وہ اس لائق ہے کہ اسے مجاہد کے مقام پر فائز کیا جائے۔

❶ [ضعیف] سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، رقم

الحديث: ۲۱۳۹؛ مستدرک حاکم، ۶/۲؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۵/۲۶۶۔

❷ [اسنادہ ضعیف] جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التمار، رقم

الحديث: ۱۲۰۹؛ مستدرک حاکم، ۶/۲؛ مسند دارمی، ۱۶۵۳/۳، باب فی التاجر الصدوق،

رقم الحديث: ۲۵۸۱؛ شرح السنة للبغوی، ۴/۸، رقم الحديث: ۲۰۲۶۔

تجارت کا معاملہ ایسا ہے کہ تاجر رأس المال (Capital) اور نفع (Profit) کا حساب جوڑتا رہتا ہے اور اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے۔ عہد رسالت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تجارتی قافلہ آتا ہے جبکہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے ہیں۔ لوگ قافلہ کی آوازن لیتے ہیں اور خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر عتاب کی صورت میں یہ آیت نازل فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا

عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١﴾

”اور جب وہ تجارت یا لہو چیز دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دیجیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رازق ہے۔“

لہذا جو شخص اس چکر میں پڑنے کے باوجود اپنے یقین کو قوی، اپنے دل کو خشیت سے معمور اور اپنی زبان کو ذکر الہی سے تر رکھے وہ یقیناً ان لوگوں کی رفاقت کے لائق ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہدا۔

تجارت کے معاملہ میں ہماری رہنمائی کے لیے نبی ﷺ کا یہ اسوہ کافی ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں روحانی پہلو کو پوری اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا، جیسے مدینہ میں تقویٰ کی اساس پر مسجد قائم کی تاکہ وہ عبادت، علم، دعوت اور حکومت سب کا مرکز بنے، وہاں آپ ﷺ نے اقتصادی پہلو کا بھی پورا پورا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ خالص اسلامی بازار قائم کر کے یہودیوں کے تسلط کو ختم کیا۔ آپ ﷺ نے خود اس کا نظام مرتب کیا اور اس کی نگرانی فرماتے رہے اور ساتھ ہی اس سے متعلق تعلیمات اور ہدایات جاری فرماتے رہے۔ اس بازار کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ فریب، ناپ تول میں کمی، ذخیرہ اندوزی اور دوسروں کو زک پہنچانے والی باتوں سے بالکل پاک تھا۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم میں ماہر قسم کے

تاجر، کاریگر، کاشتکار اور ہر کام اور پیشہ کو اختیار کرنے والے لوگ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان موجود تھے۔ آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے آیتیں نازل ہوتیں۔ آپ ﷺ لوگوں سے آسمانی باتیں کرتے، روح الامین صبح شام وحی لے کر آتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ سے ایک منٹ کے لیے جدا ہونا پسند نہ کرتے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ تمام صحابہ اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی شخص تجارتی سفر کر رہا ہے تو کوئی اپنے نخلستان میں مصروف ہے اور کوئی اپنے پیشے اور کاریگری میں مشغول ہونے کی وجہ سے رسول کی تعلیم کو سننے کا موقع نہیں پاتا تو وہ اپنے بھائی سے معلوم کر لیتا ہے!

انصار زیادہ تر زراعت پیشہ اور نخلستان کے مالک تھے اور مہاجرین زیادہ تر بازاروں میں کاروبار کرتے تھے۔ ❁

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کے دینی بھائی سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ انہیں اپنا نصف مال اور اپنے دو مکانوں میں سے ایک مکان اور اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دے کر ان کے نکاح میں دینے کی پیشکش کرتے ہیں لیکن وہ اس عظیم ایثار کا جواب عظیم خودداری سے دیتے ہیں۔ وہ سعد رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: ”اللہ تمہارے مال اور گھر والوں میں برکت دے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تجارت کے لیے کوئی بازار ہے تو بتاؤ۔“ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہاں! بنی قینقاع کا بازار ہے۔“ دوسرے روز صبح وہ پییر اور گھی لے کر بازار جاتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ اس کاروباری سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ کافی دولت مند ہو جاتے ہیں۔ انتقال کے وقت انہوں نے کثیر مال چھوڑا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ برابر تجارت میں لگے رہے اور دوڑ دھوپ کرتے رہے یہاں تک کہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن بھی بازار جانے کا ارادہ کیا۔ ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب البيوع، باب ماجاء في قول الله فإذا قضيت الصلوة، رقم الحديث:

❁ الطبقات الكبرى لابن سعد ۳/ ۱۸۴، ذکر بيعة ابي بكر۔ ۲۰۴۸، ۲۰۴۹۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ اپنے بارے میں فرماتے مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت سے بازار کے سودے نے مشغول رکھا۔^❶
اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ بہ کثرت صحابہ کی مثالیں ہیں۔

تجارت کے بارے میں کنیسہ کا موقف

اس طرح اسلامی معاشرہ نے دین کے زیر سایہ اپنا دنیوی سفر جاری رکھا۔ یہ لوگ تجارت اور خرید و فروخت کرتے تھے لیکن یہ چیزیں انہیں ذکر الہی سے غافل نہیں کرتی تھیں جبکہ قرون وسطیٰ کے بڑے بڑے ممالک اور مسیحی یورپ کی حکومتوں کے جمہور تجارت کے سلسلہ میں دورایوں کے درمیان متردد تھے۔ ایک طرف نظریہ تخلص تھا یعنی کاروبار اور تجارت میں سرگرمی دکھانے سے نفس کے اندر گناہوں کی جو کدورت پیدا ہو جاتی ہے اس سے اسے پاک کیا جائے اور دوسری طرف تصور یہ تھا کہ اپنے دینی بزرگوں کی تعلیمات کے برخلاف جب لوگ تجارت اور صنعت و حرفت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ لعنت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ گناہ محض ایک برائی نہیں ہے بلکہ ابدی گناہ اور ہمیشگی کی لعنت ہے جو زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی، اور دنیوی زندگی میں بھی ہے اور اخروی زندگی میں بھی۔
قدیس اگیتن کہتا ہے کہ کاروبار (Business) حقیقہً گناہ ہے، کیونکہ اس سے نفس کی توجہ حق یعنی اللہ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔

حرام تجارت

لیکن اسلام میں تجارت حرام نہیں ہے الا یہ کہ اس میں ظلم، فریب، نفع اندوزی اور ممنوعات کی ترویج جیسی خرابیاں شامل ہوں۔

لہذا شراب، مخدرات، خنزیر، بت، مجسمے وغیرہ جن سے استفادہ کرنا اسلام میں حرام

❶ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارة، رقم الحدیث: ۲۰۶۲؛

صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب الاستئذان، رقم الحدیث: ۲۱۵۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب

الآداب، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان، رقم الحدیث: ۵۱۸۰۔

ہے ان کی تجارت کرنا بھی حرام ہے، اور ہر وہ کمائی جو ایسی چیزوں کے ذریعہ حاصل ہو حرام اور خبیث ہے اور جو گوشت اس حرام سے پرورش پائے وہ آگ ہی کے لائق ہے۔
 سونے اور ریشم کی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں الا یہ کہ (ان سے بنی ہوئی) کسی ایسی چیز کا کاروبار کیا جائے جن کو صرف مرد استعمال کرتے ہوں۔

اور جائز تجارت کی صورت میں ایک تاجر کو درج ذیل باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اس کا حشر قیامت کے دن فاجروں کے ساتھ نہ ہو۔

نبی ﷺ ایک دن نماز کے لیے نکلے۔ دیکھا کہ لوگ کاروبار میں مصروف ہیں۔ فرمایا: ”اے تاجرو!“ یہ سن کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور اپنی گردنیں اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ التُّجَّارَ يُعْشُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَجَارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى اللَّهَ وَبَرَّ وَصَدَّقَ)) ❁

”تاجر قیامت کے دن فاجر کی صورت میں اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جو اللہ سے ڈرتے رہے، نیک روی اختیار کی اور سچ بولتے رہے۔“
 واثلہ بن اسقع کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے اور فرماتے:

((يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، أَيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ)) ❁
 ”اے تاجرو! جھوٹ سے بچو۔“

لہذا تاجر کو جھوٹ سے بچنا چاہیے کہ جھوٹ تجارت کی آفت ہے اور وہ بدکرداری کی

❁ [اسنادہ ضعیف] جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، رقم الحدیث: ۱۲۱۰؛ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التوقی فی التجارة، رقم الحدیث: ۲۱۴۶؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۶۶/۵؛ المصنف لعبدالرزاق، ۴۵۸/۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۹۹۹۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] المعجم الکبیر للطبرانی، ۵۶/۲۲؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۷۳/۴، رقم الحدیث: ۶۳۰۱۔

طرف لے جاتا ہے اور بد کرداری دوزخ میں لے جاتی ہے۔

تاجر کو بہ کثرت قسمیں کھانے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے احتراز کرنا

چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

أَلِيمٌ. أَحَدُهُمُ الْمُنْفِقُ سَلَعْتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ.)) ❁

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن ان کی طرف نہ دیکھے گا اور نہ

ان کو پاک ٹھہرائے گا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہوں گے۔ ان میں

سے ایک شخص وہ ہوگا جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال فروخت کرتا تھا۔“

اور ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَرَّ أَعْرَابِيٌّ بِشَاةٍ فَقُلْتُ تَبِيعُهَا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمٍ؟ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ،

ثُمَّ بَاعَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: بَاعَ اخِرَتَهُ

بِدُنْيَاهُ.)) ❁

”ایک بدو بکری لے کر گزر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: اس بکری کو تین

درہم میں بیچو گے؟ اس نے کہا: واللہ! نہیں۔ اس کے بعد اس نے فروخت

کردی۔ میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ

نے فرمایا: اس نے دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ دی۔“

اور تاجر کو فریب دہی سے احتراز کرنا چاہیے کہ فریب دہی ملت اسلامیہ سے خارج کر

دیتی ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کے لیے تباہی ہے۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلیظ تحریم اسبال الازار، رقم الحدیث: ۱۰۶۱

سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، رقم الحدیث: ۴۰۸۷؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب التجارات، باب ماجاء فی کراہیة الایمان فی الشراء، رقم الحدیث: ۲۲۰۸۔

❁ [اسنادہ حسن] صحیح ابن حبان، ۲۷۶/۱۱، رقم الحدیث: ۴۹۰۹؛ سلسلہ الاحادیث

الصحیحة للالبانی، رقم الحدیث: ۳۶۴؛ کنز العمال للمتقی الہندی، رقم الحدیث: ۴۶۴۵۱۔

ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اللہ اور اس کا رسول اس شخص کی ذمہ داری سے دست کش نہ ہو جائیں۔

سود سے بچنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ حدیث میں ہے۔

((دِرْهَمٌ رَبًّا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ مِنْ ثَلَاثِينَ زَنِيَّةً)) ❁

”ایک درہم سود جانتے بوجھتے کھانا چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ شدید ہے“

ان چیزوں کی تفصیل آگے معاملات کے ذیل میں آئے گی۔

ملازمت

ملازمت کے ذریعہ روزی کمانا مسلمان کے لیے جائز ہے خواہ ملازمت حکومت کے ماتحت ہو یا کسی ادارہ یا شخص کے ماتحت، بشرطیکہ وہ متعلقہ کام کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اپنے فرائض ادا کر سکتا ہو۔ البتہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اس کا امیدوار بن جائے خصوصاً جبکہ وہ منصب حکومت یا عدالت سے متعلق ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَيَلُّ لِلْأَمْرَاءِ، وَيَلُّ لِلْعُرَفَاءِ، وَيَلُّ لِلْأَمْنَاءِ، لِيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يُدْلُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

وَأَنَّهُمْ لَمْ يَلُؤُوا عَمَلًا)) ❁

”تباہی ہے امرا کے لیے، تباہی ہے سربراہوں کے لیے اور تباہی ہے

خازنوں کے لیے، کتنے ہی لوگ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش ان

❁ [ضعیف] مسند احمد بن حنبل ۲۲۵/۵، رقم الحدیث: ۲۱۹۵۷، ۲۱۹۵۸۔ یہ کعب الاحبار

کا قول ہے جو ان تک صحیح سند سے ثابت ہے۔ سنن الدارقطنی ۱۶/۳، رقم الحدیث: ۴۹، ۴۸؛ شعب

الایمان للبیہقی ۳۹۳/۴، رقم الحدیث: ۵۵۱۶، ۵۵۱۷۔

❁ [اسنادہ صحیح] صحیح ابن حبان ۳۳۵/۱۰، رقم الحدیث: ۴۴۸۳؛ مستدرک حاکم،

۹۱/۴ لکن لہ شاهد عند الحاکم؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۵۲/۲، رقم الحدیث: ۸۶۲۷؛ بسند

حسن مدارد الطمان للہیثمی، ص ۲۷۵، رقم الحدیث: ۱۵۵۹۔

کی چوٹیاں ثریا سے باندھ دی جاتیں اور وہ آسمان و زمین کے درمیان لڑکا دیئے جاتے لیکن انہیں صاحب اختیار نہ بنایا جاتا۔“

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ فَضْرَبَ بِيَدِهِ عَلَيَّ مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِزْبِي وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا.)) ❁

”میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے کسی منصب پر مامور نہیں فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا ابو ذر! تم کمزور ہو اور یہ منصب ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا بجز اس کے جس نے اس کو حق کے ساتھ قبول کیا اور اس منصب کا جو حق اس پر عائد ہوتا ہے اس کو ادا کیا۔“

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ.)) ❁

”قاضی تین قسم کے ہیں، ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں جائیں گے۔ تو جنت میں وہ قاضی جائے گا جس نے حق کو پہچانا اور اس کے

❁ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، رقم الحديث: ۹۲۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۷۳/۵، رقم الحديث: ۲۱۵۱۳؛ مسند ابی داؤد الطیالسی، ص ۶۶، رقم الحديث: ۴۸۵ [هذا سند منقطع]؛ تحفة الاخيار شرح مشكل الآثار للطحاوی، ۱۲/۵، رقم الحديث: ۳۰۸۷۔ [اسناد صحیح] ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب القاضی بخطی، رقم الحديث: ۳۵۷۳؛ جامع ترمذی، کتاب الأحكام، باب ماجاء عن رسول الله ﷺ فی القاضی، رقم الحديث: ۱۳۲۲؛ سنن ابن ماجه، کتاب الأحكام، باب الحاكم یجتهد فیصیب الحق، رقم الحديث: ۲۳۱۵۔

مطابق فیصلہ کیا، لیکن جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود ظلم کیا وہ جہنم میں جائے گا اور وہ شخص بھی جہنم میں جائے گا جس نے جہالت کی بنا پر فیصلہ کیا۔“

مسلمان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ بڑے بڑے منصبوں کا خواہش مند نہ ہو بلکہ دوسرے کاموں کے لیے کوشش کرے اگرچہ کسی منصب کی صلاحیت رکھتا ہو، کیونکہ جو شخص منصب کو رب بنا لیتا ہے منصب اس کو اپنا غلام بنا لیتا ہے اور جو زمین پر ظاہر ہونے والے نتائج ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ آسمانی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ أُعْطِيتَ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ مَسْأَلَةٍ وَكَلْتِ إِلَيْهَا.)) ❁

مجھ سے رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا عبدالرحمن! امارت طلب نہ کرو، کیونکہ اگر تمہیں بغیر مانگے مل گئی تو تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر طلب کرنے پر مل گئی تو تمہیں اس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((مَنْ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفْعَاءَ وَكَلَّ إِلَى نَفْسِهِ وَ مَنْ أٰكْرَهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَلَكًا لِيُمِدَّهُ.)) ❁

”جس نے منصب قضا طلب کیا اور اس کے لیے سفارش کرائی اسے اسی

❁ صحیح البخاری، کتاب کفالات الایمان، باب الکفارة قبل الحنث وبعده، رقم الحدیث: ۶۷۲۲؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمیناً فرأى غیرها، رقم الحدیث: ۱۶۵۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی طلب الإمارة، رقم الحدیث: ۲۹۲۹۔ ❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب القضاء باب فی طلب القضاء والتبرع، رقم الحدیث: ۳۵۷۸؛ جامع ترمذی کتاب الأحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ فی القاضی، رقم الحدیث: ۱۳۲۴؛ سنن ابن ماجہ کتاب الأحکام باب ذکر القضاة، رقم الحدیث: ۲۳۰۹؛ مسند احمد بن حنبل ۱۱۸/۳، رقم الحدیث: ۱۲۱۸۴۔

کے حوالہ کر دیا جائے گا اور جس کو مجبوراً منصب قضا قبول کرنا پڑا اس کی مدد کے لیے اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کو راہِ صواب دکھاتا ہے۔“

منصب اور عہدہ طلب کرنے کی کراہت اس صورت میں ہے جبکہ خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے دوسرے لوگ موجود ہوں۔ لیکن اگر خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے کوئی شخص موجود نہ ہو اور وہ خود کو بھی پیش نہ کرے تو مصالِح معطل ہوں گے اور مسائل الجھ جائیں گے۔ قرآن نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سنایا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے بادشاہ سے کہا تھا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ﴾ ❁

”ملک کے خزانوں پر مجھے مامور کر دیجیے۔ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم رکھنے والا بھی۔“

سیاسی مناصب وغیرہ طلب کرنے کے بارے میں اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

حرام ملازمتیں

ملازمتوں کا یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ایسی ملازمت جس سے اسلام یا مسلمانوں کو ضرر پہنچتا ہو یا جو ظلم اور حرام کے کاموں میں معاون ہو وہ حرام ہے، مثلاً سودی کاروبار، شراب خانوں، رقص گاہوں (Dancing Halls) اور سنیما گھروں کی ملازمتیں۔

ایسے ملازمین یہ کہہ کر گناہ سے بری نہیں ہو سکتے کہ وہ خود حرام کے مرتکب نہیں ہوتے۔ کیونکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ گناہ کے کام کی اعانت بھی گناہ ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے کاتب اور گواہوں پر اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح سود خوری پر لعنت فرمائی ہے اور شراب نچوڑنے والے اور پلانے والے پر بھی اسی طرح لعنت فرمائی جس طرح اس

کے پینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ ❁

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی مجبور کن ضرورت درپیش نہ ہو یعنی ایک مسلمان اپنی گزر بسر کے لیے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائے، لیکن اگر واقعی اس درجہ کی مجبوری لاحق ہو جائے تو کراہت کے ساتھ بقدر ضرورت ایسی ملازمت اختیار کی جاسکتی ہے۔ ساتھ ہی دوسرے کام کی تلاش میں رہنا ضروری ہوگا تا آنکہ اللہ اس کے لیے کسب حلال کی راہ کھول دے۔

مسلمان ہمیشہ شبہات کے مواقع سے احتراز کرتا ہے کیونکہ یہ دین و اعتقاد کی کمزوری کا باعث ہوتے ہیں خواہ ان کے ذریعہ کتنا ہی قیمتی فائدہ اور کتنا ہی وافر مال حاصل ہو جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((دَع مَا يُرِيْبِكَ اِلَى مَا لَا يُرِيْبِكَ)) ❁

”جو چیز تم کو شبہ میں ڈال دے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو جو شبہ پیدا کرنے والی نہیں ہے۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَبْلُغُ عَبْدٌ دَرَجَةَ الْمُتَّقِيْنَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذْرًا مِمَّا

بِهِ بَأْسٌ)) ❁

”بندہ متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان باتوں کو جن میں

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب العسیر للخمیر، رقم الحدیث: ۳۶۷۴۔

صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا و موكله، رقم الحدیث: ۱۵۹۸؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الأشربة، باب لعنت الخمر علی عشرة، رقم الحدیث: ۳۳۸۰، ۳۳۸۱۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۲۰۰/۱، رقم الحدیث: ۱۷۲۳؛ جامع ترمذی، کتاب

صفة الجنة، باب حدیث اعقلها وتوكل، رقم الحدیث: ۲۵۱۸؛ سنن النسائی، کتاب الأشربة،

باب الحث علی ترك الشبهات، رقم الحدیث: ۵۷۱۴۔ ❁ [ضعیف] جامع ترمذی، کتاب

صفة القيامة، باب علامة التقوی ودع ما لا بأس به حذراً؛ سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الورع

والتقوی، رقم الحدیث: ۴۲۱۵؛ السنن الكبرى للبيهقي ۳۳۵/۵۔

کوئی حرج نہیں ہے حرج کے اندیشہ سے چھوڑ نہ دے۔“

مسائل کسب کے سلسلہ میں عام اصول

کمانے کے سلسلہ میں عام اصول یہ ہے کہ اسلام اپنے فرزندوں کو اس بات کی کھلی چھٹی نہیں دیتا کہ وہ جو مال چاہیں کمائیں اور جس طریقہ سے چاہیں کمائیں بلکہ وہ اجتماعی مصالح کے پیش نظر کسب معاش کے مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں فرق کرتا ہے۔ یہ فرق ایک کلیہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسب مال کے وہ تمام طریقے جن سے افراد دوسروں کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل کرتے ہوں غیر مشروع ہیں۔ اس کے برخلاف ایسے طریقے جن سے افراد باہمی رضامندی سے عدل کے ساتھ منفعت کا تبادلہ کرتے ہوں مشروع ہیں۔

اس اصول کی توضیح قرآن کی درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ فَذَلِكُمْ حَلَالٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ تِجَارَةً فَذَلِكُمْ حَرَامٌ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا وَإِنَّا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۗ ط﴾ 1

”اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعہ مال حاصل ہو جائے۔ اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم جلد ہی آگ میں جھونک دیں گے۔“

اس آیت نے تجارت کو دو شرطوں کے ساتھ مشروع کیا ہے۔ ایک یہ کہ تجارت فریقین کی رضامندی سے ہو اور دوسری یہ کہ ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے نقصان پر مبنی نہ ہو۔ یہ بات ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ط﴾ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) کے الفاظ سے

واضح ہوتی ہے۔ مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں اور دونوں ہی یہاں منطبق ہوتے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں خود کو قتل نہ کرو۔ لیکن دونوں صورتوں میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے ذاتی فائدہ کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے وہ گویا خون بہاتا ہے اور نتیجہ اپنے ہی لیے ہلاکت کی راہ کھولتا ہے۔ چنانچہ چوری، رشوت خوری، جوا، دھوکہ، فریب، دغا اور سود وغیرہ ایسے ذرائع کسب ہیں جن میں غیر مشروع ہونے کی یہ دونوں علتیں پائی جاتی ہیں۔ اور اگر بعض صورتوں میں باہمی رضامندی کی شرط پوری ہوتی بھی ہو تو دوسری اہم شرط جو ﴿لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ میں مضمحل ہے (یعنی جس سے دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے) مفقود ہوتی ہے۔ ❁



باب سوم

شادی بیاہ اور
خانہ دانی زوجگی
میں حلال و حرام

فطری داعیات (خواہشات)

کا دائرہ عمل

شادی بیاہ

زوجین کے باہمی تعلقات

برتھ کنٹرول

طلاق

والدین اور اولاد کے تعلقات

فطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت اور اس کی آباد کاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ انسان کی نوع باقی رہے اور اس طرح زندگی بسر کرے کہ زراعت، صنعت، تعمیر اور آباد کاری کے کام اس کے ہاتھوں انجام پاتے رہیں نیز اللہ کا جو حق اس پر ہے اس کو وہ ادا کرتا رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری داعیات اور نفسیاتی محرکات رکھے ہیں جو انسان کو فرد اور نوع دونوں کی بقا کا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک داعیہ کھانے کی اشتہا ہے کہ شکم سیری سے آدمی کا وجود باقی رہتا ہے۔

دوسرا داعیہ جنسی خواہش ہے جس پر نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ یہ نہایت قوی اور قابو سے نکل جانے والا داعیہ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر تنفس سے اپنی ناقابل تسکین خواہش کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہذا انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ تین موقفوں میں سے کوئی ایک موقف اختیار کرے۔

جنسی داعیہ کے تعلق سے انسان کا موقف

① ایک موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے اپنا کام کرے۔ اس کے لیے کسی قسم کی دینی، اخلاقی اور عرفی رکاوٹ نہ ہو۔ ابا حیت والے مذاہب جو نہ کسی دین کو مانتے ہیں اور نہ فضائل اخلاق کو تسلیم کرتے ہیں، اسی کے قائل ہیں۔ یہ موقف انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے اور فرد، خاندان اور سماج سب کے بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔

② دوسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ سے آدمی ٹکرائے اور اس کا زور ختم کرنے کی کوشش

کرے جیسا کہ تقشف پسند اور محرومی و بدشگونی کا اعتقاد رکھنے والے مذاہب کا شعار ہے اور رہبانیت اور المانویت اس کی مثالیں ہیں۔ یہ موقف اس داعیہ کو کچل دیتا ہے اور اس حکمت کے سراسر منافی ہے جس کی مناسبت سے انسان کو مخصوص ساخت عطا کی گئی ہے اور ایک خاص فطرت پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ نیز یہ موقف اس طریق زندگی سے متصادم ہے جو ان فطری خواہشات کی تکمیل کا سامان کرتا ہے۔

3 تیسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کے لیے حدود مقرر کیے جائیں تاکہ وہ اپنے دائرہ میں آزاد رہے۔ نہ تو اسے کچل کر رکھ دیا جائے اور نہ ہی دیوانگی کی حد تک آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آسمانی مذاہب نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ان مذاہب نے زنا کو حرام اور نکاح کو جائز ٹھہرایا ہے خصوصاً اسلام نے اس داعیہ کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کے لیے جائز راہ کھول دی ہے۔ اور عورتوں سے بے تعلقی اختیار کرنے اور تجرد کی زندگی گزارنے سے منع کیا ہے جبکہ اس نے زنا، اس کے متعلقات اور مقدمات کو سخت حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ موقف عدل اور اعتدال پر مبنی ہے۔ اگر نکاح مشروع نہ کیا گیا ہوتا تو یہ داعیہ سلسلہ انسانی کے بقا کی خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اور اگر زنا کو حرام نہ کر دیا گیا ہوتا اور مرد کے لیے یہ ضروری نہ کر دیا گیا ہوتا کہ وہ کسی عورت کو اپنے لیے مخصوص کر لے تو خاندان کی تشکیل نہیں ہو سکتی تھی جس کے زیر سایہ مودت، رحمت، شفقت، محبت اور ایثار جیسے ارتقا پذیر اجتماعی جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اور جب خاندان نہ ہوتا تو سماج کی تشکیل بھی نہیں ہوتی اور نہ وہ ترقی و کمال کی راہ پر گامزن ہوتا۔

زنا کے قریب نہ پھٹکو

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام آسمانی مذاہب زنا کے خلاف اور اس کی حرمت پر متفق ہیں تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اور اسلام نے جو آخری دین ہے اس کی سخت ممانعت کی ہے کیونکہ اس کا نتیجہ اختلاطِ نسب، اپنی نسل پر ظلم، خاندان کے لیے گراوٹ، تعلقات کے

انتشار، امراض کے پھیلنے، شہوت کے ابھرنے اور اخلاقی انحطاط کی شکل میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً طَوْسَاءً سَبِيلًا﴾ ❁

”زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بہت بری راہ ہے۔“

اسلام جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی طرف جانے والے راستوں کو بھی مسدود کر دیتا ہے اور اس کے تمام ذرائع اور مقدمات کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔

لہذا جو چیزیں سوئے ہوئے جذبات کو جگانے والی، مرد و زن کے لیے فتنہ کا دروازہ کھولنے والی اور بے حیائی کی ترغیب دینے یا اس سے قریب کرنے یا اس کے لیے راہ ہموار کرنے والی ہوں تو ایسی چیزیں سد ذریعہ کے طور پر یا مفسدہ کو دفع کرنے کی غرض سے ممنوع اور حرام قرار پاتی ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے

اسلام نے جن ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے ان میں سے ایک ذریعہ مرد کا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا ہے یعنی ایسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا جو نہ بیوی ہو اور نہ ان رشتہ داروں میں سے ہو جن سے ابدی طور پر رشتہ ازدواج حرام ہے۔ مثلاً ماں، بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ۔ یہ حرمت اس وجہ سے نہیں ہے کہ مرد یا عورت پر اعتماد نہیں ہے بلکہ دراصل ان کو وسوسوں اور برے خیالات سے بچانا مقصود ہے کیونکہ جہاں مردانہ اور زنانہ خصوصیات کو جمع ہونے کا موقع ملا اور وہاں کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو تو دلوں میں خلش پیدا ہو سکتی ہے۔

خلوت کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَخْلُونَ بِامْرَأَةٍ لَيْسَ

مَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا فَإِنَّ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ.)) ❁

”جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے جہاں کوئی محرم موجود نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں

ان دو کے ساتھ تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے۔“

ازواجِ مطہراتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُنَّ کی شان میں نازل شدہ آیت

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ط ذَلِكُمْ

أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ط﴾ ❁

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے جب تمہیں کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے

سے مانگا کرو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی پاکیزگی کا باعث ہے

اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔“

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مراد یہ ہے کہ ان خیالات سے دلوں کو پاک کیا جائے جو عورتوں کے تعلق

سے مردوں کے دلوں میں اور مردوں کے تعلق سے عورتوں کے دلوں میں

پیدا ہوتے ہیں یعنی پردہ کرنے سے شک اور تہمت کے لیے گنجائش باقی

نہیں رہتی اور یہ تحفظ کا بڑا اچھا ذریعہ ہے۔ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کسی

شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود اعتمادی سے کام لے کر کسی اجنبی

عورت کے پاس خلوت میں رہے۔ اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے اور

پاکدامنی و تحفظ عصمت کا باعث ہے۔“ ❁

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے شوہر کے رشتہ داروں مثلاً دیور، شوہر کے چچا زاد

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۳۹، رقم الحدیث: ۱۴۶۵۱۔ [حسن لغیرہ]

واللفظ له وله شاهد من؛ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب فی لزوم الجماعة، رقم الحدیث: ۲۱۶۵؛

مجمع الزوائد للہیثمی، ۵/۲۲۳، رقم الحدیث: ۹۱۳۱۔ ❁ ۳۳/الاحزاب: ۵۳۔

❁ تفسیر القرطبی، ج ۱۴، ص ۲۲۸۔

بھائی وغیرہ کے ساتھ خلوت میں رہنے سے منع فرمایا ہے۔ عام طور سے اس معاملہ میں رشتہ دار تساہل برتتے ہیں جس کا نتیجہ بعض اوقات بہت بُرا نکلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی رشتہ دار کے ساتھ خلوت میں رہنا غیروں کی بہ نسبت زیادہ اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اس میں شدید فتنہ کا احتمال ہوتا ہے کیونکہ اجنبی کے برخلاف غیر محرم رشتہ دار عورت کے پاس بے روک ٹوک آ جاسکتا ہے۔ یہی حکم بیوی کے غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنے کا ہے مثلاً بیوی کے چچا زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی۔ ان میں سے کسی کے ساتھ خلوت میں رہنا جائز نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالذُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمُو؟ قَالَ: الْحَمُو الْمَوْتُ.))

”عورتوں کے پاس خلوت میں رہنے سے بچو، انصار میں سے ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ! ”حمو“ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: ”حمو“ موت ہے۔“

”حمو“ بیوی کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ خلوت باعث خطر اور موجب ہلاکت ہے۔ اگر آدمی معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ دینی ہلاکت ہے اور اگر شوہر کی غیرت اسے اس بات کے لیے آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ عورت کے لیے ہلاکت ہے، اور خلوت کے نتیجہ میں جب اقارب ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنے لگیں گے تو یہ معاشرتی روابط کے لیے ہلاکت کا سامان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر صرف انسانی جذبات اور خیالات ہی پر نہیں پڑتا بلکہ اس کی زد میں خاندان کی زندگی، میاں بیوی کے گزر بسر کے حالات اور ان کی رازدارانہ باتیں بھی آ جاتی ہیں اور فضول گوئی کرنے والوں اور گھروں

صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، رقم الحدیث: ۵۲۳۲؛ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحريم الخلوۃ، بالأجنبية، رقم الحدیث: ۲۱۷۲؛ جامع ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراهیۃ الدخول علی المغیبات، رقم الحدیث: ۱۱۷۱۔

میں بگاڑ پیدا کرنے والوں کو زبانی دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جس طرح عرب الْأَسَدُ الْمَوْتُ (شیر موت ہے) اور السُّلْطَانُ النَّارُ (سلطان آگ ہے) بولتے ہیں اسی طرح الْحَمُّو الْمَوْتُ (شوہر کے اقارب موت ہیں) بولتے ہیں یعنی ان سے ملنا گویا آگ اور موت کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ خلوت میں رہنا اجنبیوں کے ساتھ خلوت میں رہنے سے زیادہ شدید ہے، کیونکہ بعض اوقات یہ رشتہ دار عورت کے دل میں ایسی چیز کی طلب پیدا کرتے ہیں جس کو پورا کرنا شوہر کے بس میں نہیں ہوتا یا کبھی وہ بدسلوکی کرنے پر اکساتے ہیں نیز اس وجہ سے بھی کہ شوہر اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے رشتہ دار اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کے باطنی حالات سے واقف ہو جائیں۔

جنسِ مقابل کو بنظرِ شہوت دیکھنا

اسلام نے اس بات کو بھی حرام ٹھہرایا ہے کہ مرد اپنی نگاہ عورت پر ڈالے اور عورت مرد پر اس لیے کہ آنکھیں دل کی کلید ہیں اور نظرِ فتنہ کی پیغامبر اور زنا کی قاصد ہے۔ ایک قدیم شاعر نے کہا ہے۔

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَاها مِنَ النَّظْرِ
وَمَعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْفَرِ الشَّرْرِ
”تمام حوادث کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے“
اور چھوٹی چنگاری سے زبردست آگ بھڑک اٹھتی ہے۔“

نظرة فابتسامة فسلام
فكلام فموعده فلقاء.

”پہلے نظر پھر مسکراہٹ پھر سلام
پھر کلام پھر وعدہ اور پھر ملاقات“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جہاں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے وہاں غص بصر کی ہدایت بھی کی ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ط ذَلِكَ

أَزْكَى لَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ

يَغُضُّنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ﴿٤٠﴾

”مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے حق میں زیادہ پاکیزہ بات ہے۔ یقیناً جو کچھ لوگ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

ان دونوں آیتوں میں مرد اور عورت دونوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

نگاہیں نیچی رکھنے کے سلسلے میں قرآن نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ ﴿يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ ہیں۔ یعنی حکم غَضُّ مِنَ الْبَصْرِ کا دیا ہے نہ کہ ”غَضُّ بَصْرٍ“ کا۔ لیکن شرمگاہوں کی حفاظت کے بارے میں مِنْ فُرُوجِهِمْ کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ﴿يَحْفَظُوْا فُرُوجَهُمْ﴾ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ شرمگاہ کی حفاظت بغیر کسی رعایت کے مکمل طور سے مطلوب ہے لیکن نگاہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ رفع حرج اور مصلحت کی رعایت کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اس میں نرمی برتی ہے۔ (یہ نقطہ لفظ مَنْ کے عدم استعمال سے واضح ہوتا ہے۔)

پس غَضُّ مِنَ الْبَصْرِ کے معنی یہ نہیں کہ آنکھیں بالکل بند کر لی جائیں یا سر کو زمین کی طرف جھکائے رکھیں۔ نہ آیت کا یہ منشا ہے اور نہ یہ بات ممکن ہی ہے۔ آیت ﴿وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ ”اپنی آواز پست رکھو۔“ سورہ لقمان۔ ۱۹ میں بھی غَضُّ مِنَ الصَّوْتِ کا مطلب منہ بند کئے رہنا نہیں ہے لہذا غَضُّ مِنَ الْبَصْرِ کے معنی نظروں کو پست کرنے کے ہیں یعنی نظروں کو بالکل آزاد نہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ آنے جانے والیوں یا آنے جانے والوں پر پڑیں۔ لہذا جب کسی کی نظر جنسِ مقابل پر پڑے تو نہ اس کے محاسن پر نظریں جمائے اور نہ اس کو گھور گھور کر دیکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((يَا عَلِيُّ لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّمَا لَكَ الْأُولَىٰ وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ.)) ❁

”اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو۔ پہلی نظر معاف ہے لیکن دوسری نہیں۔“
نبی ﷺ نے جنس مقابل پر حریصانہ نگاہیں ڈالنے کو آنکھوں کے زنا سے تعبیر کیا ہے:

((الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظْرُ.)) ❁

”آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے۔“

اس کو زنا اس لئے قرار دیا ہے کہ اس میں ایک قسم کا تلذذ ہے اور اس سے غیر مشروع طریقہ پر جنسی خواہش پوری ہوتی ہے۔ یہ بات انجیل میں مذکور مسیح علیہ السلام کے اس قول کے بالکل مطابق ہے کہ:

”اس سے پہلے تم کو کہا جاتا رہا ہے کہ زنا نہ کرو لیکن میں کہتا ہوں کہ جس نے

اپنی آنکھوں سے نظر ڈالی اس نے زنا کیا۔“

یہ لذت کی حریص نگاہیں صرف عفت ہی کے لیے خطرناک نہیں ہیں بلکہ ذہنی یکسوئی اور سکون قلب کیلئے بھی خطرناک ہیں کہ اس سے ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ستر پر نظر ڈالنے کی حرمت

ستر سے نگاہوں کو بچانا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ستر پر نظر ڈالنے سے منع فرمایا تھا

❁ [حسن لغیرہ] مسند احمد بن حنبل، ۳۵۳/۵، رقم الحدیث: ۲۲۹۹۱؛ [حسن لغیرہ] ۵

سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی ما یؤمر بہ من غض بصر، رقم الحدیث: ۲۱۴۹؛ جامع

ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی نظرة الفجاءة، رقم الحدیث: ۲۷۷۷۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الإستئذان، باب زنا الحوارح دون الفرج، رقم الحدیث: ۶۲۴۳؛

صحیح مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی، رقم الحدیث: ۲۶۵۷؛ مسند

احمد بن حنبل، ۳۴۳/۲، رقم الحدیث: ۸۵۳۹۔ (واللفظ له)

خواہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر ڈالے یا کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے اور خواہ شہوت سے نظر ڈالی جائے یا بغیر شہوت کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ)) ❁

”کوئی مرد کسی مرد کے ستر پر نظر نہ ڈالے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کے ستر پر نظر ڈالے۔ اور نہ مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے۔ اور نہ عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے۔“

مرد کا ستر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور جس پر نظر ڈالنا کسی مرد عورت کے لئے جائز نہیں، ناف اور گھٹنہ کے درمیان کا حصہ ہے اور بعض ائمہ جیسے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مالکیہ کی رائے میں ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ ❁

عورت کا ستر اجنبی مرد کے لئے اس کا پورا جسم ہے بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے اور عورت کا ستر اس کے محرم کے لئے کیا ہے؟ اس کا بیان آگے زینت کے اظہار کے سلسلہ میں ہوگا۔ جس طرح ستر پر نظر ڈالنا جائز نہیں اسی طرح ہاتھ وغیرہ سے چھونا بھی جائز نہیں ہے۔

ستر پر نظر ڈالنے یا چھونے کی حرمت کا یہ جو ذکر ہوا ہے وہ ایسی صورت میں ہے کہ کوئی مجبوری یا ضرورت لاحق نہ ہوئی ہو، لیکن اگر واقعی کوئی مجبوری یا ضرورت پیش آجائے مثلاً طبی امداد یا علاج کی ضرورت ہو تو پھر حرمت زائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نظر کے جواز کے سلسلہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ فتنہ اور شہوت کا

❁ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب تحريم النظر إلى العورات، رقم الحديث: ۳۳۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب النهی عن الشعری، رقم الحديث: ۴۰۱۸؛ مسند احمد بن حنبل ۶۳/۳، رقم الحديث: ۱۱۶۰۱۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب متى یومر الفلام بالصلاة، رقم الحديث: ۴۹۶؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۹۴/۷؛ الإرواء الغلیل للالبانی، ۲۰۷/۶، رقم الحديث: ۱۸۰۳۔

اندیشہ نہ ہو۔ بصورتِ دیگر سد ذریعہ کے طور پر اباحت زائل ہو جائے گی۔

مرد یا عورت کو دیکھنے کے جواز کے حدود

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کے اس حصہ کو دیکھنا جو ستر میں داخل نہیں ہے۔ یعنی ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصے کو دیکھنا مباح ہے بشرطیکہ بنظر شہوت نہ ہو اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کو دیکھنے کی اجازت دی تھی جبکہ وہ مسجد نبوی میں اپنے نیزوں سے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی طرف مسلسل دیکھتی رہیں یہاں تک کہ تھک کر واپس لوٹ گئیں۔ ❁

اسی طرح مرد کا عورت کے جسم کے اس حصہ پر نگاہ ڈالنا جو ستر میں داخل نہیں ہے یعنی اس کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ بنظر شہوت نہ دیکھا جائے اور نہ اس سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي لِبَاسٍ رَقِيقٍ يَشْفُ عَنْ جِسْمِهَا فَأَعْرَضَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا وَقَالَ: يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يُصَلِحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا. وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفِّهِ. ❁

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی بہن اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر باریک لباس پہنے ہوئے جس کے اندر سے جسم نظر آ رہا تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی ﷺ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے روا نہیں کہ

❁ صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والورق یوم العید، رقم الحدیث: ۹۵۰؛

صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصية فیہ، رقم الحدیث:

-۸۹۲

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیہما تبدی المرأة من زوجها، رقم الحدیث:

۴۱۰۴؛ الدرر المنثور للسیوطی، ۴۲/۵؛ نصب الرایة للزیلعی، ۲۹۹/۱، کتاب الصلوة۔

اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے سوائے اس اور اس حصہ کے۔ آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔“

اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے لیکن صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو مباح ہے۔

الغرض پاکیزہ نظر مرد یا عورت کے جسم کے اس حصہ پر ڈالنا جو ستر میں داخل نہیں ہے جائز ہے بشرطیکہ بار بار نظر نہ ڈالی جائے اور نہ گھور گھور کر دیکھا جائے کہ یہ اکثر تلذذ اور فتنہ کے اندیشہ کا باعث بنتا ہے۔ ❁

❁ مصنف نے مرد اور عورت کے ستر پر جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ، عورت غیر محرم مرد کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھول سکتی ہے۔ اور کہا کہ غیر محرم مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ ستر والے مقامات نہ دیکھے، اسی طرح عورت بھی مرد کو دیکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ مومن عورت مردوں کے ساتھ خفیہ زینت کا اظہار نہ کرے جیسا کہ کان، بال، گردن، سینہ، پنڈلی وغیرہ کیونکہ اس سے فتنہ کا ڈر ہے۔ پھر مؤلف نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ پھر ابن عباس کا عمل ذکر کر کے عورت کی طرف دیکھنے کو مباح کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں جو کچھ مؤلف نے اس بحث میں نقل کیا ہے۔ وہ بے شمار غلطیوں پر مبنی ہے۔ نمبر (۱) انہوں نے مردوں کا عورتوں کی طرف دیکھنا اور عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا جائز کہا ہے یہ قول بالکل باطل اور بے بنیاد ہے۔ دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ عورت کا مکمل جسم پردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾

”اے نبی ﷺ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے وہ اپنے اوپر اپنی اوڑھنیاں گرائے رکھیں۔“

میں یہ بات بھی کہنا چاہوں گا ظاہری زینت کے بارے میں تو علما کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے مگر باطنی زینت تو عورت صرف اور صرف اپنے خاوند کے لئے ہی کھول سکتی ہے۔ ظاہری زینت محرم مردوں کے سامنے کھولنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حجاب کی آیات اترنے سے پہلے عورتیں بغیر چادر اوڑھے اپنے گھر سے نکلتی تھیں اور لوگ ان کا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ دیکھتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے اب ہاتھ چہرہ ہر ایک کا چھپانا واجب ہے اور اس کا اظہار جائز نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور نامور تابعین کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت جب گھر سے نکلے تو اپنے سر پر ایک زائد چادر لے کر نکلے جس سے وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ چھپائے۔ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے عبیدہ سلمانی سے ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ آیت مبارکہ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے اپنا سر اور چہرہ وغیرہ چھپالیا۔“ المختصر بے شمار قوی ترین دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ ڈھانپ کر باہر نکلے کیونکہ چہرہ ہی تمام جسم میں کشش اور فتنہ کا باعث ہے۔ ہم مزید دلائل کو طوالت کی غرض سے نقل نہیں کر رہے۔ مزید دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال و الحرام: ۵۷-۷۲۔] (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁)

اسلام نے اچھتی ہوئی نظر کو جو اچانک پڑ جاتی ہے قابلِ معافی قرار دے کر بڑی فراخی کا ثبوت دیا ہے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

((سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفَجَاءَةِ فَقَالَ: إِصْرَفْ بَصْرَكَ.)) ❁

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہ پھیر دو۔“
یعنی دوبارہ نظر نہ ڈالو۔

عورت کیلئے اظہارِ زینت کس حد تک جائز اور کس حد تک ناجائز ہے

عورتوں سے متعلق مزید ہدایات درج ذیل ہیں:

(الف) ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ❁

”اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے۔“

عورت کی زینت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اسے آراستہ کرنے والی اور اس میں جمال پیدا کرنے والی ہو خواہ وہ خلقی زینت ہو جیسے چہرہ، بال اور جسم کے دوسرے محاسن، یا اکتسابی جیسے کپڑے، زیور، سرخی وغیرہ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی زینت چھپائیں اور اس کو ظاہر نہ کریں اور اس سے مستثنیٰ صرف ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (زینت میں سے جو ظاہر ہو جائے) کو کر دیا۔

﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے معنی کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا اس

(گزشتہ سے پوستہ) اور مصنف نے حدیث عائشہ میں حضرت اسماء کے قصہ سے جو استدلال کیا ہے وہ بھی کمزور ہے کیونکہ آپ نے حضرت اسماء کو باریک کپڑے پہننے سے منع کیا ہے اس میں یہ ذکر کہاں ہے کہ حضرت اسماء کا چہرہ نگاہ تھا۔ مزید تفصیل دیکھنے کے لئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۵۷-۷۲]۔

❁ [صحیح] [مسند احمد بن حنبل ۴/۳۶۱، رقم الحدیث: ۱۹۱۹۷؛ صحیح مسلم،

کتاب الآداب، باب نظر الفجاءة، رقم الحدیث: ۲۱۵۹؛ جامع ترمذی، کتاب الاستئذان، باب

ما جاء في نظرة الفجاءة، رقم الحدیث: ۲۷۷۶] ❁ [۲۴/النور: ۳۱۔

کے معنی ضرورۃً بغیر کسی قصد کے ظاہر ہو جانے کے ہیں، مثلاً جو ہوا کے جھونکے سے کھل جائے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز جو عادتاً اور قدرتی طور پر ظاہر ہوتی ہے اور جس کی اصل حقیقت ظاہر ہونا ہی ہے؟

اکثر سلف سے جو کچھ منقول ہے اس سے دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ * سرمہ اور انگوٹھی کے اظہار سے ان کے اعضا کا اظہار بھی لازم آتا ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں۔ اور سعید بن جبیر، عطاء اور اوزاعی وغیرہ سے صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور قتادہ وغیرہ سے جو روایتیں ہیں ان میں کنگنوں کا اضافہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ہتھیلی کے علاوہ ہاتھ کا مزید کچھ حصہ بھی مستثنیٰ ہے۔ اس کی حد بہ اختلاف آرا ایک مشت سے لے کر نصف ہاتھ تک ہو سکتی ہے۔

اس توسع کے برخلاف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور نخعی وغیرہ کا مسلک ہے۔ انہوں نے ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے چادر وغیرہ ظاہری کپڑے مراد لیے ہیں۔ * لیکن ان چیزوں کو چھپانا ممکن ہی نہیں ہے۔

میرے خیال میں قابل ترجیح یہ ہے کہ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کو چہرہ اور ہتھیلیوں تک محدود رکھا جائے اور زینت کی جو چیزیں عادتاً بغیر کسی غلو یا اسراف کے ان اعضا سے متعلق ہوتی ہیں ان کو ان میں شامل سمجھا جائے۔ مثلاً ہاتھ کی انگوٹھی، آنکھوں کا سرمہ وغیرہ جس کی صراحت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے کی ہے۔

* السنن الكبرى للبيهقي، ۹۴/۷، باب ماتبدى المرأة من زينتها؛ تفسير طبرى، ۳۰۴/۸،

رقم الحديث: ۲۵۹۶۰ [سورة النور آيت نمبر ۳۱]؛ الدر المنثور للسيوطي، ۱۷۹/۶۔

* تفسير طبرى، ۳۰۳/۹، رقم الحديث: ۲۵۹۵۲؛ الدر المنثور للسيوطي، ۱۷۹/۶؛

المعجم الكبير للطبراني، ۲۲۸/۹، رقم الحديث: ۹۱۱۵؛ مستدرک حاکم، ۳۹۷/۲، رقم

الحديث: ۳۵۵۱۔

سرخی اور پاؤڈر کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ ان چیزوں کو موجودہ زمانہ کی عورتیں رخسار، ہونٹ اور ناخن کے لیے استعمال کرتی ہیں لیکن یہ سخت ناپسندیدہ غلو ہے۔ ان چیزوں کو بس گھر ہی میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن آج کل عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت مردوں کے لیے کشش پیدا کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں لیکن یہ حرام ہے۔ رہی ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی یہ تفسیر کہ اس سے چادر وغیرہ خارجی کپڑے مراد ہیں تو یہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ان کپڑوں کا ظاہر ہونا قدرتی امر ہے جس کی ممانعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ اسی طرح یہ تفسیر بھی قابل قبول نہیں ہے کہ اس سے مراد ہوا کے جھونکے وغیرہ سے چادر کا کھل جانا ہے، کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہوتا لہذا اسے مستثنیٰ کرنا اور نہ کرنا بالکل یکساں ہے۔ استثناء سے تو جو بات متبادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو چیزیں چھپائی جاسکتی ہیں ان کو ظاہر کرنے کے سلسلہ میں یہ استثناء ہے اور یہ مؤمن خواتین کے حق میں رخصت اور تخفیف ہے۔ اور معقول بات یہ ہے کہ یہ رخصت چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں ہونی چاہیے۔

چہرے اور ہتھیلیوں کے بارے میں یہ رعایت اس لیے کر دی گئی ہے کہ ان کو چھپانا عورت کے لیے باعث حرج ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ اسے جائز ضرورت سے باہر نکلنا پڑے، مثلاً بیواؤں کو اپنی اولاد کی ضروریات کے لیے اور غریب عورتوں کو اپنے شوہروں کی معاونت کے لیے باہر نکلنا پڑے۔ ایسی صورت میں نقاب ڈالنے اور ہتھیلیاں چھپانے کی پابندی ان کے لیے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہوگی۔
قرطبی کہتے ہیں:

عام طور سے چہرہ اور ہتھیلیاں عادتاً نیز نماز، حج وغیرہ عبادت کے موقع پر کھل جاتی ہیں تو صحیح بات یہی ہے کہ استثناء ان ہی اعضا کے سلسلہ میں سمجھا جائے۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دلالت کرتی ہے جسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے:

((أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ. فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ لَهَا:

يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يُصَلِّحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا
الْأَهْذَا وَهَذَا، وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ. ❁

”اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے لیے رونا نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے سوائے اس کے اور اس کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔“

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ. ❁﴾
”مؤمنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے چہروں پر نقاب پڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ اگر عورت کا جسم اور چہرہ سب ڈھکا ہوا ہوتا تو غرض بصر کا حکم دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جب دیکھنے کے لیے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو تو نگاہوں کو نیچا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟

اس کے باوجود عورت کے لئے اکمل اور مناسب ترین صورت یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو پوری طرح چھپانے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے اپنا چہرہ بھی چھپائے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بگاڑ عام ہو گیا ہے اور فسق کی گرم بازاری ہے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے جبکہ عورت اس قدر حسین ہو کہ اس پر کسی کے فریفتہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأة من زوجها، رقم الحدیث:

۴۱۰۴؛ الدر المنثور للسيوطی ۵/۴۲؛ نصب الرایة للزیلعی، ۱/۲۹۹ کتاب الصلوة۔ ولید بن

مسلم کی معنعن ہے اور سعید بن بشیر ضعیف ہے۔ (انوار الصحیفة لزبیر علی زنی، ص ۱۰۴)۔

(ب) ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ ❀

”اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔“

مسلمان عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا سر اوڑھنی سے ڈھانک لے اور اس سے اپنے سینہ، گلے اور گردن کو چھپائے تاکہ آنے جانے والوں کی نظریں اس پر نہ پڑیں۔

(ج) ﴿وَلَا يُدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ

بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي

إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَمْلُوكَاتٍ أَيْمَانُهُنَّ

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ

يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ ❀

”وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، شوہروں

کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں،

اپنے مملوک، وہ زبردست مرد جو کوئی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو ابھی

عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں۔“

اس آیت میں مؤمن عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ زینت مثلاً کان،

بال، گردن، سینہ اور پنڈلی کی زینت اجنبی مردوں کے سامنے نہ کھولے۔ ان کے سامنے

صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت ہے۔

اس ممانعت سے بارہ اصناف کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے:-

❶ اُن کے شوہر: چنانچہ مرد اپنی بیوی کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح

عورت اپنے شوہر کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھ سکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

((أَحْفَظُ عَوْرَتِكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ)) ❀

❀ ۲۴/النور: ۳۱ - ❀ ۲۴/النور: ۳۱

❀ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب فی التعری، رقم الحدیث: ۴۰۱۷؛ جامع

ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی حفظ العورة، رقم الحدیث: ۲۷۶۹؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع، رقم الحدیث: ۱۹۲۰۔

”اپنے ستر کو چھپاؤ بجز اپنی بیوی کے۔“

2. اُن کے آباء: باپ کے علاوہ دادا اور نانا۔
 3. اُن کے شوہروں کے باپ: یہ بھی گویا ان ہی کے باپ کے حکم میں ہیں۔
 4. اُن کے بیٹے: اسی طرح ان کی اولاد کے بیٹے یعنی پوتے اور نواسے۔
 5. شوہر کے بیٹے: کیونکہ ان کے ساتھ رہنا ہوتا ہے اور ان کے لیے ماں کی جگہ ہوتی ہے۔
 6. اُن کے بھائی: خواہ سگے ہوں یا علاتی یا اخیانی۔
 7. اُن کے بھتیجے: اس وجہ سے کہ پھوپھی کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔
 8. اُن کے بھانجے: اس وجہ سے کہ خالہ کا رشتہ ابدی حرمت کا رشتہ ہوتا ہے۔
 9. اُن کی عورتیں: یعنی وہ عورتیں جن سے نسب یا دین کے تعلق سے ربط ہو۔ رہیں غیر مسلم عورتیں تو ان کے سامنے زینت کا اظہار جائز نہیں بجز اس کے جس کا اظہار مردوں کے سامنے جائز ہے۔
 10. اُن کے مملوک: یعنی اُن کی لونڈیاں اور غلام کہ اسلام نے انہیں ارکانِ خاندان کا سا درجہ دیا۔ البتہ بعض ائمہ نے صرف لونڈیاں مراد لی ہیں۔
 11. وہ مرد جو زیرِ حراست ہوں اور جن کو کچھ غرض نہ ہو: یہ اجیر اور تابع لوگ ہیں جنہیں بدنی یا عقلی سبب سے شہوت نہیں ہوتی۔ ان لوگوں میں یہ دونوں باتیں وافر طور پر موجود ہونی چاہئیں یعنی ان کا گھر میں تابع کی حیثیت سے ہونا اور شہوت کا فقدان۔
 12. وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں ہوئے: یہ چھوٹے بچے ہیں جن کے اندر ابھی جنسی شعور پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جب یہ شعور پیدا ہو جائے تو ان کے سامنے پوشیدہ زینت کا اظہار جائز نہیں ہوگا اگرچہ کہ وہ نابالغ ہوں۔
- ☆ آیت میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ وہ عرفاً باپ کے درجہ میں ہیں۔
- حدیث میں ہے:

((عَمَّ الرَّجُلِ صِنُوْ أَبِيهِ.)) ❁

”آدمی کا چچا بمنزلہ والد کے ہوتا ہے۔“

عورتوں کا ستر

گزشتہ بحث سے معلوم ہو گیا کہ جسم کا وہ حصہ جس کا کھولنا عورت کے لیے جائز نہیں ہے وہ ستر ہے جس کا چھپانا واجب اور کھولنا حرام ہے۔

عورت کا ستر اجنبی مرد اور غیر مسلم عورتوں کے تعلق سے اس کا پورا جسم ہے بجز چہرے اور ہتھیلیوں کے کہ ان دو چیزوں کا کھولنا ”جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے“ معاملات اور لین دین کی ضرورتوں کے پیش نظر جائز ہے۔ جس حصہ جسم کو کھولنے کی واقعی ضرورت نہیں ہے اسے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور جو حصہ جسم معمولاً کھلا رہتا ہے اور ضرورتاً اس کو کھولنا ہی پڑتا ہے اس کو کھولنے کی اجازت انہیں دی گئی ہے کیونکہ اسلام کے شرعی احکام حنیفیت اور وسعت پر مبنی ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”چونکہ چہرہ اور ہتھیلیوں کا کھلا رہنا ایک ضروری سی بات ہے اس لیے فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ستر میں داخل نہیں ہیں۔ رہے قدم تو ان کا کھلا رہنا کچھ ضروری نہیں ہے اس لیے اس بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ ستر میں داخل ہیں یا نہیں۔“ ❁

اور عورت کا ستر مذکورہ بالا بارہ اصناف کے تعلق سے باطنی زینت کی جگہوں مثلاً کان، بال، گردن، سینہ، ہاتھ اور پنڈلیوں کے سوا بقیہ حصہ جسم ہے۔ کیونکہ آیت کی رو سے مذکورہ بالا اصناف کے سامنے اظہار زینت جائز ہے۔ لیکن بقیہ حصہ جسم مثلاً پیٹھ، پیٹ، شرمگاہیں اور رانیں تو ان کا کھولنا کسی بھی عورت یا مرد کے سامنے جائز نہیں ہے بجز شوہر کے۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فی تقدیم الزکاة و منها، رقم الحدیث: ۹۸۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی تعجیل الزکاة، رقم الحدیث: ۱۶۲۳؛ جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب اللهم اغفر للعباس، رقم الحدیث: ۳۷۶۱؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۲۲/۲، رقم الحدیث:

آیت کا یہ مفہوم بعض ائمہ کے اس مسلک سے قریب تر ہے کہ عورت کا ستر محرموں کے لیے صرف ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور عورت کا ستر عورت کے لیے بھی اسی حد تک ہے بلکہ آیت کا مدلول بعض علما کے اس قول سے قریب تر ہے کہ عورت کا ستر محرم کے لیے جسم کا وہ حصہ ہے جو کام کاج کے وقت کھلا نہیں رہتا۔ لیکن جو حصہ جسم گھر میں کام کاج کے وقت معمولاً کھل جایا کرتا ہے اس کا دیکھنا محرم کے لیے جائز ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ باہر نکلتے وقت اپنے اوپر بڑی چادر ڈال لیا کریں تاکہ وہ کافر اور فاجر عورتوں کے مقابلہ میں ممتاز ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اس پیغام الہی کو امت تک پہنچادیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَ أَرَاكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۗ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلا يُؤْذَيْنَ ۗ﴾

”اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں پریشان نہ کیا جاسکے۔“

جلابیب، جلباب کی جمع ہے جس کے معنی کشادہ کپڑے کے ہیں جیسے برقع جسے عورتیں پردہ کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

بعض خواتین جاہلیت جب گھروں سے نکلتیں تو اپنے بعض محاسن سینہ، گردن، بال وغیرہ کھلے رکھتیں۔ فاسق اور بے کار لوگ ان کے پیچھے پڑ جاتے۔ ان حالات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے مؤمن خواتین کو حکم دیا کہ وہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں تاکہ جسم کے یہ حصے ڈھک جائیں اور ظاہری ہیئت سے وہ پہچان لی جائیں کہ مؤمنہ عقیفہ ہیں، لہذا کوئی منافق یا بے حیا آدمی انہیں ایذا پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے۔

آیت میں جو علت بیان کی گئی ہے اس سے واضح ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ فاسقوں کی طرف سے اذیت اور بے حیا لوگوں کی طرف سے نظر بازی کا اندیشہ تھا، ورنہ فی الواقع خود ان خواتین کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا، اور نہ ان پر اعتماد میں کوئی کمی تھی۔ لیکن جو عورت اپنی زینت اور کپڑے دکھاتے پھرتی ہے یا نازنخرے سے چلتی ہے یا نرم و نازک باتیں کرتی ہے وہ ہمیشہ مردوں کے اندر اکساہٹ پیدا کرتی ہے اور چھیڑخوانی کرنے والوں کے دلوں میں بُری خواہش پیدا کرتی ہے بمصداق اس آیت کریمہ کے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ ❁

”دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بُری خواہش کرنے لگے۔“

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے مسلمان خواتین کے پردہ اور تحفظ کے معاملہ میں شدت برتی ہے اور اس میں رخصت نہیں دی سوائے اس کے کہ بوڑھی عورتوں کے لیے احکام میں قدرے تخفیف کر دی ہے۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ❁

”اور بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ اس سے احتیاط برتیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

قواعد سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے بیٹھی رہیں جنہیں نہ حیض آتا ہو اور نہ انہیں اولاد کی توقع ہو۔ اس بنا پر نہ وہ شادی کی خواہش مند ہوتی ہیں اور نہ انہیں مردوں

سے رغبت ہوتی ہے، نیز مردوں کو بھی ان سے رغبت نہیں ہوتی۔ ایسی عورتوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے پابندیوں میں تخفیف کر دی ہے اور انہیں اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے خارجی اور ظاہری کپڑے مثلاً چادر، برقع، عبا اور اوڑھنی وغیرہ اتار دیا کریں۔ یہ رخصت بھی غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ مَبْرِيْنَةٍ کے ساتھ مشروط ہے، یعنی نمائش کرنے کی غرض سے کپڑے نہ اتارے بلکہ ضرورتاً بغرض سہولت اس تخفیف سے فائدہ اٹھائیں۔ اس رخصت کے باوجود بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ وہ اکمل صورت کو اختیار کرنے اور شبہات سے بچنے کی غرض سے اس معاملہ میں احتیاط برتیں۔

عام حماموں میں عورت کا داخل ہونا

چونکہ اسلام ستر کی حفاظت کرنا اور اس کو چھپانا چاہتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عورت کو عام حماموں میں داخل ہونے اور دیگر عورتوں کے سامنے برہنہ ہونے سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان عورتوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کے جسمانی اوصاف کا ذکر مجلسوں میں کرنا لذتِ دہن کا کام سمجھتی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے مرد کو بغیر ستر تہبند کے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ الْحَمَّامَ إِلَّا

بِمِئْزِرٍ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلُ حَلِيْلَتَهُ

الْحَمَّامَ.)) ❁

”جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ حمام میں بغیر تہبند

کے داخل نہ ہو۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ

اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔“

❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۳۹، رقم الحدیث: ۱۴۶۵۱؛ جامع ترمذی، کتاب

الأدب، باب ماجاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۱؛ سنن النسائی، کتاب الغسل، باب

الرخصة فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۴۰۱؛ مستدرک حاکم، ۴/۲۸۸۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ دُخُولِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ

لِلرِّجَالِ أَنْ يَدْخُلُوهَا بِالْمَازِرِ)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ بعد میں

مردوں کو تہبند کے ساتھ داخل ہونے کی اجازت دے دی۔“

اس سے مستثنیٰ صورت یہ ہے کہ کوئی عورت بیماری یا نفاس وغیرہ کے علاج کی غرض

سے حمام میں داخل ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

حماموں کے بارے میں فرمایا:

((فَلَا يَدْخُلُهَا الرِّجَالُ إِلَّا بِمِئْزَرٍ وَامْنَعُوهَا النِّسَاءَ إِلَّا مَرِيضَةً

أَوْ نَفْسَاءً.)) ❁

”مرد بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہ ہوں اور عورتوں کو بھی اس سے منع کرو

الایہ کہ کوئی عورت مریضہ ہو یا نفاس سے ہو۔“

اس حدیث کی اسناد میں کسی قدر ضعف ہے لیکن شریعت نے اپنے اصولوں میں

مریض کے لیے جو رخصت رکھی ہے اس سے اسے تقویت پہنچتی ہے۔ نیز اس کی تائید اس

اصول سے بھی ہوتی ہے کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام کی گئی ہے وہ حاجت و مصلحت کے

لیے جائز ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ

نبی ﷺ نے فرمایا:

((اتَّقُوا بَيْتًا يُقَالُ لَهُ الْحَمَّامُ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ يَذْهَبُ

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب الدخول فی الحمام، رقم الحدیث: ۴۰۰۹؛

جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۲؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الأدب، باب دخول الحمام، رقم الحدیث: ۳۷۴۹۔

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب الدخول فی الحمام، رقم الحدیث:

۴۰۱۱؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب دخول الحمام، رقم الحدیث: ۳۷۴۸۔

الدَّرَنَ وَيَنْفَعُ الْمَرِيضَ قَالَ: فَمَنْ دَخَلَ فَلْيَسْتِرْ. ﴿١﴾
 ”اس گھر سے اجتناب کرو جسے حمام کہتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حمام میں نہانے سے میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور مریض کو فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا: ایسی صورت میں داخل ہونے والے کو اپنا ستر چھپانا چاہیے۔“

اگر کوئی عورت بلا عذر اور بلا ضرورت حمام میں داخل ہو جائے تو وہ حرام کی مرتکب ہو گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کی مستحق ہوگی جسے ابو یحییٰ ہذلی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

((إِنَّ نِسَاءَ مِنْ أَهْلِ حِمَصَ أَوْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: أَنْتُنَّ اللَّاتِي تَدْخُلْنَ نِسَاءَ كُنَّ الْحَمَّامَاتِ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا هَتَكَتِ السُّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا.)) ﴿٢﴾

”اہل حمص یا اہل شام کی کچھ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: کیا تم عورتیں حمام میں داخل ہوتی ہو؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اپنے کپڑے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اتارتی ہے وہ اس پردہ کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور رب کے درمیان ہے۔“

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿١﴾ [صحیح] مستدرک حاکم، ۴/۲۸۸؛ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۲۷، رقم الحدیث:

۱۰۹۳۲؛ مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۲۷۷، رقم الحدیث: ۱۵۱۹۔

﴿٢﴾ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب الدخول فی الحمام، رقم الحدیث: ۴۰۱۰؛

جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی دخول الحمام، رقم الحدیث: ۲۸۰۳؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الأدب، باب دخول الحمام، رقم الحدیث: ۳۷۵۰۔

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَزَعَتْ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِهَا خَرَقَ اللَّهُ عَنْهَا سِتْرَهُ.)) ❁

”جو عورت اپنے کپڑے کسی دوسرے کے گھر میں اتارتی ہے اللہ تعالیٰ اس

پردہ کو جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے چاک کر دیتا ہے۔“

جب اسلام کے احکام عورتوں کے حمام میں داخل ہونے کے بارے میں اتنے سخت

ہیں حالانکہ حمام چہار دیواری والا گھر ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا جس میں صرف عورتیں داخل

ہوتی ہیں تو ان بے حیا اور آوارہ عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا جو اپنے ستر کاراستوں پر

مظاہرہ کرتی پھرتی ہیں اور ساحل سمندر پر اپنے اجسام کی نمائش کرتی ہیں تاکہ حریص

آنکھوں کے لیے لذت دید کا اور شہوانی جذبات کے لیے تسکین کا سامان کریں۔

درحقیقت انہوں نے شرم و حیا کے اُن تمام پردوں کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے جو ان

کے اور رحمن کے درمیان تھے۔ اور اس گناہ میں مرد بھی شریک ہیں کیونکہ انہیں ذمہ دار نگران

بنایا گیا تھا۔ کاش کہ وہ جان لیتے!

تبرج کی حرمت

مسلمان خاتون کافر اور جاہلی خاتون کے مقابلہ میں ممتاز اخلاق کی حامل ہوتی ہے۔

اس کے اندر اخلاق کی پاسداری، عزت و عفت اور شرم و حیا جیسے اوصاف ہوتے ہیں لیکن

جاہلی عورت کا اخلاق ہوتا ہے تبرج اور مردوں کے صنفی جذبات کو مشتعل کرنا۔

تبرج کے معنی کھل جانے اور ظاہر ہونے کے ہیں۔ زخشری کہتے ہیں کہ تبرج کی

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو چھپانا ضروری ہے اس کو بہ تکلف ظاہر کیا جائے لیکن یہ لفظ اُس

اظہارِ زینت اور اظہارِ محاسن کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جو عورتیں مردوں کے سامنے کرتی

ہیں۔ اور زخشری نے اس پر اس خصوصیت کا اضافہ کیا ہے کہ جس زینت کا اخفا ضروری ہے

اس کا قصد اور بہ تکلف اظہار کیا جائے۔ یہ چیز جس کا اخفا ضروری ہے جسم کا کوئی حصہ بھی ہو

❁ مسند احمد، ۳۰۱/۶، رقم الحدیث: ۲۶۵۶۹؛ مستدرک حاکم، ۲۸۹/۴؛ مسند ابی

یعلیٰ، ۴۶۰/۱۲، رقم الحدیث: ۷۰۳۱۔

سکتا ہے اور کسی عضو کی حرکت بھی، گفتگو اور چلنے کا طریقہ بھی ہو سکتا ہے اور زیور وغیرہ آرائش کی چیزیں بھی۔

تبرج کی مختلف صورتیں اور مظاہر ہیں جن سے لوگ قدیم زمانہ میں بھی آشنا تھے اور جدید زمانہ میں بھی آشنا ہیں۔ مفسرین نے بعض صورتوں کا ذکر

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ ❁

”اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور سابق دورِ جاہلیت کا سادکھاوا نہ کرتی پھرو۔“

کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”عورت باہر نکل کر مردوں کے درمیان چلا کرتی تھی۔“

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”عورتیں نازنخرے کے ساتھ چلا کرتی تھیں۔“

اور مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”تبرج یہ ہے کہ عورتیں اپنا دوپٹہ اس طرح سروں پر ڈال لیا کرتیں کہ ہار،

بالیاں، گردن وغیرہ کھلی رہتی۔“ ❁

یہ تھیں قدیم جاہلیت کے تبرج کی صورتیں یعنی مردوں کے ساتھ اختلاط، چلنے میں ناز

نخرہ اور دوپٹہ اس طرح اوڑھنا کہ جسم کے محاسن اور زینت ظاہر ہو جائے۔ لیکن جدید

جاہلیت نے تبرج کی جو نئی صورتیں اور نئے ڈھنگ ایجاد کیے ہیں ان کے سامنے

قدیم جاہلیت کا تبرج مات کھا گیا ہے۔

تبرج کا اطلاق کس صورت میں نہیں ہوگا؟

درج ذیل آداب کی پابندی کرنے کی صورت میں مسلمان خاتون تبرج کے دائرہ سے نکل کر اسلامی تہذیب کی آغوش میں آجاتی ہے:

(ا) غَضِّ بَصَرٍ: کہ حیا عورت کا سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے اور حیا کا نمایاں ترین عنوان غَضِّ بَصَرٍ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾ ❁

”مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔“

(ب) مردوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے کی حد تک اختلاط جس کا مظاہرہ اس زمانہ میں سینما گھروں، یونیورسٹی کے راستوں، لیکچر ہالوں اور مسافر گاڑیوں میں ہوتا ہے۔

معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((لَا يُطْعَنُ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمَخِيْطٍ مِّنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ.)) ❁

”اپنے سر میں لوہے کی سوئی چھو دینا اس سے بہتر ہے کہ آدمی کسی ایسی عورت کو چھوئے جس کو چھونا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔“

(ج) اس کا لباس اسلامی تہذیب کے مطابق ہو۔ شرعی لباس وہ ہے جس میں درج ذیل اوصاف پائے جائیں:

❁ جو پورے جسم کے لیے ساتر ہو سوائے مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کو مستثنیٰ کر کے پورا جسم ڈھک جانا چاہیے۔

❁ کپڑے کے اندر سے بدن دکھائی نہ دے اور نہ جھلکے اس لیے کہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

((أَنَّ مِنْ أَهْلِ النَّارِ نِسَاءً كَأَسِيَّاتٍ عَارِيَّاتٍ مَائِلَاتٍ))

❁ ۲۴/النور: ۳۱۔ ❁ [صحیح] شعب الایمان للبیہقی، ۳۷۴/۴، رقم الحدیث: ۵۴۵۵،

باب فی تحریم الفروج؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۰/۳۱۱، ۲۱۲؛ مجمع الزوائد للہیثمی،

۳۲۶/۴، رقم الحدیث: ۷۷۱۸؛ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للألبانی، رقم الحدیث: ۲۲۶۔

مُمِيَلَاتٌ... لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا. ﴿١﴾

”وہ عورتیں دوزخی ہیں جو کپڑے پہن کر برہنہ رہتی ہیں، مردوں کی طرف راغب ہوتی ہیں اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔۔۔۔ ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پاسکیں گی۔“

کپڑے پہن کر برہنہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کپڑے ساتر نہیں ہوں گے بلکہ باریک اور شفاف ہونے کی وجہ سے ان کے اندر سے بدن جھلک رہا ہوگا۔

بنی تمیم کی کچھ عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

”اگر تم مومن عورتیں ہو تو یہ مومن عورتوں کے کپڑے نہیں ہیں۔“

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دلہن آئی جو باریک اور شفاف اور ہنسی اور ڈھے ہوئے تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

”جو عورت اس قسم کے کپڑے پہنتی ہے وہ سورہ نور پر ایمان نہیں رکھتی۔“ ﴿٢﴾

لباس ایسا چست نہ ہو کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں ہو جائیں جیسا کہ مغربی تہذیب کا لباس ہے جو جسم اور شہوت کی پرستار تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے زیر اثر فیشن (Fashion) اختراع کرنے والے اس انداز سے کپڑوں کی کٹنگ کرتے ہیں کہ پستان، کمر اور سرین جیسے اعضائے جسم نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس طرز پر سلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس سے جذبات میں ہیجان اور سفلی خواہشات میں تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کا لباس پہننے والی عورتیں بھی کاسیات عاریات (کپڑے پہن کر برہنہ رہنے والیاں) میں شامل ہیں۔ اور یہ کپڑے باریک اور شفاف کپڑوں سے بھی زیادہ ترغیب اور فتنہ کا باعث ہیں۔

﴿١﴾ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء، الکاسیات والعاریات، رقم الحدیث: ۲۱۲۸؛ شعب الایمان للبیہقی، ۳۴۸/۴، رقم الحدیث: ۵۳۵۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۵۶/۲، رقم الحدیث: ۸۶۶۵؛ السنن الكبرى للبیہقی، ۲۳۴/۲۔ ﴿٢﴾ الطبرانی.

4 ایسا لباس نہ پہنیں جو مردوں کے لیے مخصوص ہو، مثلاً پتلون جو ہمارے زمانہ میں مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جس طرح عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور عورت کو مرد کا لباس اور مرد کو عورت کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔

5 ایسا لباس نہ ہو جو یہودی، نصرانی اور مشرک عورتوں کے لیے مخصوص ہو کیونکہ ان سے تشبہ اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام مرد اور عورت میں امتیاز اور ظاہر و باطن میں کافر قوموں کی تقلید سے آزادی چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے بہت سے امور میں کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ❁

”جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہے۔“

(د) گفتار اور چال ڈھال میں وقار اور استقامت اختیار کرے اور چہرہ اور جسم کو ایسی حرکتوں سے بچائے رکھے جس سے جذبات مشتعل ہوتے ہوں۔ نازنخرے اور بری ادائیں فاجر عورتوں کا ڈھنگ ہے۔ مسلم خواتین کے اخلاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ ❁

”دلی زبان سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ بُری خواہش کرنے لگے۔“

(ه) اپنی پوشیدہ زینت کی طرف مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے کشش پیدا نہ کرے، مثلاً

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، رقم الحدیث: ۴۰۳۱؛

مجمع الزوائد للہیثمی ۱۰/۴۷۸، رقم الحدیث: ۱۷۹۵۹؛ المعجم الأوسط للطبرانی

۱۵۱/۹، رقم الحدیث: ۸۳۲۳؛ ارواء الغلیل للالبانی ۵/۱۰۹، رقم الحدیث: ۱۲۶۹۔

❁ ۳۳/الاحزاب: ۳۲۔

خوشبوؤں کا استعمال، زیورات کی جھنکار وغیرہ۔ ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بَارِجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ ❀

”اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ انہیں معلوم ہو جائے۔“

دورِ جاہلیت میں جب عورت لوگوں کے پاس سے گزرتی تو اپنے پاؤں زمین پر مار کر چلتی تاکہ پازیب کی جھنکار لوگ سنیں۔ قرآن نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ حرکت شہوت پرست مردوں کے شہوانی خیالات کو شہ دیتی ہے اور عورت کے بارے میں یہ بُرا خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف اور اپنی زینت کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔

اسی حکم میں مختلف قسم کی مہکنے والی خوشبوئیں اور عطریات شامل ہیں جن کو عورتیں صنفی جذبات کو برا بیچختہ کرنے اور مردوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی غرض سے استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((الْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَّاءٌ وَكَذَّاءٌ

يَعْنِي زَانِيَةٌ)) ❀

”عورت جب خوشبو لگا کر نکلتی ہے اور کسی مجلس کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ

ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو اس بات کا پابند نہیں کیا ہے کہ وہ گھر کی چہار دیواری میں مقید ہو کر رہ جائے اور جب قبر میں جانے کی نوبت آئے تب باہر نکلے، بلکہ اس کے لیے جائز کر دیا گیا ہے کہ نماز، حصولِ علم اور ہر قسم کی دینی اور جائز دنیوی ضرورتیں پوری کرنے

❀ ۳۳/ الاحزاب۔ ❀ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الرجل، باب فی طیب المرأة

للخروج، رقم الحدیث: ۴۱۷۳؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی کراهیة خروج

المرأة متعطرة، رقم الحدیث: ۲۲۸۶؛ سنن نسائی، کتاب الزینة، باب ما یکره للنساء من الطیب،

رقم الحدیث: ۵۱۲۹۔

کے لیے باہر نکلے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں اور ان کے بعد خیر القرون کی عورتیں ان اغراض کے لیے باہر نکلا کرتی تھیں۔ ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جو قتال اور غزوات میں شرکت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے رضی اللہ عنہم اور قائدین اسلام کے ساتھ باہر نکلی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

((قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ.)) ❁

”اللہ نے تمہیں اپنی ضرورتوں کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔“

نیز فرمایا:

((اِذَا اسْتَاذَنْتِ امْرَاَةٌ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا.)) ❁

”جب کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت چاہے تو اسے چاہیے کہ روکے

نہیں۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((لَا تَمْنَعُوا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ.)) ❁

”اللہ کی بندویوں کو اللہ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔“

بعض متشدد علماء اس طرف گئے ہیں کہ عورت کے لیے مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کا

دیکھنا حرام ہے۔ وہ ترمذی کی نبہان۔ ام سلمہ کے غلام۔ والی حدیث سے استدلال

کرتے ہیں:

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب خروج النساء لحوائجہن، رقم الحدیث: ۵۲۳۷؛ صحیح

مسلم، کتاب السلام، باب اباحة الخروج للنساء لقضاء حاجة الانسان، رقم الحدیث: ۲۱۷۰۔

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاستئذان المرأة زوجها لخروج الى المسجد، رقم

الحدیث: ۵۲۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، رقم الحدیث:

۴۴۲؛ مسند ابی یعلیٰ ۴۱۲/۹، رقم الحدیث: ۵۵۵۹؛ مسند احمد بن حنبل ۷/۲، رقم الحدیث:

۴۵۲۲۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب (۱۳)، رقم الحدیث: ۹۰۰؛ صحیح

مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد، رقم الحدیث: ۴۴۲؛ مسند احمد بن

حنبل ۱۶/۲، رقم الحدیث: ۴۶۵۵۔

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا وَلِمَيْمُونَةَ وَقَدْ دَخَلَ عَلَيْهِمَا ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ اِحْتَجَابًا فَقَالَتَا إِنَّهُ أَعْمَى، قَالَ أَفَعُمِيَا وَإِنْ أَنْتُمَا أَلْسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ؟)) ❁

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کے پاس آگئے تھے کہ ان سے پردہ کرو۔ انہوں نے کہا: وہ نابینا ہیں۔ فرمایا: کیا تم بھی نابینا ہو؟ تم دونوں انہیں دیکھ نہیں رہی ہو؟“

لیکن محققین کہتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی نبہان جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام ہے، حدیث کے معاملہ میں قابل حجت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے ساتھ ان کی حرمت کے پیش نظر سختی برتی ہوگی جس طرح پردہ کے معاملہ میں ان کے لیے احکام سخت تھے۔ اس کی طرف ابوداؤد اور دیگر ائمہ نے اشارہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث رہ جاتی ہے جو صحیح بھی ہے اور ثابت شدہ بھی اور جس کا مفہوم بھی واضح ہے۔ وہ یہ کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ أَنْ تَقْضِيَ عِدَّتَهَا فِي بَيْتِ أُمِّ شُرَيْكٍ ثُمَّ اسْتَدْرَكَ فَقَالَ تِلْكَ امْرَأَةٌ يَغْشَاهَا أَصْحَابِي، اِعْتَدِي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ أَعْمَى تَضَعِينَ ثِيَابَكَ وَلَا يَرَاكِ)) ❁

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی قوله تعالیٰ ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ...﴾، رقم الحدیث: ۴۱۱۲؛ جامع ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال، رقم الحدیث: ۲۷۷۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۲۹۶، رقم الحدیث: ۲۶۵۳۷؛ ارواء الغلیل للألبانی ۶/۲۱۰، ۲۱۱، رقم الحدیث: ۱۸۰۶۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقه البائن لا نفقة لها، رقم الحدیث: ۱۴۸۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی نفقة المبتوتة، رقم الحدیث: ۲۲۸۴؛ مسند احمد بن حنبل ۶/۴۱۲، رقم الحدیث: ۲۷۳۲۷۔

”نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: اس عورت کے پاس میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کی آمد و رفت رہتی ہے، لہذا تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ وہ نابینا ہیں تم وہاں اپنی اوڑھنی وغیرہ اتارو گی تو تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے گا۔“

عورت شوہر کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے

مذکورہ بحث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کے مہمانوں کی خدمت کر سکتی ہے بشرطیکہ لباس، زینت، گفتگو اور چال ڈھال میں اسلامی آداب کو ملحوظ رکھے۔ قدرتی بات ہے کہ اس حال میں مہمان اسے دیکھ لیں گے اور وہ مہمانوں کو دیکھ لے گی۔ لہذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ ❁

شیخین (بخاری و مسلم) نے سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

((لَمَّا عَرَسَ أَبُو أُسَيْدٍ السَّاعِدِيُّ دَعَا النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ فَمَا صَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا وَلَا قَدَّمَ إِلَيْهِمْ إِلَّا امْرَأَتَهُ أُمَّ أُسَيْدٍ بَلَّتْ تَمْرَاتٍ فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ مِنَ اللَّيْلِ. فَلَمَّا فَرَغَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاتَتْهُ لَهُ فَسَقَتْهُ تُحِفُهُ بِذَلِكَ.)) ❁

”ابو اسید ساعدی نے شادی کی تقریب میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے

❁ مصنف نے علی الاطلاق شوہر کی موجودگی میں عورت کے لیے مہمانوں کی خدمت کو جائز کہا ہے جب کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس عورت کے لئے آٹھ شروط بیان کی ہیں۔ (۱) تمام بدن کو اچھی طرح ڈھانپا جائے (۲) یہ پردہ زینت کا باعث نہ ہو (۳) کپڑا موٹا ہو باریک نہ ہو (۴) تنگ نہ ہو کہ جسم کی بناوٹ ظاہر ہو (۵) عورت نے خوشبو نہ لگا رکھی ہو۔ (۶) لباس مردوں سے مشابہ نہ ہو (۷) کافر عورتوں کا لباس نہ ہو (۸) لباس شہرت (سب کی توجہ کا مرکز نہ ہو) دیکھئے [آداب الزفاف للالبانی]۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قیام المرأة علی الرجال فی العرس، رقم الحدیث: ۵۱۸۲؛ صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب اباحة النبید الذی لم یشتد، رقم الحدیث: ۲۰۰۶۔

اصحاب رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ اس موقع پر کھانا تیار کرنے اور اس کو پیش کرنے کی خدمت ان کی بیوی ام اُسید نے انجام دی۔ انہوں نے پتھر کے ایک برتن میں کچھ چھوہارے رات سے بھگونے کے لیے چھوڑ دیئے۔ جب نبی ﷺ کھانے سے فارغ ہو گئے تو ان کو اپنے ہاتھ سے گھول کر آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا تحفہ نوش کرنے کے لیے پیش کر دیا۔“

اس حدیث سے ”جیسا کہ شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں“ اس بات کا جواز نکلتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے علاوہ اس کے مہمانوں کی بھی خدمت کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے اس کا موقع وہی ہو سکتا ہے جبکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو اور عورت پر ستر کی جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان کا لحاظ کرے۔ ایسی صورت میں مرد کا اپنی بیوی سے مہمانوں کی تواضع کی خدمت لینا جائز ہے۔ لیکن اگر عورت ستر کے سلسلہ میں اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کا لحاظ نہ کرے جیسا کہ موجودہ زمانہ کی اکثر عورتوں کا حال ہے تو ایسی صورت میں ان کا مردوں کے سامنے آنا حرام ہو جاتا ہے۔

خلافِ فطرت فعل کبائر میں سے ہے

جنسی خواہش کی جو تنظیم اسلام نے کی ہے اس سلسلہ کی ایک بات یہ ہے کہ جس طرح زنا اور اس کے ذرائع کو حرام ٹھہرایا ہے اسی طرح خلافِ فطرت فعل کو بھی جسے لوگ ”لواطت“ یا ”عمل قوم لوط“ کے نام سے جانتے ہیں حرام کر دیا ہے۔ یہ فعل خبیث خلافِ فطرت، گندگی سے آلودہ کرنے والا، مردانگی کو خراب کرنے والا اور عورت کے حق میں ظلم ہے۔

کسی سوسائٹی میں اس خباثت کے پھیلنے سے ان کی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اس فعل کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر اخلاق، عرف، ذوقِ سلیم سب کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارے لیے قرآن کا بیان کردہ قصہ قوم لوط کافی ہے۔ اس قوم نے اس گندے اور بے حیائی کے کام کا آغاز کر کے اسے رواج دیا تھا۔ وہ جائز اور پاکیزہ

عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے تاکہ خبیث اور حرام شہوت کا ارتکاب کریں۔ اسی لیے اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا:

﴿آتَاؤُنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَلَمِينَ ، وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ

مِنْ أَزْوَاجِكُمْ . بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ .﴾ ❀

”دنیا والوں میں سے تم ہی ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو، اور تمہارے لیے جو بیویاں اللہ نے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔“

اور قرآن نے اس کا ابطال کرتے ہوئے اسے ظلم و زیادتی، جہالت و فساد اور جرم

قرار دیا۔

جو شخص اس بے حیائی کا مرتکب ہو اس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ آیا فاعل و مفعول دونوں پر زنا کی حد جاری کی جائے؟ یا دونوں کو قتل کر دیا جائے؟ قتل کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ تلوار سے قتل کیا جائے یا آگ میں ڈال دیا جائے یا دیوار پر سے گرا دیا جائے؟

اتنی سخت سزا اس لیے تجویز کی گئی ہے کہ اسلامی معاشرے کو ان فاسد اور مضر جرائم سے پاک رکھا جائے جن سے مہلک عناصر ہی جنم لیتے ہیں۔

استمناء (ہاتھ سے منی خارج کرنا) کا حکم

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے خون میں طبعی طور پر تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتے ہیں تاکہ ان کے اعصاب کو آرام ملے اور جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ اسے آج کل ”عادت سریہ“ کہتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ حرام ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال کیا

ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْيُنِهِمْ هَفِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ

أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ. فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْعُدُونَ. ❀

”جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں اور اپنی
لونڈیوں کے کہ اس بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو اس کے
علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے گا تو ایسے ہی لوگ زیادتی کرنے
والے ہیں۔“

جو شخص اپنے ہاتھ سے منی خارج کرتا ہے وہ قضائے شہوت کے لیے بیوی یا لونڈی
کے علاوہ اور طریقہ اختیار کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ منی کو جسم کے دیگر فضلات کی طرح
ایک فضلہ خیال کرتے تھے اور اس بنا پر اس کا اخراج جائز سمجھتے تھے جیسا کہ فصد کھولنا جائز
ہے۔ اس مسلک کی تائید ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اور فقہائے حنابلہ نے اس کا جواز دو
شرطوں کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔

ایک یہ کہ آدمی کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو اور دوسرے یہ کہ نکاح کی
استطاعت نہ رکھتا ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ایسے حالات میں اختیار کی جاسکتی ہے جبکہ شہوانی خواہشات
کا غلبہ ہو اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ مثال کے طور پر کوئی نوجوان جو زیر
تعلیم ہو یا وطن سے دور نئے مقام پر کام کاج کرتا ہو اور جنسی ترغیبات والے ماحول سے
اسے واسطہ پڑ رہا ہو اور اس بنا پر وہ تکلیف اور پریشانی محسوس کرتا ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ
اس ذریعہ کو اختیار کر کے جوش طبع کو ٹھنڈا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس
معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا عادی نہ بن جائے۔

لیکن اس سے بہتر طریقہ وہ ہے جس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرمائی
ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو مسلمان نوجوان نکاح نہ کر سکتا ہو وہ بکثرت روزے رکھے کہ روزہ

قوتِ ارادی کی پرورش کرتا ہے، صبر کی تعلیم دیتا ہے، تقویٰ کی صلاحیت اور اللہ کی نگرانی کا تصور ذہن میں پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ
أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ
فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ.)) ❁

”اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ شادی کرے کیونکہ یہ نظروں کو نیچا رکھنے کا اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے کہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے۔“



❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم الباءة، رقم الحدیث: ۵۰۶۵؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، رقم الحدیث: ۱۴۰۰۔

شادی بیاہ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

اسلام نے جنسی خواہش کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے کہ بلا قید و بند جس راہ پر چاہے چل پڑے بلکہ اس پر مضبوط گرفت رکھی ہے، چنانچہ اس نے زنا ہی کو نہیں اس کے اسباب و متعلقات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری جانب اسلام ایسے رجحانات کا مخالف ہے جو اس فطری خواہش سے متصادم ہوں یا اس کو سرے سے ختم کر دینا چاہتے ہوں۔ اسی لیے اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور غیر شادی شدہ رہنے یا اپنے کو خصی کر لینے کی ممانعت کی ہے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ استطاعت کے باوجود نکاح سے اس بنا پر اعراض کرے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے اللہ کا ہو کر رہنا چاہتا ہے یا یکسو ہو کر عبادت کرنا چاہتا ہے۔

بعض اصحاب رسول ﷺ میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا تھا لیکن جوں ہی نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ترک دنیا اسلام کی راہ سے انحراف اور سنت نبوی سے اعراض ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان نصرانی افکار کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ ابو قلابہ سے روایت ہے کہ:

((أَرَادَ أَنَسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَرْفُضُوا الدُّنْيَا وَيَتْرُكُوا النِّسَاءَ وَيَتْرَهُبُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَعَلَّظَ فِيهِمُ الْمَقَالَهَ ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشَّدِيدِ، شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَأَوْلَيْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الْأَدْيَارِ وَالصَّوَامِعِ، فَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ، وَحُجُّوا وَاعْتَمَرُوا وَاسْتَقِيمُوا يَسْتَقِمُ بِكُمْ.)) ❁

❁ [ضعيف] تفسير طبری ۹/۷؛ الدر المنثور للسيوطی، ۳/۱۴۰؛ کتاب الزهد لابن المبارک، ص ۳۶۵، رقم الحدیث: ۱۰۳۱؛ وله شاهد من سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الحسد، رقم الحدیث: ۴۹۰۴۔

”کچھ اصحاب رسول نے تارک الدنیا بننے، عورتوں کو چھوڑ دینے اور رُہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت گرفت کرتے ہوئے فرمایا: تم سے پہلے لوگ دین میں تشدد اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے جب تشدد اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ تشدد کا معاملہ کیا۔ ان ہی کے یہ اخلاف ہیں جو ادیار اور خانقاہوں میں پائے جاتے ہیں، پس اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، حج کرو، عمرہ کرو اور راستی اختیار کرو کہ تمہارے ساتھ بھی راستی کا معاملہ کیا جائے۔“

راوی کہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ❀

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ، اور نہ حد سے تجاوز کرو۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اور مجاہد کہتے ہیں کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں نے چاہا کہ وہ تجرد کی زندگی گزاریں اور اپنے کو خصی بنا لیں اور ٹاٹ کا کپڑا پہنیں۔ اس پر مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ ❀

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ:

((أَنَّ رَهْطًا مِنَ الصَّحَابَةِ ذَهَبُوا إِلَى بَيْوتِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ أَرْوَاجَهُ عَنِ عِبَادَتِهِ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا بِهَا كَانَهُمْ تَقَالُوهَا ثُمَّ قَالُوا أَيْنَ نَحْنُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ. فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا فَاصُومُ الدَّهْرَ فَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ الثَّانِي وَأَنَا أَقُومُ اللَّيْلَ فَلَا أَنَامُ، وَقَالَ الثَّالِثُ وَأَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا

اتَزَوَّجُ أَبَدًا. فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ بَيَّنَّ لَهُمْ خَطَأَهُمْ وَعِوَجَ طَرِيقِهِمْ وَقَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللَّهِ وَأَخْشَاكُمْ لَهُ وَلَكِنِّي أَقَوْمٌ وَأَنَامٌ وَأَصُومٌ وَأُفْطِرُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ. فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.)) ❁

”صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ نبی ﷺ کے گھر گیا تا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرے۔ جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ عبادت کم ہے اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں اللہ کا پیغمبر۔ آپ ﷺ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ معاف کر چکا ہے، پھر ایک شخص نے کہا: میں تو مسلسل روزے رکھوں گا۔ اور دوسرے نے کہا: میں رات بھر عبادت کروں گا، بالکل نہیں سوؤں گا۔ اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کی غلطی اور کجروی ان پر واضح کرتے ہوئے فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں لیکن رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو کوئی میرے طریقہ سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبْتُلَ وَلَوْ أَدِنَ لَهُ

لَا خِصْمَيْنَا.)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث: ۵۰۶۳؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، رقم الحدیث: ۱۴۰۱۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل، رقم الحدیث: ۵۰۷۳؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، رقم الحدیث: ۱۴۰۲۔

”رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو تجرد کی زندگی گزارنے سے منع فرمایا۔ اگر آپ ﷺ انہیں اجازت دے دیتے تو ہم اپنے کو خسی کر لیتے۔“
آپ ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ
أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ.)) ❁

”اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے
کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح غضب بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔“

اسی بنا پر بعض علما کہتے ہیں کہ نکاح کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ باوجود استطاعت کے
نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دیگر علما کی رائے میں اس شخص پر فرض ہے جو نکاح کا مشتاق ہو اور
اپنے لیے اندیشہ محسوس کرتا ہو۔

مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ رزق کی تنگی یا ذمہ داریوں کے اندیشہ کے پیش
نظر اپنے کو نکاح سے روکے رکھے بلکہ اسے کوشش کرنی چاہیے اور اللہ کے فضل و اعانت کا
امیدوار ہونا چاہیے جس کا وعدہ اس نے ان لوگوں سے کیا ہے جو عفت و پاکدامنی کی خاطر
نکاح کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ
يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط﴾ ❁

”تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو
صالح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل
سے غنی کر دے گا۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمْ. النَّكَاحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعِفَافَ،

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح باب قول النبی ﷺ من استطاع منكم الباءة رقم

الحديث: ۵۰۶۵؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، رقم الحديث: ۱۴۰۰۔

وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ وَالْغَارِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ. ﴿٢٤٥﴾

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک وہ نکاح کرنے والا جو طالبِ عفت ہو، دوسرا وہ مکاتبِ غلام جو مال ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ کا مجاہد۔“

جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو اس پر نظر ڈالنا

مسلمان جب شادی کا عزم کر لے اور کسی مخصوص عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کر لے تو نکاح کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس عورت کو دیکھ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھیں بند کر کے چل پڑے اور بعد میں پچھتانی لگے کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

آنکھیں درحقیقت دل کی پیغامبر ہیں اور آنکھوں کے ملنے سے دل ملنے لگتے ہیں اور ارواح کے درمیان انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

((كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاتَاهُ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَنْظَرْتُ إِلَيْهَا؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَادْهَبْ فَانظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا.)) ﴿٢٤٥﴾

﴿صحيح﴾ [مسند احمد بن حنبل، ۲/۲۵۱، ۲۳۷، رقم الحديث: ۷۴۱۶، ۹۶۳۱؛ جامع ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی المجاهد والناکح، رقم الحديث: ۱۶۵۵؛ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب معونة الله الناکح الذي يريد العفاف، رقم الحديث: ۳۲۲۰؛ سنن ابن ماجه، کتاب العتق، باب المکاتب، رقم الحديث: ۲۵۱۸۔

﴿صحيح مسلم﴾، کتاب النکاح، باب ندب النظر الى وجه المرأة، رقم الحديث: ۱۴۲۴؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۷/۸۴۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب إذا استثار رجل رجلا في المرأة، رقم الحديث: ۳۲۴۹؛ سلسلة الاحاديث الصحيحة للألبانی، رقم الحديث: ۹۵۔

”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ اس نے انصار کی ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: جاؤ اور اسے دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔“

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُودَمَ بَيْنَكُمَا فَاتَى أَبَوَيْهَا فَأَخْبَرَهُمَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَانَهُمَا كَرِهًا ذَلِكَ..... فَسَمِعَتْ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ وَهِيَ فِي خَدْرِهَا فَقَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَرَكَ أَنْ تَنْظُرَ فَاَنْظُرِي... قَالَ الْمَغِيرَةُ: فَانْظُرْتُ إِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا.)) ❁

”انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے دیکھ لو کہ ایسی صورت میں تمہارے درمیان موافقت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ عورت کے والدین کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے نامناسب سا خیال کیا۔۔۔ لیکن جب عورت نے پردہ کے اندر سے سنا تو کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے دیکھنے کے لیے کہا ہے تو دیکھ لیجیے۔۔۔ مغیرہ کہتے ہیں یہ جواب سن کر میں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے شادی کر لی۔“

مخطوبہ (وہ عورت جس کو شادی کا پیغام دیا جائے) کو کس حد تک دیکھا جاسکتا ہے؟ اس کی کوئی صراحت نبی ﷺ نے نہیں فرمائی ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ چہرے اور ہتھیلیوں

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة، رقم الحدیث: ۱۰۸۷؛ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب اباحة النظر قبل التزویج، رقم الحدیث: ۳۲۳۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب النظر الی المرأة إذا أراد أن يتزوجها، رقم الحدیث: ۱۸۶۶؛ سنن الدارمی ۲/۱۳۴، رقم الحدیث: ۲۱۷۶۔

کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں پیغام کی کیا خصوصیت ہوئی؟ ان اعضا پر تو پیغام کے بغیر بھی نظر ڈالی جاسکتی ہے! پیغام کے لیے دیکھنے کا جو استثنا ہے اس سے تو یہی متبادر ہوتا ہے کہ عام حالات میں جس حد تک دیکھنا جائز ہے اس سے کچھ زیادہ ہی دیکھنا اس موقع پر جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

((إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَقَدِرَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا بَعْضَ مَا يَدْعُوهُ

إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ)) ❁

”جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کو کسی قدر دیکھ لے یعنی جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے تو وہ ایسا کر لے۔“

ایک طرف بعض علما اس حد تک رخصت کے قائل ہیں اور دوسری طرف کچھ دوسرے علما کا اس معاملہ میں مسلک بہت تنگ ہے۔ بہتر صورت تو وسط اور اعتدال کی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں پیغام دینے والے شخص کو اس حد تک اجازت ہونی چاہیے کہ وہ مخطوبہ کو ایسے لباس میں دیکھے جس میں کہ وہ اپنے باپ، بھائی اور دیگر محروں کے سامنے بلا تکلف آتی ہے بلکہ اس بات کی بھی اجازت ہونی چاہیے کہ مخطوبہ کے فہم، ذوق اور امتیازی خصوصیات کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے کسی محرم کی معیت میں اس کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں معمولاً اس مخطوبہ کی آمد و رفت رہتی ہو بشرطیکہ وہ مقام جائز نوعیت کا ہو اور مخطوبہ شرعی لباس میں ہو۔ اس لیے کہ یہ باتیں مذکورہ حدیث ”جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے۔“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ❁

پیغام دینے والا شخص مخطوبہ اور اس کے گھر والوں کو مطلع کر کے بھی اسے دیکھ سکتا ہے

❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۶۰، رقم الحدیث: ۱۴۸۶۹ واللفظ لہ؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر إلی المرأة، رقم الحدیث: ۲۰۸۲؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۷/۸۴۔

❁ المرأة بین البیت والمجتمع، للاستاذ البهی الخوفی، ص ۲۴۔

اور بغیر اطلاع کے بھی، بشرطیکہ ارادہ واقعی پیغام دینے کا ہو۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ایک درخت کے نیچے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ❁

مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان باپ کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ رسم و رواج کے نام پر اپنی بیٹی کو دیکھنے سے کسی ایسے شخص کو روکے جو واقعی اس کو نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہو۔ ضروری ہے کہ رسم و رواج شریعت کے تابع رہیں۔ شریعت کو رسم و رواج کے تابع کرنا بڑی غلط بات ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے، نہ باپ کے لیے اور نہ پیغام دینے والے کے لیے اور نہ ہی مخطوبہ کے لیے کہ وہ رخصت سے فائدہ اٹھا کر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالیں اور پیغام کے نام پر تھیٹروں، تفریح گاہوں اور بازاروں کی سیر کریں اور ساتھ میں کوئی محرم بھی نہ ہو۔ آج کل مغربی تہذیب کے دلدادہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی خواہ وہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب اسلام کے مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔

پیغام دینے کی حرام صورتیں

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دے جو طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو۔ چونکہ عدت کی مدت سابقہ رشتہ زوجیت کے احترام کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس معاملہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو دوران عدت اس کے ذہن میں یہ بات اشارے کنایہ میں ڈال سکتا ہے کہ وہ نکاح کے لیے آمادہ ہے۔ مگر صراحت کے ساتھ وہ پیغام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا

❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۳۴، رقم الحدیث: ۱۴۵۸۶؛ شرح معانی الآثار للطحاوی، ۲/۳۷۱، رقم الحدیث: ۴۱۹۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأۃ وهو یرید تزویجھا، رقم الحدیث: ۲۰۸۲۔

ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ.﴾ ❁

”اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ پیغام نکاح کی بات اشارہ کنایہ میں کہو۔“

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام دینا حرام ہے جبکہ بات چیت کامیابی کے مرحلہ میں پہنچ گئی ہو۔ کیونکہ جس شخص نے پہلے پیغام دیا ہے اس کو ایک قسم کا حق حاصل ہو گیا ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے نیز لوگوں کے ساتھ تعلقات کی بہتری اور خلاف مروت کام کرنے سے احتراز کے پیش نظر بھی ایسا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے شخص کا حق چھین لیا گیا اور یہ ایک طرح کی زیادتی ہوگی۔ لیکن اگر پہلا شخص جس نے پیغام دیا ہے اپنا ارادہ ترک کر دے یا خود ہی دوسرے شخص کو پیغام کی اجازت دے دے تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْتَاعَ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ

وَلَا يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ.)) ❁

”مومن مومن کا بھائی ہے۔ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ الرَّجُلِ حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ

قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ.)) ❁

❁ ۲/البقرة: ۲۳۵۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبة علی خطبة أخیه، رقم الحدیث: ۱۴۱۴؛ السنن الکبری للبیہقی، ۳/۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۴۷/۴، رقم الحدیث: ۱۷۳۲۸۔

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا ینخطب علی خطبة أخیه، رقم الحدیث: ۵۱۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبة أخیه، رقم الحدیث: ۱۴۱۴؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی کراهیة أن ینخطب الرجل علی خطبة أخیه، رقم الحدیث: ۲۰۸۰۔

”کوئی شخص کسی کے پیغام پر پیغام نہ دے تا وقتیکہ جس نے پیغام دیا ہے وہ اپنا ارادہ ترک نہ کرے یا دوسرے شخص کو اجازت نہ دے۔“

کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے اور جبر نہ کیا جائے

جوان لڑکی اپنے نکاح کے معاملہ میں اولین اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دینا اور اس کی رضامندی کی پرواہ نہ کرنا اس کے باپ یا ولی کے لیے جائز نہیں ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((الثَّيْبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَ
إِذْنُهَا صَمَاتُهَا.)) ❁

”شوہر دیدہ عورت ولی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اور کنواری عورت سے اس کے نفس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔“

((وَجَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَتْهُ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا مِنْ ابْنِ
أَخِيهِ وَهِيَ لَهُ كَارِهَةٌ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْأَمْرَ إِلَيْهَا فَقَالَتْ: قَدْ
أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَعْلِمَ النِّسَاءَ أَنَّ لَيْسَ
لِلْأَبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ.)) ❁

”ایک لڑکی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن یہ رشتہ اسے پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسے فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس نے کہا:

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق، رقم الحدیث:

۱۴۲۱؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الثیب، رقم الحدیث: ۲۰۹۹؛ سنن نسائی،

کتاب النکاح، باب استثمار الأب البکر فی نفسها، رقم الحدیث: ۳۲۶۶۔

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب من زوج ابنته وھی کارهه، رقم

الحدیث: ۱۸۷۴۔

میرے والد نے جو رشتہ کر دیا ہے میں اسے برقرار رکھتی ہوں۔ دراصل میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ باپ کو لڑکی کی مرضی کے بغیر رشتہ کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔“

باپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ لڑکی کا نکاح کسی ایسے شخص کا پیغام آ جانے پر موخر کر دے جو دیندار، بااخلاق اور اس کی برابری کا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلَاثٌ لَا يُؤَخَّرْنَ: الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ، وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالْأَيْمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كَفْتًا.)) ❁

”تین چیزوں کو موخر نہیں کرنا چاہیے: نماز جبکہ وقت ہو جائے، جنازہ جبکہ حاضر ہو، مجرد عورت کا نکاح جبکہ اس کی برابری کا رشتہ مل جائے۔“

نیز فرمایا:

((إِذَا آتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَرَوْجُوهُ إِلَّا تَفَعَلُوهُ تَكُنْ فِي الْأَرْضِ فِتْنَةً وَفَسَادًا كَبِيرًا.)) ❁

”جب ایسا رشتہ سامنے آ جائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو ورنہ زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔“

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے وہ یہ ہیں:

① باپ کی بیوی

(یعنی سوتیلی ماں) خواہ باپ نے اسے طلاق دی ہو یا بیوہ ہو گئی ہو۔

❁ [ضعیف] جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی تعجیل الجنازة، رقم الحدیث: ۱۰۷۵۔

❁ [حسن] جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فیمن ترضون دینہ فزوجوہ، رقم الحدیث:

۱۰۸۵؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۷/۸۲؛ سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الأکفاء، رقم

الحدیث: ۱۸۶۷؛ مستدرک حاکم، ۲/۱۶۴، ۱۶۵۔

زمانہ جاہلیت میں یہ نکاح جائز تھا لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا کیونکہ باپ کی منکوحہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ باپ کے احترام کے پیش نظر اسے حرام کر دیا جائے۔ یہ حرمت ابدی ہے جس کے بعد نہ بیٹے کے دل میں خواہش پیدا ہو سکتی ہے نہ سوتیلی ماں کے دل میں۔ اس طرح دونوں کے درمیان احترام و عظمت کے تعلقات استوار ہو سکتے ہیں۔

② ماں

اسی طرح دادی اور نانی اور جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہوں۔

❁ بیٹی

اسی طرح پوتی اور نواسی اور جو اس سے نیچے کے درجہ میں ہوں۔

④ بہن

خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیانی۔

⑤ پھوپھی

یعنی باپ کی سگی، علاتی یا اخیانی بہن۔

⑥ خالہ

یعنی ماں کی سگی، علاتی یا اخیانی بہن۔

⑦ بھتیجیاں ⑧ بھانجیاں

یہ رشتہ دار خواتین اسلام میں ”محارم“ کہلاتی ہیں کیونکہ یہ مسلمان کے لیے ابدی طور پر حرام ہیں۔ کسی وقت اور کسی حال میں ان سے نکاح جائز نہیں ہو سکتا۔ مرد کو بھی ان کی نسبت سے ”محرم“ کہا جاتا ہے۔

ان رشتوں کو حرام قرار دینے کی مصلحتیں

(ا) مہذب انسان کی فطرت کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی ماں، بہن اور بیٹی سے تعلق قائم کر لے۔ انسان تو انسان بعض حیوانات بھی ایسا نہیں کرتے۔ خالہ اور پھوپھی کے بارے میں بھی آدمی اپنی ماں ہی کی طرح احترام کے جذبات رکھتا ہے۔ اور چچا اور ماموں عورت کے لیے بمنزلہ والد کے ہوتے ہیں۔

(ب) اگر شریعت نے ان محرمات کے سلسلہ میں احکام نہ دیے ہوتے جس نے شہوانی تعلق کے تصور ہی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے تو ان کے ساتھ خلوت میں رہنے اور شدتِ اختلاط کی وجہ سے عجب نہیں تھا کہ ان کے ساتھ جنسی تعلقات پیدا ہو جاتے۔

(ج) ان اقربا کے ساتھ گہری جذباتی وابستگی ہوتی ہے جس کی بنا پر آدمی ان کا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی و شفقت سے پیش آتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ آدمی محبت کے جذبات کے ساتھ اجنبی عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرے۔ اس طرح نئے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے درمیان محبت و مودت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے:

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾

”اور تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا کر دی۔“

(د) جو فطری جذبہ ان رشتہ داروں کے بارے میں انسان کے اندر پایا جاتا ہے اس کا برقرار رہنا اشد ضروری ہے تاکہ ان کے درمیان جو دائمی رشتہ ہے وہ پختہ ہو سکے اور ان سے محبت اور ان کی سرپرستی وغیرہ کے لیے بنیاد فراہم ہو سکے۔ اس کے برعکس ان کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے کا مطلب ان سے اختلاف اور نزاع کے لیے بنیاد فراہم کرنا ہے جس کا نتیجہ علیحدگی اور تعلقات کے انقطاع کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

(ه) ان رشتہ داروں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی صورت میں جو نسل پیدا ہوگی اس کا کمزور ہونا اغلب ہے۔ اور اگر کسی کنبہ میں جسمانی یا عقلی عیب ہوگا تو اس کی نسل میں وہ منتقل ہو سکتا ہے۔

(و) عورت اس بات کی ضرورت مند ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی مقدمہ لڑنے والا ہو اور اس کے شوہر کے پاس اس کے مفاد کی حمایت کرنے والا ہو خاص طور سے ایسی صورت میں عورت اس کی شدید ضرورت محسوس کرتی ہے جبکہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو جائیں۔ لیکن جب پوزیشن یہ ہو کہ اس کا حامی ہی حریف بن جائے تو پھر عورت کا کیا حال ہوگا؟

رضاعت کی بنا پر حرام رشتے

9 جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو اس سے نکاح کرنا مسلمان کے لیے حرام ہے۔ دودھ پلانے کی وجہ سے عورت ماں کے حکم میں ہوگئی۔ دودھ نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے بننے میں حصہ لیا ہے اور رضاعت نے دونوں کے درمیان ماں بیٹے کا جذباتی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ رضاعت کے موثر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بچپن میں یعنی بچہ کی عمر دو سال ہونے سے قبل اسے دودھ پلایا گیا ہو۔ یہ زمانہ بچہ کے دودھ پینے کا ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بچہ نے کم از کم پانچ مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پیا ہو۔ ایک مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ خود سیری کے احساس سے پستان چھوڑ دے۔

پانچ مرتبہ کی قید مختلف راویوں کے پیش نظر رائج اور مبنی بر اعتدال ہے۔

10 رضاعی بہنیں

جس طرح عورت بچہ کی رضاعی ماں بن گئی اسی طرح اس کی لڑکیاں بچہ کی رضاعی بہنیں بن گئیں۔ نیز اس عورت کی بہنیں بچہ کی رضاعی خالائیں بن گئیں۔ اسی طرح عورت کے دوسرے رشتہ دار بھی اس کے رضاعی رشتہ دار بن گئے۔

حدیث نبوی ہے:

((يُحْرَمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يُحْرَمُ مِنَ النَّسَبِ)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة، علی الانساب، رقم الحدیث: ۲۶۴۵

صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم ابنة الأخ من الرضاعة، رقم الحدیث: ۱۴۴۷ سنن

ابی داؤد، کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، رقم الحدیث: ۲۰۵۵۔

”جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔“

جس طرح نسب سے پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا رشتہ حرام ہے اسی طرح رضاعت سے بھی یہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔

مصاہرت سے رشتوں کی حرمت

11 بیوی کی ماں

(ساس) کا رشتہ بھی حرام رشتوں میں شامل ہے۔ اسلام میں یہ رشتہ اس کی بیٹی کے ساتھ محض عقد ہو جانے کی بنا پر حرام ہو جاتا ہے خواہ اس بیٹی سے زن و شوکا تعلق قائم نہ ہو، کیونکہ ساس ماں کے درجہ میں ہے۔

12 رپیہ

یعنی جس بیوی سے مرد زن و شوکا تعلق قائم کر چکا ہو اس کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) لیکن اگر اس سے زن و شوکا تعلق قائم نہ کر چکا ہو تو اس کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

13 بیٹے کی بیوی

بیٹے سے مراد صلبی بیٹا ہے نہ کہ متبنی۔ کیونکہ اسلام نے تنبیت (لے پالک) کے قاعدہ کو باطل قرار دیا ہے کہ یہ خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بات ہے۔ اور اس سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَانِكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ﴾
 ”اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ محض تمہارے

منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔“

یعنی یہ محض منہ سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اس سے حقیقت بدلتی نہیں ہے اور نہ اجنبی آدمی رشتہ دار بن سکتا ہے۔

ان تینوں کی حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہے۔ مصاہرت سے جو رشتہ استوار ہوتا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ رشتے حرام قرار پائیں۔

14 دو بہنوں کو جمع کرنا

اسلام نے دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ٹھہرایا ہے حالانکہ زمانہ جاہلیت میں یہ جائز تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنوں کا باہمی رشتہ محبت جس کو اسلام دائمی طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے ایسی صورت میں برقرار نہیں رہ سکتا جبکہ دو بہنیں آپس میں سوکنیں ہوں۔

قرآن نے دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مزید یہ حکم دیا ہے کہ:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ عَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ خَالَتِهَا)) ❁

”عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے اور نہ اسے اس کی خالہ کے ساتھ جمع کیا جائے۔“

جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔ نیز فرمایا:

((اِنَّكُمْ اِنْ فَعَلْتُمْ ذَلِكَ قَطَعْتُمْ اَرْحَامَكُمْ)) ❁

”اگر تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کرو گے۔“

اسلام نے صلہ رحمی کی سخت تاکید کی ہے لہذا وہ ایسی بات کو کس طرح جائز قرار دے

سکتا ہے جو قطع رحمی کا باعث ہو؟

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا تنکح المرأة علی عمتها، رقم الحدیث: ۵۱۰۹؛

صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها، رقم الحدیث: ۱۴۰۸۔

❁ [حسن] صحیح ابن حبان، ۴۲۶/۹، رقم الحدیث: ۴۱۱۶؛ المعجم الكبير للطبرانی،

۲۶۷/۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۹۳۱۔

شادی شدہ عورتیں

15 شادی شدہ عورت کے لیے جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(ا) شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے جس عدت کا حکم دیا ہے وہ پوری ہو جائے۔ یہ عدت سابق زوجیت کے حق میں وفا اور عورت کے لیے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

حاملہ کے لیے عدت کی مدت وضع حمل تک ہے خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔

اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔ تین حیض کی قید اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ رحم پاک

ہو جائے اور سابق شوہر سے حمل قرار پانے کا جو امکان ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ حکم

احتیاط کے طور پر ہے تاکہ اختلاط نسب سے روکا جائے۔ یہ عدت ان عورتوں کے لیے نہیں

ہے جو اس قدر کم سن یا اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ ان کو حیض نہ آتا ہو۔ ایسی عورتوں کی عدت

تین ماہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط﴾ ❁

”مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے کو روکے رکھیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَالنِّسَاءُ يَتَبَوَّسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءٍ كُمْ إِنْ أَرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالنِّسَاءُ لَمْ يَحِضْنَ ط وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط﴾ ❁

”تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تم کو ان کے

معاملہ میں شبہ ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی عدت ان کی بھی ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.﴾

”اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھیں۔“

عورتوں کی ان پندرہ اصناف سے نکاح حرام ہے۔ یہ پندرہ اصناف قرآن کریم کی سورہ نساء میں مذکور ہیں:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ
كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۖ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَالْأَخِ وَالْأَخِ
الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمْ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ
وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّائِبُكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ
الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ذَفَانٍ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ذَ
وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ لِأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ
الْأَخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۗ وَالْمُحْصَنَاتُ
مِنَ النِّسَاءِ ۗ﴾

”جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو۔ مگر جو کچھ پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ کھلی بے حیائی ہے، ناپسندیدہ بات ہے اور نہایت برا چلن ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں، تمہاری

بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سائیں) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پلی ہوں اور تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تمہارا تعلق زن و شوہو چکا ہو۔ اگر ان سے تمہارا تعلق زن و شوہو نہ ہو تو (ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرو مگر جو کچھ پہلے ہو چکا۔ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو قید نکاح میں ہوں۔“

مشرک عورتیں

16 مشرک عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ مشرکہ یعنی بت پرست عورت، مثلاً عرب کی مشرک عورتیں اور ان جیسی دوسری عورتیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنَ وَلَا مِمَّنْ وَلَا مِمَّنْ مُؤْمِنَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا تَعْجَبْكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن لونڈی ایک آزاد مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک مؤمن غلام ایک آزاد مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھلا لگے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلا تے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔“

اس آیت نے واضح طور سے بیان کر دیا کہ مسلمان کا مشرک عورت سے نکاح اسی طرح جائز نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو ادیان کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہے۔ ایک گروہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا آگ کی طرف۔ یہ اللہ، رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے، نبوت کا انکار کرتا ہے اور آخرت کا منکر ہے۔ رشتہ ازدواج تو باعث سکون اور ذریعہ مودت ہے۔ مگر یہ دونوں سرے جن کے درمیان کافی فاصلہ ہے کس طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں؟

کتابیہ سے نکاح

یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر قرآن نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہر حال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔ اسلام نے جس طرح ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہے اسی طرح ان عورتوں سے رشتہ مصاہرت قائم کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾

”جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیے

حلال ہیں۔“

اسلامی رواداری کی یہ ایک نادر مثال ہے جو مشکل سے دیگر مذاہب و ملل میں مل سکے گی۔ اسلام نے اہل کتاب کو کافر اور گمراہ قرار دینے کے باوجود مسلمان کے لیے جائز کر دیا ہے کہ کتابیہ اس کی بیوی اور اس کے گھر کی مالکہ ہو جس سے وہ سکون حاصل کر سکتا ہے، جو اس کی رازدار بن سکتی ہے اور جو اس کی اولاد کی ماں ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ زوجیت کے تعلق کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ ❁

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی
جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے
درمیان مودت و رحمت پیدا کی۔“

یہاں ہم اس بات پر متنبہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ دیندار مسلمان خاتون
جو دین سے گہرا لگاؤ رکھتی ہو ایک مسلمان کے لیے اس مسلمان عورت سے بہتر ہے جس
نے اسلام کو محض وراثت میں پایا ہو۔ نبی ﷺ نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا
ارشاد ہے:

((أُظْفِرُ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبُّثٌ يَدَاكَ)) ❁

”دیندار خاتون سے نکاح کرو کہ یہ کامیابی کا باعث ہے۔ تمہارے ہاتھ
خاک آلودہ ہوں۔ (اگر ایسا نہ کرو)“

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان عورت خواہ وہ کیسی ہی ہو مسلمان مرد
کے لیے کتابی عورت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ نیز جب کوئی مسلمان اپنی اولاد کے عقیدہ اور
تربیت کے تعلق سے ایسی بیوی کی طرف سے اندیشہ محسوس کرے تو دین کی خاطر اس سے
احتیاط کرنا اور اس اندیشہ سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو تو ایسی صورت میں مسلمان
مردوں پر کتابی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمان
اپنی عورتوں کو چھوڑ کر کتابی عورتوں سے نکاح کریں گے جبکہ مسلمان عورتیں صرف مسلمان
مردوں ہی سے نکاح کر سکتی ہیں تو گویا مسلمان لڑکیوں کو بتلائے مصیبت کرنا ہوگا کہ ان کو

❁ ۳۰/الروم: ۲۱۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، رقم

الحديث: ۵۰۹۰؛ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، رقم الحديث:

۱۴۶۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب یومر به من تزویج ذات الدین، رقم الحديث: ۲۰۴۷۔

کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور وہ تباہ ہو کر رہ جائیں۔ یہ صورت مسلم معاشرہ کے لیے سخت مضر ہے اور اس ضرر کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے کہ اس مباح چیز کو مشروط مانا جائے اور ایک وقت تک کے لیے اس پر عمل درآمد موقوف رکھا جائے۔

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

مسلمان عورت پر غیر مسلم سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ غیر مسلم کتابی ہو یا غیر کتابی۔ اس کے لیے کسی حال میں غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ ❁

”اپنی عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔“

اور مومن مہاجر عورتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ، لَأَهْنَّ

حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ ❁

”پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو انہیں کفار کی طرف

واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال۔“

اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جس میں اہل کتاب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا

ہو، لہذا مسلمانوں کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی

ہے لیکن مسلمان عورتوں کو یہودیوں اور نصرانیوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ

یہ ہے کہ مرد گھر کا مالک ہوتا ہے اور عورت کے لیے توام کی حیثیت رکھتا ہے نیز اس کے

بارے میں جوابدہ ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے کتابیہ بیوی کو آزادی

عقیدہ کی ضمانت دی ہے اور شرعی قوانین و احکامات کے ذریعہ اس کے حقوق متعین کیے ہیں

❁ ۲/ البقرة: ۲۲۱۔

❁ ۶۰/ الممتحنہ: ۱۰۔

اور اس کی حرمت کا تحفظ کیا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب مثلاً یہودیت اور نصرانیت نے کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والی بیوی کے لیے نہ کسی قسم کی آزادی کی ضمانت دی ہے اور نہ اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کس طرح اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے اور ان کو ایسے لوگوں کے حوالے کر سکتا ہے جو ان عورتوں کے دین کے معاملہ میں نہ رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ عہد کا؟

در اصل مرد کو اپنی بیوی کے عقیدہ کا احترام کرنا چاہیے تاکہ دونوں کے درمیان بہتر تعلقات قائم رہیں۔ جہاں تک مسلمان کے عقیدہ کا تعلق ہے وہ یہودیت و نصرانیت کو اپنی اصل کے اعتبار سے۔ ان کی تحریفات سے قطع نظر کرتے ہوئے۔۔۔ آسمانی مذہب خیال کرتا ہے، وہ تورات و انجیل پر ایمان رکھتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسولوں کو بھی مانتا ہے۔ اس لیے کسی کتابی عورت کے لیے ایسے مرد کے پہلو میں زندگی گزارنا مشکل نہیں ہے جو اس کے اصل دین، اس کی کتاب اور اس کے نبی کا احترام کرتا ہو، اور احترام ہی نہیں بلکہ ان باتوں کو ماننے بغیر ایمان ہی صحیح نہ قرار پاتا ہو۔ اس کے برخلاف یہودی اور نصرانی اسلام کا ادنیٰ اعتراف نہیں کرتے، نہ اسلام کی کتاب کا اور نہ اس کے رسول کا، لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مسلمان عورت اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے مرد کے زیر سایہ زندگی گزارے؟ جبکہ مسلمان عورت کا دین اس سے شعائر و عبادات اور فرائض و واجبات کا مطالبہ کرتا ہے اور کتنی چیزوں کو حلال اور کتنی ہی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے؟ ایسی صورت میں مسلمان عورت کے لیے اپنے عقیدہ اور اپنے دین کا تحفظ کرنا جبکہ مرد قوام ہو کر اس کا پوری طرح منکر ہو، ایک امر محال ہے۔

یہاں اسلام کی اس معقولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے مسلمان کا بت پرست مشرک سے نکاح کیوں حرام ٹھہرایا ہے! واقعہ یہ ہے کہ اسلام شرک اور بت پرستی کا سخت مخالف ہے۔ بنا بریں زوجین کے درمیان سکون، مودت اور رحمت کی صورت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟

زانی عورتیں

یہاں زانی عورتوں سے مراد فحشہ گری کرنے والی عورتیں ہیں جو علانیہ زنا کا پیشہ اختیار کرتی ہیں۔ روایت ہے کہ مرشد بن ابی مرشد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک زنا کار عورت سے جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کا تعلق تھا اور جس کا نام عناق تھا، نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا

زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥﴾ ❁

”زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرک کے ساتھ، اور زانیہ کے ساتھ نکاح

نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک۔ اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انہیں سنائی اور فرمایا:

((لَا تَنْكِحُهَا)) ❁

”اس سے نکاح نہ کرو۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکدامن مومن عورتوں اور پاکدامن کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے نکاح اس شرط کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے کہ وہ۔

﴿مُحْصِنِينَ غَيْرِ مُسَافِحِينَ﴾ ❁

”قید نکاح میں لانے والے ہوں نہ کہ بدکاری کر نیوالے۔“

تو جو شخص کتاب اللہ کے اس حکم کو تسلیم نہ کرے اور اس کی پابندی قبول نہ کرے وہ

❁ ۲۴/النور: ۳۔ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی قوله تعالیٰ

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً﴾، رقم الحدیث: ۲۰۵۱؛ جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب

ومن سورة النور، رقم الحدیث: ۳۱۷۷؛ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب تزویج الزانیة، رقم

الحدیث: ۳۲۳۰۔ ❁ ۴/النساء: ۲۴۔

مشرک ہے۔ اس سے نکاح کرنا وہی شخص پسند کرتا ہے جو اسی کی طرح مشرک ہو۔ لیکن جس نے اس حکم کو تسلیم کیا اور اس کی پابندی کو قبول کیا لیکن عمل اس کے خلاف کیا اور جس عورت سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح کر لیا تو وہ زانی ہے۔

سورہ نور کی مذکورہ آیت درج ذیل آیت کے بعد بیان ہوئی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ❁

”زانی عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔“

یہ جسمانی سزا ہے اور وہ تادیبی سزا کیونکہ زانی یا زانیہ سے نکاح کی حرمت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے اہم مقامات پر رہنے نہ دیا جائے، اس کی قومیت (Nationality) کو ختم کر دیا جائے یا موجودہ عرف کے لحاظ سے جو حقوق مقرر ہیں ان سے اسے محروم کر دیا جائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ حکم جو قرآن کی رو سے بالکل صریح اور واجب ہے وہ مقتضائے عقل و فطرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے لیے یہ بات حرام ٹھہرائی ہے کہ وہ کسی فاحشہ عورت کا شوہر یا دیوث یا رفیق ہو۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ ایسی باتوں کو قبیح اور معیوب خیال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کو بہت زیادہ برا بھلا کہنا ہو تو بولتے ہیں ”یہ فاحشہ عورت کا شوہر ہے۔“ لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لیے حرام ٹھہرایا کہ وہ واقعی ایسا بن جائے۔ اس تحریم سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ۔۔۔ عورت کا یہ گناہ شوہر کے بستر کی خرابی اور نسب کی خرابی کا موجب ہے حالانکہ اللہ نے نسب کو عظیم مصلحتوں پر قائم فرمایا ہے اور اس کو اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے لیکن زنا نطفہ کے اختلاط کا باعث ہے اور اس سے نسب مشتبہ ہو جاتا ہے، لہذا شریعت کی یہ خوبی ہے کہ اس نے زانیہ سے نکاح حرام

ٹھہرایا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور اپنے رحم کو پاک نہ کرے۔ (یعنی کم از کم ایک حیض نہ آئے)۔ ❁

زانیہ سے نکاح کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زانیہ خبیث عورت ہوتی ہے۔۔۔ اللہ سبحانہ نے نکاح کو باعث مودت و رحمت بنایا ہے۔ اور مودت خالص محبت کا نام ہے، لہذا ایک خبیث عورت کس طرح ایک پاکیزہ مرد کی محبوب بیوی بن سکتی ہے؟ زوج کو زوج اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باہم متشابہ (ہم آہنگ) ہوتے ہیں۔ لیکن طیب اور خبیث کے درمیان شرعاً اور عقلاً کامل منافرت پائی جاتی ہے اس لیے دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہمدردی اور محبت کے جذبات۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ
وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۗ﴾ ❁

”خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔“

نکاحِ متنع

اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے جس کی پشت پر زوجین کا ابدی زندگی گزارنے کا ارادہ کار فرما ہوتا ہے تاکہ باہم نفسیاتی سکون اور مودت و رحمت کی فضا پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے یعنی سلسلہ تناسل کو جاری رکھنا تاکہ نوع انسانی کی بقا کا سامان ہو۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً﴾ ❁

”اور اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور تمہاری

بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے۔“
 رہائش کا نکاح جو مرد کے کسی عورت سے مقررہ مدت کے لیے مقررہ اجرت پر تعلق
 پیدا کرنے کا نام ہے تو وہ اس حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے
 پہلے سفر اور غزوات وغیرہ کے موقع پر دی گئی تھی لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع
 فرمایا اور ابدی طور پر اس کو حرام قرار دیا۔

شروع میں متعہ کو اس لیے جائز قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان جاہلیت سے اسلام کی
 طرف بڑھتے ہوئے عبوری دور سے گزر رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زنا آسان اور عام
 تھا۔ جب اسلام آیا اور غزوات و جہاد کے لیے سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو عورتوں سے دوری
 لوگوں پر شاق گزرنے لگی۔ مسلمانوں کے اندر ایمان کے لحاظ سے قوی اور ضعیف دونوں
 طرح کے لوگ تھے۔ ضعیف الایمان لوگوں کے زنا میں مبتلا ہو جانے اور بے حیائی کے راستہ
 پر جا پڑنے کا اندیشہ تھا، لیکن جو لوگ قوی الایمان تھے انہوں نے اپنے کو خصی کر لینے کا ارادہ
 کر لیا تھا۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا أَلَا
 نَسْتُخْصِي؟ فَهَذَا نَارُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنْ ذَلِكَ وَ رَخَّصَ لَنَا أَنْ
 نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ)) ❁

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جایا کرتے تھے اور ہمارے
 ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں اس لیے ہم نے عرض کیا: کیا ہم اپنے کو خصی نہ
 کر لیں؟ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت
 دی کہ ہم کسی عورت سے ایک مدت تک کے لیے کپڑے کے عوض نکاح کر
 سکتے ہیں۔“

متعہ کا یہ جواز رخصت کی حیثیت رکھتا تھا تا کہ ضعیف الایمان اور قوی الایمان

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء، رقم

الحديث: ۵۰۷۵؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة، رقم الحديث:

۱۴۰۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۳۸۵، رقم الحديث: ۳۶۵۰۔

دونوں گروہوں کی مشکلات کا حل نکل آئے۔ اسلام مسلمان کی ازدواجی زندگی کے لیے جو شرعی قوانین بنانا چاہتا تھا اس راہ میں یہ ایک قدم تھا۔ وہ ایسی ازدواجی زندگی عطا کرنا چاہتا تھا جو نکاح کے جملہ مقاصد کو پورا کرے مثلاً پاکدامنی، رشتہ نکاح کی مستقل حیثیت، سلسلہ تناسل، مودت و رحمت نیز خاندان کے دائرہ کی مصاہرت (سسرال) کے ذریعہ توسیع وغیرہ۔

جس طرح قرآن نے شراب اور سؤد کی حرمت کے بارے میں تدریجاً احکام دیے جبکہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کا بڑا رواج اور غلبہ تھا اسی طرح نبی ﷺ نے شرمگاہوں کی حرمت کے سلسلہ میں بھی احکام دینے میں تدریج کا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ مجبوری کی صورت میں متعہ کی اجازت دی لیکن بعد میں نکاح کی اس قسم کو بھی حرام قرار دیا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ کا بیان ہے اور صحیح مسلم نے سبرہ جہنی سے روایت بیان کی ہے کہ:

((أَنَّ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي فَتْحِ مَكَّةَ فَأَذِنَ لَهُمْ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ قَالَ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى حَرَّمَ هَارَسُؤَالَ اللَّهِ ﷺ.)) ❁

”وہ نبی ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے شرکائے غزوہ کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے وہاں سے نکلنے سے پہلے ہی اسے حرام کر دیا۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.)) ❁

”اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔“

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعہ، رقم الحدیث: ۱۴۰۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۳/۴۰۴، ۴۰۵، رقم الحدیث: ۱۵۳۳۷، ۱۵۳۴۶؛ ارواء الغلیل للالبانی، ۶/۳۱۵، رقم الحدیث: ۱۹۰۲۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نہی النبی ﷺ عن نکاح المتعہ اخیراً، رقم الحدیث: ۵۱۱۶؛ السنن الکبری للبیہقی، ۷/۲۰۵ [اسنادہ ضعیف]؛ جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی تحریم نکاح المتعہ، رقم الحدیث: ۱۱۲۲۔ [اسنادہ ضعیف]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ حرمت ایسی قطعی ہے جیسے ماں، بیٹی وغیرہ سے نکاح کرنا یا یہ حرمت مردار، خون اور سور کے گوشت کی طرح ہے کہ یہ چیزیں مجبوری کی صورت میں اور مشقت میں پڑنے کے اندیشہ کے پیش نظر جائز ہو جاتی ہیں؟

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں یہ تحریم قطعی ہے جس میں رخصت کے لیے کوئی گنجائش شریعت کے اس حکم کو مستقل حیثیت دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ ان کی رائے میں مجبوری کی صورت میں جائز تھا، چنانچہ کسی نے ان سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو جائز کہا۔ ان کے غلام نے پوچھا کیا یہ حکم شدید مجبوری کی صورت میں ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔

لیکن جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں کافی گنجائش پیدا کر لی ہے اور بات مجبوری کی حد تک نہیں رہی تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دینا بند کر دیا اور اس سے رجوع کر لیا۔ ❁

تعددِ ازدواج

اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت سے ہم آہنگ اور تمام مصائب کا علاج ہے۔ وہ انسان کو مہذب بناتا ہے اور افراط و تفریط سے باز رکھتا ہے۔ اُس کی اس خوبی کا مشاہدہ ہم اُس کے اس موقف سے کرتے ہیں جو اس نے تعددِ ازدواج کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔ اسلام نے انسانیت، فرد اور اجتماعیت سب کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمان کے لیے ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز کر دیا ہے۔

قبل اسلام مختلف قوموں اور ملتوں میں بہ کثرت عورتوں سے شادی کرنے کا رواج تھا۔ کبھی تو ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا اور کبھی یہ تعداد بلا شرط و بلا قید سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے تعددِ ازدواج کے لیے قید اور شرط عائد کر دی۔ جہاں تک قید کا تعلق ہے، اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی حد مقرر کر دی۔

چنانچہ جب غیلان ثقفی نے اسلام قبول کیا تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

((اِخْتَرُ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا وَفَارِقِ سَائِرَهُنَّ.)) ❁

”ان میں سے کوئی سی چار بیویاں رکھ لو اور بقیہ کو چھوڑ دو۔“

اسی طرح جس شخص کے پاس قبول اسلام کے وقت آٹھ یا پانچ بیویاں تھیں ان کو بھی

آپ ﷺ نے چار سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ❁

رہا نبی ﷺ کی نو (۹) ازواج کا مسئلہ تو آپ ﷺ کی زندگی میں دعوتی ضرورت

اور آپ ﷺ کے بعد امت کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خصوصی اجازت دے دی تھی۔

تعددِ ازواج کے جواز کے لیے عدل کی شرط

تعددِ ازواج کے لیے اسلام نے جو شرط عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے نفس

پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان کھانے پینے، رہنے، سونے اور خرچ کرنے کے

معاملہ میں عدل کرے گا لیکن جس شخص کو اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ ان حقوق کو عدل اور

مساوات کے ساتھ ادا کر سکے گا اس کے لیے ایک سے زائد بیوی کرنا حرام ہے۔ ارشاد

خداوندی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً.﴾ ❁

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم و عنده عشرة نسوة،

رقم الحدیث: ۱۱۲۸؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الرجل یسلم و عنده اکثر من اربع

نسوة، رقم الحدیث: ۱۹۵۳؛ السنن الکبری للبیہقی، ۷/۱۴۹، ۱۸۱؛ ارواء الغلیل للالبانی،

۲۹۱/۶، رقم الحدیث: ۱۸۸۳۔ ❁ [حسن] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی من

اسلم و عنده نساء اکثر من اربع، رقم الحدیث: ۲۲۴۱؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب

الرجل یسلم و عنده اکثر من اربع نسوة، رقم الحدیث: ۱۹۵۲؛ ارواء الغلیل للالبانی، ۲۹۵/۶،

رقم الحدیث: ۱۸۸۵۔ ❁ ۴/النساء: ۳۔

”لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک پراکتفا کر لو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ يَمِيلُ لِاحِدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرَى جَاءَ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ يَجُرُّ اَحَدَهُ شَقِيهً سَاقِطًا اَوْ مَائِلًا)) ❁

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ صرف ایک کی طرف مائل ہو کر رہ جائے وہ

قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک بازو گر رہا ہوگا اور وہ

اسے گھیٹ رہا ہوگا۔“

جس میلان اور جھکاؤ سے اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے اس کا مطلب حقوق کے

معاملہ میں زیادتی کرنا ہے۔ مجرد قلبی میلان مراد نہیں ہے کیونکہ یہ ناقابل استطاعت عدل

میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ ❁

”اور بیویوں کے درمیان تم اگر چاہو بھی تو پورا پورا عدل نہیں کر سکتے لہذا کسی

ایک کی طرف جھک نہ پڑو۔“

اسی لیے رسول اللہ ﷺ شبِ باشی وغیرہ میں عدل کرنے کے باوجود فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فَيِّمًا اَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فَيِّمًا تَمْلِكُ

وَلَا اَمْلِكُ)) ❁

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، رقم الحدیث: ۲۱۳۳؛

جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی تسویة بین الضرائر، رقم الحدیث: ۱۱۴۱؛ سنن ابن

ماجة، کتاب النکاح، باب القسمة بین النساء، رقم الحدیث: ۱۹۶۹؛ سنن نسائی، کتاب عشرة

النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائه، رقم الحدیث: ۳۳۹۴۔ ❁ ۴/النساء: ۱۲۹۔

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، رقم الحدیث: ۲۱۳۴؛

جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی تسویة بین الضرائر، رقم الحدیث: ۱۱۴۰؛ سنن

نسائی، کتاب عشرة النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائه، رقم الحدیث: ۳۳۹۵؛ سنن ابن ماجة،

کتاب النکاح، باب القسمة بین النساء، رقم الحدیث: ۱۹۷۱؛ ارواء الغلیل للألبانی، ۷/۸۱،

رقم الحدیث: ۲۰۱۸۔

”خدا یا یہ میری تقسیم ہے جہاں تک میرے بس میں ہے تو جو تیرے بس میں ہے اور میرے بس میں نہیں ہے اس پر گرفت نہ فرما۔“
یعنی کسی ایک بیوی کی طرف جو جذباتی اور قلبی میلان ہو جاتا ہے وہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی یہ دعا اسی سلسلہ میں تھی۔
جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کے حق میں قرعہ نکل آتا اس کو ہم سفر بنا لیتے۔ یہ طریقہ آپ ﷺ نے دلوں کی خلش کو دور کرنے اور سب کو خوش رکھنے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔ ❀

تعددِ ازواج کے جواز کی مصلحت

اسلام اللہ کا آخری دین ہے جس پر سلسلہ رسالت ختم ہو جاتا ہے اس لیے اسلامی شریعت بھی دوامی اور ہمہ گیر ہے جو تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس میں افراد اور گروہوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں نیز ان کی مصلحتوں کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔
بعض مردوں کو اولاد سے زبردست رغبت ہوتی ہے لیکن وہ عورت کے بانجھ یا بیمار ہونے کی وجہ سے اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس عورت کے لیے باعزت اور اس شخص کے لیے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسری بیوی کر لے تاکہ اس کی اولاد کی خواہش پوری ہو؟
بعض مردوں کی قوت باہ شدید ہوتی ہے اور ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن بیوی کو مرد سے رغبت نہیں ہوتی یا وہ بیمار ہوتی ہے یا اس کے حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور مرد عورت کے معاملہ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا تو کیا ایسی صورت میں کسی گرل فرینڈ (Girl Friend) کو تلاش کرنے کے بجائے دوسری بیوی کر لینا بہتر نہ ہوگا؟
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے۔

❀ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب القرعة، بین النساء إذا اراد سفر، رقم الحدیث:

۵۲۱۱؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام المؤمنین عائشة، رقم

الحدیث: ۲۴۴۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۱۷/۶، رقم الحدیث: ۲۴۸۵۹۔

خاص طور سے جنگ کے ایام میں تو کتنے ہی ممتاز افراد اور نوجوانوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر سماج کی مصلحت اور خود عورتوں کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر زوجیت کی زندگی سے محروم اور کنواری بڑھیا بنیں ہو کر رہ جانے کے مقابلہ میں سوکن کی حیثیت سے رہنے کو ترجیح دیں کہ یہ سکون، مودت اور پاکدامنی کی زندگی ہے اور اس طرح اسے ماں بن جانے کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے اور درحقیقت ایسی ہی زندگی ان کی فطرت کی آواز ہے۔

نکاح کی استطاعت رکھنے والے مردوں کی تعداد کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد جب بڑھ جائے تو وہ تین میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر سکتی ہیں۔

- (۱) یا تو وہ پوری عمر محرومی کی تلخیوں میں گزار دیں۔
 - (۲) یا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ مردوں کے لیے کھیل تماشا بن جائیں۔
 - (۳) یا یہ کہ ان کا نکاح ایسے شادی شدہ مردوں کے ساتھ جائز قرار دیا جائے جو نفقہ ادا کرنے پر قادر ہوں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتے ہوں۔
- بے شک یہی آخری طریقہ ایک عادلانہ حل اور نسخہ شفاء ہے اور اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ❁

”جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟“

یہ ہے تعددِ ازواج کی حقیقت جس کے سلسلہ میں مسیحی مغرب مسلمانوں پر اعتراض کرتا ہے جبکہ ان لوگوں کا اپنا حال یہ ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے تعددِ معشوقات اور تعددِ محبوبات کو بلا تحدید اور کسی قسم کی قانونی یا اخلاقی پابندی کو تسلیم کیے بغیر جائز کر لیا ہے۔ اس لادینی اور لا اخلاقی کا ثمرہ انہیں جس (حرام) اولاد کی شکل میں مل رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر غور فرمائیے کہ کس گروہ کی بات وزنی ہے اور کون راہ راست پر گامزن ہے؟

زوجین کے باہمی تعلقات

قرآن کریم نے نکاح کے مقاصد نہایت مہتمم بالشان طریقہ پر بیان کیے ہیں۔ یہ وہ ستون ہیں جن پر ازدواجی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جنسی اضطراب کی جگہ زوجین کے درمیان پیار و محبت اور سکون نفس، بیوی اور شوہر کے خاندانوں کے درمیان مودت و الفت کے تعلقات، انسانی ہمدردی اور مشفقانہ جذبات کا مکمل ظہور اور والدین کی حیثیت میں اولاد کے ساتھ جذباتی وابستگی وغیرہ وہ مقاصد ہیں جو رشتہ نکاح کے ذریعہ مطلوب ہیں۔ ان مقاصد کی طرف سورہ روم کی درج ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا کی۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

مذکورہ مقاصد کے علاوہ قرآن نے حسی پہلو اور زوجین کے درمیان جسمانی تعلق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس معاملہ میں بھی بالکل سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کی ہے جس پر چل کر انسان گندے اور غلط طریقوں سے بچتے ہوئے اپنی فطری خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ یہودی اور مجوسی عورتوں سے حالت حیض میں کنارہ کشی اختیار کرنے کے معاملہ میں بڑا غلو کرتے تھے اور نصاریٰ حیض کی پرواہ کیے بغیر عورتوں سے مجامعت کرتے تھے۔ رہے اہل جاہلیت تو وہ حائضہ کے ساتھ نہ کھاتے پیتے تھے اور نہ اٹھتے

بیٹھتے تھے بلکہ اس کو گھر سے باہر نکال دیتے تھے۔ ان کا سلوک بالکل یہودیوں اور مجوسیوں جیسا تھا۔

اس صورت حال کے پیش نظر بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ حائضہ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ اس معاملہ میں حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ آذَىٰ ۖ فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ٥٠﴾

”وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو وہ گندگی ہے۔ اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جس طرح کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنے کا مطلب بعض بدوں نے یہ سمجھا کہ ان کے ساتھ رہنا سہنا جائز نہیں ہے لیکن نبی ﷺ نے آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے تمہیں عورتوں سے حالت حیض میں مجامعت سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ عجمیوں کی طرح انہیں گھر سے نکالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب یہودیوں نے یہ بات سنی تو کہا، اس شخص نے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے کی ٹھان لی ہے۔“

مسلمان اپنی بیوی سے حالت حیض میں متمتع ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ حیض کی جگہ سے

﴿٢/البقرة: ٢٢٢﴾ قال الشيخ الألبانی: ”لم أجده بهذا السياق في شيء من كتب السنة التي عندي“ وقريب منه ما ذكر في الدر المنثور للسيوطي ، ١/٢٥٨؛ بلفظ مختلف في صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، رقم الحديث: ٣٠٢۔

دور رہے۔ اس طرح اسلام نے جیسا کہ اس کا مستقل اصول ہے۔ دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا موقف اختیار کیا یعنی حائضہ سے اس قدر دوری بھی نہیں کہ اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور اس حد تک اختلاط بھی نہیں کہ مجامعت کو جائز سمجھ لیا جائے۔

جدید علم طب نے اس بات کا اکتشاف کیا ہے کہ حیض کے خارج شدہ خون میں ایک قسم کا مسموم مادہ ہوتا ہے جو اگر جسم کے اندر رہ جائے تو مضر ہوتا ہے۔ اسی طرح حالت حیض میں جماع سے اجتناب کرنے کے راز پر سے بھی پردہ اٹھایا ہے چنانچہ عورت کے صنفی اعضاء دوران حیض خون کے مجتمع ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنسی اختلاط اس کے لیے مضر ہوتا ہے اور کبھی حیض کی رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے جس سے اسے عصبی تکلیف ہوتی ہے اس کے علاوہ بعض اوقات صنفی اعضاء میں سوزش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ❀

دُبر سے اجتناب

عورتوں سے جسمانی تعلق کے سلسلہ میں سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاثْوَا حَرْثَكُمْ اَنِّي سِئْتُمْ وَقَدِمُوا لَانَفْسِكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُلْقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❀

”عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے مستقبل کا سامان کرو اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تمہیں اس سے لازم ملنا ہے۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری سنادو۔“

مذکورہ آیت کے سبب نزول اور اس کی حکمت پر علامہ ہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”یہودیوں نے طریقہ مباشرت کے سلسلہ میں کسی آسمانی حکم کے بغیر خواہ مخواہ تنگی پیدا کر لی تھی۔ اور انصار وغیرہ جو ان سے قریب رہتے تھے ان ہی

❀ ملاحظہ ہو الاسلام والطب الحدیث از ڈاکٹر عبدالعزیز اسماعیل۔

❀ ۲/البقرة: ۲۲۳۔

کے طریقہ کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ جب آدمی پشت کی جانب سے مجامعت کرتا ہے تو اولاد بھنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَاتُوا حَرْثَكُمْ اَنى شِئْتُمْ﴾ یعنی مجامعت اگلے حصہ ہی میں کی جائے خواہ اس کا طریقہ آگے کی جانب سے آنے کا ہو یا پیچھے کی جانب سے آنے کا۔ ❁

طریقہ مباشرت کا کوئی تعلق تمدنی یا ملی مصلحت سے نہیں ہے۔ رہی ذاتی مصلحت تو انسان اپنی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس معاملہ میں یہودیوں کی تنگ نظری ان کی موشگافیوں کا نتیجہ تھی اس لیے اس کو رد ہی کیا جانا چاہیے تھا۔“

دین نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ مباشرت کے طریقوں اور اس کی کیفیتوں کی تحدید کرے۔ اس کی نظر میں اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ جان لے کہ اسے اللہ سے بہر حال ملنا ہے اور اس تصور کے پیش نظر دُبر سے اجتناب کرے کیونکہ وہ گندی جگہ ہے اور یہ فعل خبیث لواطت کے مشابہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ شریعت اسے ممنوع قرار دیتی، چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِى اَدْبَارِهِنَّ)) ❁

”عورتوں کے دُبر میں صحبت نہ کرو۔“

اور جو شخص عورت کے دُبر میں صحبت کرتا ہے اس کو آپ ﷺ نے

((هُوَ اللُّوْطِيَّةُ الصُّغْرَى)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورة البقرة (نساء کم حرث لکم)، رقم الحدیث: ۴۵۲۸؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز جماعه امراته فى قبلها.....، رقم الحدیث: ۱۴۳۵۔ ❁ [صحیح] سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب النهى عن ايتان النساء فى ادبارهن، رقم الحدیث: ۱۹۳۴؛ مسند احمد بن حنبل ۲/۵، رقم الحدیث: ۲۱۸۵۸؛ السنن الكبرى للبيهقى، ۱۹۸/۷۔ ❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل ۲/۱۸۲، رقم الحدیث: ۶۷۰۶؛ السنن الكبرى للبيهقى ۱۹۸/۷؛ مجمع الزوائد للهيثمى ۴/۲۹۸، رقم الحدیث: ۷۵۹۱۔

”یہ بھی ایک قسم کی لواطت ہے“ سے تعبیر فرمایا ہے۔

انصار کی ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ پشت کی جانب سے اگلے حصہ میں مجامعت کرنے کا کیا حکم ہے۔ تو آپ ﷺ نے آیت ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ تلاوت فرمائی۔ ❁

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْكَتُ قَالَ فَمَا أَهْلَكَ؟ قَالَ حَوَّلْتُ رَحْلِي
الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ السَّابِقَةُ فَقَالَ لَهُ
أَقْبِلْ وَأَذْبِرْ وَاتَّقِ الْحَيْضَةَ وَالذُّبْرَ.)) ❁

”یا رسول اللہ ﷺ میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا کیا بات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ گزشتہ شب میں نے اپنی سواری کا رخ بدل دیا۔ یعنی پشت کی طرف سے مجامعت کر لی۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا آگے سے آدیا پیچھے سے مگر حیض اور دبر میں مجامعت کرنے سے اجتناب کرو۔“

زن و شوئی کے رازوں کی حفاظت

قرآن نے نیک بیویوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ.﴾ ❁

”فرمانبردار اور اللہ کی حفاظت کے تحت رازوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔“

جن پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے ان میں زوجین کے درمیان خصوصی

❁ [اسنادہ حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳۰۵/۶، رقم الحدیث: ۲۶۶۰۱؛ مسند الدارمی، ۷۲۵/۱، رقم الحدیث: ۱۱۵۹، باب إتيان النساء في أدبارهن؛ تفسير طبري، سورة البقرة آيت نمبر ۲۲۳/۲-۹۲۔ ❁ [اسنادہ حسن] مسند احمد بن حنبل، ۲۹۷/۱، رقم الحدیث: ۲۷۰۳؛ جامع ترمذی، کتاب تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، رقم الحدیث: ۲۹۸۰؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۱۹۸/۷۔ ❁ ۴/النساء: ۳۴۔

تعلق رکھنے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ان رازدارانہ باتوں کا تذکرہ دوستوں اور سہیلیوں کی مجلسوں اور انجمنوں میں کرنا صحیح نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةَ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي

إِلَى الْمَرْأَةِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا.)) ❁

”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین شخص وہ ہوگا جو عورت سے اپنی

حاجت پوری کر لیتا ہے اور بعد میں اس کے راز افشاء کرتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا بیٹھے رہو اور سنو۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردہ ڈال دیتا ہے، پھر جب باہر نکلتا ہے تو لوگوں سے بیان کرتے پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم میں بھی ایسی عورتیں ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتی ہوں؟ ایک نو عمر لڑکی نے جو اپنے گھٹنوں کے بل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کی کوشش کر رہی تھی کہا قسم بخدا: مرد بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هَلْ تَدْرُونَ مَا مَثَلُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ؟ إِنَّ مَثَلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ

مَثَلُ شَيْطَانٍ وَشَيْطَانَةٍ لَقِيَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ بِالسِّكَّةِ فَقَضَى

حَاجَتَهُ مِنْهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ.)) ❁

”جانتے ہو جو شخص ایسی باتیں کرتا ہے اس کی مثال کیسی ہے؟ اس کی مثال

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم افشاء سر المرأة، رقم الحدیث: ۱۴۳۷؛ کنز

العمال للمتقی الہندی، رقم الحدیث: ۴۴۹۷۳۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] مسند احمد بن

حنبل ۲/۵۴۰، رقم الحدیث: ۱۰۹۷۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ذکر

الرجل ما یكون من إصابته أهله، رقم الحدیث: ۲۱۷۴۔

شیطان یا شیطانہ جیسی ہے جو اپنی بیوی سے سر راہ ملتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرتا ہے، در آنحالیکہ لوگ یہ (تماشا) دیکھ رہے ہوتے ہیں۔“

یہ مثال ایک مسلمان کے لیے اس لحاظ سے بہت کافی ہے کہ وہ اس قسم کی حماقتوں سے متنفر ہو جائے کیونکہ یہ نہایت ذلیل حرکت ہے اور کوئی مسلمان شیطان یا شیطانہ بننا پسند نہیں کر سکتا۔

خاندانی منصوبہ بندی

(Family Planing)

نوع انسانی کا بقاء از دواج کا اولین مقصد ہے اور اس بقاء کا انحصار سلسلہ تناسل کے جاری رہنے پر ہے۔ اسی لیے اسلام نے افزائش نسل کو نہایت پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اسلام کی نظر میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب خیر و برکت کا باعث ہیں لیکن اس کے ساتھ اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ معقول وجوہ اور قابل لحاظ ضرورتوں کی بناء پر خاندانی منصوبہ بندی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عہد رسالت میں سلسلہ پیدائش کو روکنے یا کم کرنے کے لیے عزل۔ یعنی انزال کے وقت منی رحم کے باہر خارج کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عہد رسالت میں اس طریقہ کو اختیار کرتے تھے، چنانچہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ)) ❁

”ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے در آنحالیکہ قرآن

نازل ہو رہا ہوتا۔“

اور صحیح مسلم میں ہے:

((كُنَّا نَعْزِلُ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ))

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب العزل، رقم الحدیث: ۵۲۰۹؛ صحیح مسلم،

کتاب النکاح، باب حکم العزل، رقم الحدیث: ۱۴۴۰۔

فَلَمْ يَنْهَنَا.)) ❁

”ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

((وَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ لِي جَارِيَةً وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرَّجَالُ وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ أَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْوَدَّةَ الصُّغْرَى. فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كَذَبَتِ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعَتْ أَنْ تُصْرِفَهُ.)) ❁

”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک لونڈی ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں۔ مجھے اس سے وہی رغبت ہے جو مردوں کو عورتوں سے ہوتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ یہود عزل کو موودہ صغریٰ (ایک درجہ میں قتل اولاد) سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہود غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ بچہ پیدا کرنا چاہے تو تم اس کو ٹال نہیں سکتے۔“

آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ عزل کرنے کے باوجود ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ منی کا قطرہ نکل کر رحم میں پہنچ جاتا ہے اور لاعلمی میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں عزل کا ذکر چھڑ گیا تو ایک شخص نے کہا کہ لوگ اسے موودہ صغریٰ سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: موودہ (زندہ درگور

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب حکم العزل، رقم الحدیث: ۱۴۴۰۔

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ماجاء فی العزل، رقم الحدیث: ۲۱۷۱؛

الدر المنثور للسيوطی، ۱/۲۶۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۳، رقم الحدیث: ۱۱۲۸۸۔

کتاب السنة لابن ابی عاصم، باب فی العزل و ما أراد اللہ کونہ کونہ، رقم الحدیث: ۳۵۹؛

مصنف عبدالرزاق، ۷/۱۴۰، رقم الحدیث: ۱۲۵۵۵۰۔

کرنا بالفاظ دیگر قتل اولاد) کا اطلاق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ جنین سات اطوار سے گزر جائے۔ منی کا خلاصہ نطفہ بن جائے پھر جما ہوا خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈیاں پھر گوشت پوست۔ اور ان سب مدارج سے گزرنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ نے بالکل صحیح کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل عمر عطا فرمائے۔“ ❁

خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کی صورتیں

خاندانی منصوبہ بندی کا جواز چند ضرورتوں کی بنا پر ہے۔ ایک ضرورت تو یہ ہے کہ ماں کی زندگی یا صحت کو مرض یا زچگی کی وجہ سے خطرہ لاحق ہو۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو جائے یا قابل اعتماد ڈاکٹر بتادے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ❁

”اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ ❁

”اپنے کو ہلاک نہ کرو یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے۔“

دوسری ضرورت یہ ہے کہ دنیوی حرج میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کے نتیجے میں دینی حرج پیدا ہو جائے اور آدمی اولاد کی خاطر حرام چیز کو قبول کرنے اور ناجائز باتوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ﴾ ❁

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔“

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ ❁

”اللہ تم پر تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔“

❁ مصنف عبدالرزاق ۱/۷، رقم الحدیث: ۱۲۵۵۲ - ❁ ۲/البقرة: ۱۹۵ -

❁ ۴/النساء: ۲۹ - ❁ ۲/البقرة: ۱۸۵ - ❁ ۵/المائدة: ۶ -

تیسری ضرورت اولاد کی صحت کے خراب ہو جانے یا ان کی صحیح تربیت نہ ہونے کا احتمال ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَعَزَلُ عَنِ امْرَأَتِي. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَ تَفْعَلُ ذَلِكَ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ أَشْفِقُ عَلَى وَلَدِهَا. أَوْ قَالَ عَلَى أَوْلَادِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَ ضَارًّا لَضَرَّ فَارِسَ وَالرُّومَ)) ❁

”اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا بچہ کو (یا یہ کہا کہ بچوں کو) نقصان پہنچنے کے اندیشہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر نقصان پہنچنے کی بات صحیح ہوتی تو فارس و روم والوں کو ضرور نقصان پہنچتا۔“

گویا نبی ﷺ کے نزدیک افراد کا یہ طرز عمل امت کے لیے بحیثیت مجموعی مضر نہیں تھا اور مضر نہ ہونے کی دلیل یہ تھی کہ فارس و روم کی قوموں کو جو اس وقت کی بڑی طاقتور حکومتیں تھیں، اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔

شرعاً جو ضرورتیں معتبر ہیں ان میں سے ایک ضرورت یہ ہے کہ دودھ پیتے بچہ کو نئے حمل کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں اس بات کا امکان ہے کہ ماں کا دودھ خراب ہو جائے اور بچہ کمزور ہو جائے۔

نبی ﷺ امت کو ایسی باتیں اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے جو امت کے حق میں مفید ہوں اور ان باتوں کو اختیار کرنے سے منع فرماتے تھے جو امت کے حق میں مضر ہوں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغيلة، رقم الحدیث: ۱۴۴۳؛ کنز العمال للمتقی الہندی، رقم الحدیث: ۴۵۸۵۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۰۳/۵، رقم الحدیث: ۲۱۷۷۰۔

((لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسُ فِيهِ

عَشْرَهُ)) ❁

”اپنی اولاد کو خفیہ طریقہ پر ہلاک نہ کرو کیونکہ دودھ پیتے بچے کی موجودگی میں بیوی سے صحبت کرنے سے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے۔“

لیکن نبی ﷺ نے اس کی ممانعت حرمت کے درجہ میں نہیں فرمائی کیونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دوسری قوموں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور انہیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ نیز اگر دودھ پلانے کی وجہ سے جماع کی قطعی ممانعت کر دیجاتی تو ان کے شوہروں کو اس سے تکلیف ہوتی جبکہ دودھ پلانے کا سلسلہ دو سال تک جاری رہتا ہے۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهِيَ عَنِ الْغَيْلَةِ ثُمَّ رَأَيْتُ فَارِسَ وَالرُّومَ

يَفْعَلُونَهُ وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ شَيْئًا)) ❁

”میں چاہتا تھا کہ دودھ پیتے بچوں کی ماؤں سے مباشرت کرنے سے منع کروں لیکن فارس اور روم کے لوگوں کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔“

ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں میں تطابق کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

”نبی ﷺ کے سامنے دونوں پہلو تھے۔ ایک یہ کہ دودھ پیتے بچہ کی موجودگی میں اس کی ماں سے مباشرت بچہ کے حق میں نقصان دہ ہوگی اگرچہ یہ نقصان بچہ کو قتل کرنے یا ہلاک کرنے کے مترادف نہیں ہے۔ تاہم

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الغیل، رقم الحدیث: ۳۸۸۱؛ مسند احمد بن حنبل ۶/۴۵۳، رقم الحدیث: ۲۷۵۶۲؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الغیل، رقم الحدیث: ۲۰۱۲۔

❁ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغیلة، رقم الحدیث: ۱۴۴۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطب فی الغیل، رقم الحدیث: ۳۸۸۲؛ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب الغیلة، رقم الحدیث: ۳۳۲۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۳۶۱، رقم الحدیث: ۲۷۰۳۵۔

نقصان کے اندیشہ کے پیش نظر آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی لیکن یہ ممانعت حرمت کے درجہ میں نہیں تھی۔ پھر آپ ﷺ نے سدّ ذریعہ کے طور پر اس سے روکنا چاہا لیکن دوسرا پہلو آپ ﷺ کے سامنے یہ آیا کہ اس ذریعہ کا انسداد اس مفسدہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو مدتِ رضاعت میں مباشرت کی ممانعت کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے۔ خاص طور سے نوجوانوں اور اربابِ شہوت کے مفسدہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ مصلحت سدّ ذریعہ کے مفسدہ کے مقابلہ میں رائج ہے نیز اس دور کی دو بڑی قوموں کا طرز عمل بھی پیش نظر تھا جو اس سے احتراز نہیں کرتی تھیں۔ ان امور کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی۔ ❁

ہمارے زمانہ میں منع حمل کے نئے نئے ذرائع ایجاد ❁ ہوئے ہیں جن کو استعمال کر کے اس مصلحت کا تحفظ کیا جاسکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھی یعنی دودھ پیتے بچہ کو نقصان پہنچنے سے بچانا اور اس مفسدہ سے بھی بچانا جو دورانِ رضاعت مباشرت کی ممانعت کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے۔

اس کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں دو ولادتوں کے درمیان کی مثالی مدت اس شخص کے لیے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہتا ہو تیس (۳۰) یا تینتیس (۳۳) مہینے ہے۔

امام احمد کے نزدیک عزل جائز ہے بشرطیکہ بیوی کی اجازت سے کیا جائے کیونکہ اولاد اور تلذذ دونوں میں اس کا حق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ

❁ زاد المعاد ج ۴، ص ۶۶۔

❁ واضح رہے کہ مؤلف کی یہ بحث فیملی پلاننگ سے متعلق ہے نہ کہ نس بندی سے متعلق اس لیے اس کو نس بندی کے جواز پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نس بندی درحقیقت خلق اللہ میں تبدیلی ہے۔ اس لیے اس کا گناہ اور ناجائز ہونا بالکل واضح ہے مگر یہ کہ آدمی کے لیے جبر و اضطرار کی صورت پیدا ہو جائے۔ مترجم

نے بیوی کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔ ❁

اس سے اسلام کا وہ ممتاز نقطہ نظر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے جو اس نے عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ایسے زمانہ میں اختیار کیا جبکہ لوگ حقوق نسواں سے بالکل آشنائے تھے۔

اسقاطِ حمل

اسلام نے مانعِ حمل طریقے اختیار کرنا ایسی صورت میں جائز ٹھہرایا ہے جبکہ ضرورت اس کی متقاضی ہو لیکن جب حمل قرار پا چکا ہو تو اس کو نقصان پہنچانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفخِ روح کے بعد جنین کا اسقاط حرام اور جرم ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ صورت جنین کے حق میں جو ایک زندہ وجود اور اپنی ساخت میں کامل ہے صریح ظلم ہے۔ اسی لیے فقہاء کہتے ہیں کہ حمل ساقط کرانے کی صورت میں اگر جنین زندہ پیدا ہو کر مر جائے تو دیت لازم آئے گی اور اگر جنین مردہ پیدا ہو گیا تو جرمانہ ادا کرنا ہوگا جس کی مقدار دیت سے کم ہوگی۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ جب قابلِ اعتماد ذرائع سے یہ اندازہ ہو جائے کہ جنین کو بچانے کی صورت میں لامحالہ ماں کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور اسقاط کے سوا کوئی دوسری صورت جان بچانے کی ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسقاط ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ دو ضرر رساں چیزوں میں سے کم ضرر رساں چیز کو اختیار کیا جائے۔ اس قاعدے کے پیش نظر بچہ کی جان کو بچانے کی خاطر ماں کی زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈالا جاسکتا کیونکہ ماں کی زندگی اصل ہے اور اس کا حق مقدم ہے۔ لہذا اس کی زندگی کو جنین کی زندگی پر ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”منع حمل اور اسقاط حمل میں فرق کیا جانا چاہیے۔ منع حمل قتلِ اولاد کے

❁ [اسنادہ ضعیف] السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۳۱/۷؛ مصنف عبدالرزاق، ۱۴۳/۷، رقم

مترادف نہیں ہے کیونکہ قتل اولاد کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ بچہ وجود میں آچکا ہو۔ بچہ کے وجود میں آنے کے کئی مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پا جائے اور اس میں زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کو ضائع کرنا گناہ کا کام ہے۔ پھر جب خون کا لوتھڑا بن جائے تو اس کو ضائع کرنا اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے۔ اور جب اس میں روح پھونکی جا چکی ہو اور وہ صحیح الخلق انسان بن گیا ہو تو اس کو ضائع کرنا گناہ میں مزید اضافہ کا موجب ہے اور حد درجہ گناہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد قتل کر دیا جائے۔ ❁



زوجین کے معاشرتی حقوق

نکاح وہ پختہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان ذریعہ ارتباط بنایا ہے۔ دونوں میں سے ہر فرد نکاح کے بعد زوج کہلاتا ہے کیونکہ وہ دوسرے کا جوڑ ہوتا ہے اور اپنے دل میں اس کے درد کی چوٹ محسوس کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس بندھن کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ❁

”وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ زوجین کو باہم متحد، ایک دوسرے کی ستر پوشی کرنے والا، ایک دوسرے کا حامی اور ایک دوسرے کے لیے باعث زینت ہونا چاہیے۔ گویا دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق جن کو بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا چاہیے۔ یہ حقوق مساوی ہیں بجز ان باتوں کے جو مردوں کے ساتھ ان کی فطرت کے لحاظ سے مخصوص ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ❁

”عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں

کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔“

یہ درجہ قوام اور ذمہ دار جو ابده ہونے کا ہے۔ نبی ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا

ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبَ

الْوَجْهَ وَلَا تَقْبَحُ وَلَا تَهْجُرُ إِلَّا فِي الْبَيْتِ)) ❁

❁ ۲/البقرة: ۱۸۷ - ❁ ۲/البقرة: ۲۲۸ - ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح ،

باب فی حق المرأة علی زوجها ، رقم الحدیث: ۲۱۴۲ ؛ سنن ابن ماجہ ، کتاب النکاح ، باب حق المرأة

علی الزوج ، رقم الحدیث: ۱۸۵۰ ؛ السنن الكبرى للبيهقي ، ۲۹۵/۷ ؛ مسند احمد بن حنبل ،

۴/۴۴۷ ، رقم الحدیث: ۲۰۰۱۱ ؛ ارواء الغلیل للألبانی ، ۹۷/۷ ، رقم الحدیث: ۲۰۳۳ -

”یہ کہ انہیں اپنے ساتھ کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ، اس کے چہرہ پر نہ مارو اور نہ اسے برا بھلا کہو اور اسے اس کے گھر کے سوا کہیں نہیں چھوڑو۔“

اس لیے کسی مسلمان شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان نفقہ اور پوشش کی طرف سے بے اعتنائی برتے۔ حدیث میں ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضِيعَ مَنْ يَقُوْتُ)) ❁

”آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جن کے نان نفقہ کی اس پر ذمہ داری ہے ان کی طرف سے وہ بے پرواہ ہو جائے۔“

اسلام شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی کے منہ پر مارے کیونکہ یہ انسانی احترام کے خلاف ہے اور اس سے جسم کے اشرف حصہ کو جس میں جسم کے جملہ محاسن جمع ہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ گونا فرمان اور سرکش بیوی کو وقت ضرورت بغرض تادیب مارنا جائز ہے لیکن اس طرح زد و کوب کرنا کہ اسے اذیت پہنچے یا اس کے چہرہ کو مار لگے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیوی کو برا بھلا کہا جائے اور اذیت دہ باتیں کی جائیں یا ایسی باتیں کی جائیں جو اسے ناگوار ہوں یا مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تیرا برا کرے وغیرہ۔

رہا شوہر کا حق بیوی پر تو نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ أَنْ تَأْذَنَ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهُوَ كَارِيَةٌ وَلَا تَخْرُجَ وَهُوَ كَارِيَةٌ وَلَا تُطِيعَ فِيهِ أَحَدًا. وَلَا تَعْتَزِلَ فِرَاشَهُ وَلَا تَضْرِبَهُ فَإِنْ كَانَ هُوَ أَظْلَمَ فَلْتَأْتِهِ حَتَّى تُرْضِيَهُ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهَا فَبِهَا وَنَعِمَتْ وَقَبِلَ اللَّهُ عُذْرَهَا وَأَفْلَحَ حُجَّتْهَا، وَإِنْ هُوَ لَمْ يَرْضَ فَقَدْ أَبْلَغَتْ عِنْدَ اللَّهِ عُذْرَهَا.)) ❁

❁ [صحیح لغیرہ] صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك، رقم الحديث: ۹۹۶؛ مستدرک حاکم، ۴۱۵/۱، رقم الحديث: ۱۵۵۵؛ حلیة الأولیاء لابی نعیم، ۱۵۳/۷، رقم الحديث: ۹۹۸۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۶۰/۲، رقم الحديث: ۶۴۹۵۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] مستدرک حاکم، ۱۹۰/۲، رقم الحديث: ۲۸۲۴؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۹۳/۷؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۱۰۷، ۶۲/۲۰؛ مجمع الزوائد للهيثمي، ۳۱۳/۴، رقم الحديث: ۷۶۶۵۔

”جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس شخص کو آنے کی اجازت دے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو اور نہ اس کی مرضی کے بغیر وہ باہر نکلے اور نہ اس معاملہ میں کسی کی بات مانے اور نہ اپنے شوہر کے بستر سے الگ رہے اور نہ اس کو مارے۔ اگر شوہر ظالم ہو تو اپنی حد تک اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس کی یہ خدمت شوہر نے قبول کر لی تو فبہا۔ اللہ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا اور اس کا برسر حق ہونا ظاہر فرمائے گا۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو تو اللہ کے حضور اس کا عذر پہنچ ہی جائے گا۔“

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں صبر کرنا چاہیے

مسلمان شوہر کو اپنی بیوی کی ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرنا چاہیے اور انسان میں انسان ہونے کی حیثیت سے جو نقائص ہوتے ہیں اور عورتوں میں نسوانیت کی بناء پر جو کمزوریاں ہوتی ہیں ان کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ اسی طرح بیوی کی برائیوں کے مقابلہ میں اچھائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں اس کی خوبیوں پر نظر رکھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ سَخِطَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا

غَيْرَهُ.)) ❁

”کوئی مؤمن کسی مؤمنہ سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس میں ایک خصلت

ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خصلت پسندیدہ ہوگی۔“

اور ارشاد خداوندی ہے:

((وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُنَّ

❁ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، رقم الحديث: ۱۴۷۶؛ مسند احمد

بن حنبل، ۳۲۹/۲، رقم الحديث: ۸۳۶۳؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۹۵/۷۔

شَيْئًا وَيَجْعَلُ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا. ❁

”اُن کے ساتھ بھلے طریقہ سے رہو۔ اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“
اسلام نے جس طرح شوہر کو بیوی کی ناگوار باتوں پر صبر و تحمل سے کام لینے کی ہدایت کی ہے اسی طرح بیوی کو بھی یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو ممکن حد تک خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے شوہر کو ناراضی کی حالت میں چھوڑ کر شب بسر نہ کرے۔ حدیث میں ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرْفَعُ صَلَاتَهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شَبْرًا. رَجُلٌ أُمَّ قَوْمًا

وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَرَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخْوَانٌ

مُتَصَارِمَانِ.)) ❁

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھر بھی اوپر نہیں اٹھتی۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے درآنحالیکہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں، دوسری وہ عورت جو اس حال میں شب بسر کرے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو، تیسرے وہ دو بھائی جو ایک دوسرے سے لڑیں۔“

نافرمانی اور نزاع کی صورت میں

مرد گھر کا سردار اور خاندان کا سرپرست ہے اس بناء پر کہ اس کی تخلیق اسی طرز پر ہوئی ہے اور اس کے اندر اس کی استعداد پائی جاتی ہے اور کارگہ حیات میں اس کی حیثیت بھی یہی کچھ ہے نیز وہ مہر اور نان نفقہ کا ذمہ دار ہے لہذا عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے خروج اختیار کرے اور اس سے سرکشی کرے ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تعلقات خراب ہو جائیں گے اور سفینہ بیت ڈانوا ڈول ہونے لگے گا اور عجب نہیں کہ کسی

❁ ۴/النساء: ۱۹۔

❁ [حسن بشواہدہ] سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰت، باب من أم قوما وهم له کارهون، رقم الحدیث: ۹۷۱؛ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی من أم قوما وهم له کارهون، رقم الحدیث: ۳۶۰؛ صحیح ابن حبان ۵/۵۳، رقم الحدیث: ۱۷۴۷۔

نا خدا کے نہ ہونے کی وجہ سے غرق ہو جائے۔

شوہر جب دیکھ لے کہ بیوی کی طرف سے نافرمانی کا صدور ہو رہا ہے اور بیوی اس کے خلاف سر اٹھا رہی ہے تو کلمات خیر، موثر نصیحت اور حکیمانہ باتوں کے ذریعہ اس کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرے۔ لیکن جب نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو اس کو اس کے بستر پر چھوڑ دے تاکہ نسوانی جذبات ابھر آئیں اور فرمانبرداری کرنے لگے۔

اور اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو پھر اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے لیکن ایسی صورت میں اذیت وہ حد تک زد و کوب کرنے اور چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بعض عورتوں کے لیے بعض حالات میں یہی علاج کارگر ہوتا ہے۔ مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوڑے یا لکڑی وغیرہ سے مارنا بلکہ اس کی نوعیت نبی ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک خادم سے جس نے کسی کام کے سلسلہ میں آپ ﷺ کو غصہ دلایا تھا فرمایا کہ:

((لَوْلَا الْقِصَاصُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَأَوْجَعْتُكَ بِهَذَا السِّوَاكِ)) ❁
 ”اگر قیامت کے دن بدلہ نہ لیا جانے والا ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے مارتا۔“

نبی ﷺ نے زد و کوب کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:
 ((عَلَامٌ يَضْرِبُ أَحَدَكُمْ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْعَبْدِ وَلَعَلَّهُ أَنْ يُجَامِعَهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ)) ❁

”تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کیوں پیٹتا ہے جس طرح

❁ [اسنادہ ضعیف] المعجم الكبير للطبرانی، ۳۷۶/۲۳، رقم الحدیث: ۸۸۹؛ طبقات ابن سعد، ۳۸۲/۱؛ کتاب الأدب المفرد للبخاری، ۹۸/۱، رقم الحدیث: ۱۸۴؛ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی، ۳۵۲/۹، رقم الحدیث: ۴۳۶۳۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱۷/۴، رقم الحدیث: ۱۶۲۲۱؛ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ والشمس، رقم الحدیث: ۴۹۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب الحنۃ، باب النار یدخلها الجبارون، رقم الحدیث: ۲۸۵۵۔

غلاموں کی پٹائی ہوتی ہے؟ اور اس کے بعد شاید وہ رات میں اس سے
مجامعت بھی کر لے۔“

جو لوگ عورتوں کو مارتے ہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَجِدُونَ أَوْلِيَّكَ خِيَارَكُمْ)) ❁

”ایسے لوگوں کو تم اپنے میں بہتر نہ پاؤ گے۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم میں جو لوگ اچھے ہوں گے وہ کبھی اپنی بیویوں
کو نہیں ماریں گے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں کو مارنا فی الجملہ
جائز ہے جس کا مناسب موقع اس وقت ہے جبکہ شوہر بیوی میں کوئی ایسی
ناگوار بات دیکھ لے جس میں اس کی اطاعت کرنا اس پر واجب ہے۔ ایسی
صورت میں وہ اسے تادیباً مار سکتا ہے۔ البتہ اگر دھمکی وغیرہ سے کام چل
سکے تو اچھا ہی ہے اور جب ذومعنی الفاظ استعمال کرنے سے کام چلتا ہو
مار پیٹ سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ حسن
معاشرت کے خلاف ہے، حالانکہ حسن معاشرت ازدواجی زندگی میں اصلاً
مطلوب ہے۔ آلا یہ کہ کسی ایسے معاملہ میں اسے مارنا پڑے جو اللہ کی
نافرمانی سے تعلق رکھتا ہو۔“

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

((مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ امْرَأَةً لَهُ وَلَا خَادِمًا قَطُّ وَلَا

ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ تَنْتَهَكَ حُرْمَاتُ اللَّهِ

❁ [ضعيف] سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، رقم الحدیث: ۲۱۴۶۔

سنن ابی ماجہ، کتاب النکاح، باب ضرب النساء، رقم الحدیث: ۱۹۸۵؛ مستدرک

حاکم، ۱۸۸/۲، رقم الحدیث: ۲۸۱۹؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳۰۴/۷۔

فَيَنْتَقِمُ لِلَّهِ. ﴿٤﴾

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا خادم کو کبھی نہیں مارا اور نہ کسی اور شخص پر کبھی اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ہاں اللہ کی راہ میں یا محرمات الہی کی بے حرمتی کی وجہ سے اللہ کی خاطر کسی کو سزا دی ہو تو یہ اور بات ہے۔“

لیکن اگر یہ سب باتیں غیر موثر ثابت ہو جائیں اور اختلافات کی خلیج وسیع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسلامی معاشرہ اور اہل الرائے اور اصحاب خیر کو اس میں مداخلت کر کے اصلاح کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے اہل میں سے ایک حکم اور بیوی کے اہل میں سے ایک حکم جو خیر پسند ہو مقرر کر لیں۔ اگر انہوں نے میاں بیوی کو ملانا اور خرابی کی اصلاح کرنا چاہا تو اللہ ان کے درمیان ضرور موافقت پیدا کرے گا۔ ان امور کے سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا. إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا. وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا. إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا.﴾

”جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو، ان کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو۔ یقین جانو کہ اللہ بالاتر اور بہت بڑا ہے۔ اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔ اگر

صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مباحثہ ﷺ للآثام، رقم الحدیث: ۲۳۲۸؛ نسائی فی الكبرى، ۳۷۱/۵، رقم الحدیث: ۹۱۶۴ واللفظ له؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۲۹/۶، رقم الحدیث: ۲۵۹۲۳۔ ﴿۴﴾ النساء: ۳۴، ۳۵۔

دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان کے درمیان سازگاری پیدا کر دے گا، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔“

صرف ایسی صورت میں طلاق جائز ہو جاتی ہے

ان تمام صورتوں اور تمام کوششوں کے ناکام ہو جانے کے بعد شوہر کے لیے جائز ہو جاتا ہے کہ وہ بہ تقاضائے ضرورت آخری چارہ کار تلاش کرے جسے اسلام نے مشروع قرار دیا ہے تاکہ مشکلات کا حل نکل آئے اور یہ آخری چارہ کار طلاق ہے۔ اسلام نے اس طریقہ کو اختیار کرنے کی اجازت بہ کراہت دی ہے۔ اسے نہ مندوب قرار دیا ہے اور نہ مستحب بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((أَبْغَضُ الْحَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقِ)) ❁

”اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے“

((مَا أَحَلَّ اللَّهُ شَيْئًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ)) ❁

”اللہ نے طلاق سے زیادہ کسی ناپسندیدہ چیز کو حلال نہیں قرار دیا۔“

اور طلاق کا حلال مگر ناپسندیدہ ہونا اس بات سے ظاہر ہے کہ طلاق ایک رخصت ہے جسے ضرورتاً جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسے ایسی صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے جبکہ گھریلو زندگی متاثر ہو جائے اور زوجین کے دلوں میں نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ حدود اللہ پر قائم رہ سکیں اور حقوق زوجیت ادا کر سکیں۔ بقول گسے جب وفاق کی کوئی صورت نہ رہی تو فراق سہی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ)) ❁

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق، رقم الحدیث: ۲۱۷۸؛

سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب نمبر (۱)، رقم الحدیث: ۲۰۱۸؛ السنن الکبریٰ للبیہقی،

۳۲۲/۷؛ ارواء الغلیل للالبانی، ۱۰۶/۷، رقم الحدیث: ۲۰۴۰۔ ❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد،

کتاب الطلاق، باب فی کراہیۃ الطلاق، رقم الحدیث: ۲۱۷۷؛ السنن الکبریٰ للبیہقی،

۳۲۲/۷؛ مستدرک حاکم، ۱۹۶/۲، رقم الحدیث: ۲۸۴۸۔ ❁ ۴/النساء: ۱۳۰۔

”اگر دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا۔“

اسلام سے قبل طلاق کا طریقہ

طلاق کو اسلام ہی نے تنہا جائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسلام سے پہلے پوری دنیا میں طلاق کا طریقہ رائج تھا۔ بجز ایک دو قوموں کے۔ مرد جب عورت پر غصہ ہو جاتا، کسی معقول وجہ سے یا ناحق، تو اسے اس کے مکان سے باہر نکال دیتا اور عورت اپنی مدافعت میں کچھ نہ کر سکتی۔ نہ اس سے اس کا کوئی معاوضہ لے سکتی تھی اور نہ اس کو اور کسی قسم کا حق حاصل تھا۔ جس زمانہ میں یونانیوں نے شہرت حاصل کی اور ان کی تہذیب کا ڈنکا بج رہا تھا اس وقت ان میں بھی طلاق کسی قید اور شرط کے بغیر رائج تھی۔ اور رومانیوں کے نزدیک طلاق نکاح کے وجود میں آنے ہی سے معتبر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ اگر زوجین عدم طلاق کی شرط لگاتے تو منصف نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دے دیتا۔

رومانیوں کے قدیم قبائل کے نزدیک مذہبی نکاح کی صورت میں طلاق حرام ہو جاتی تھی البتہ شوہر کو اپنی بیوی پر لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے یہاں تک کہ بعض حالات میں بیوی کو قتل کرنا بھی اس کے لیے روا ہو جاتا۔ بعد میں ان کے مذہب نے طلاق کو اسی طرح مباح قرار دیا جس طرح کہ شہری قانون کی رو سے مباح تھی۔

یہودی مذہب میں طلاق

جہاں تک یہودی مذہب کا تعلق ہے اس نے بیوی کی حالت کو بہتر بنانے کا سامان کیا لیکن طلاق کو جائز قرار دے کر اس کے جواز میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ شوہر عورت پر فسق کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شرعاً طلاق دینے کے لیے مجبور تھا یہاں تک کہ اگر شوہر اس کے جرم کو معاف کر دیتا تب بھی اس کے لیے طلاق دینا ضروری تھا نیز قانون کی رو سے بھی اگر دس سال گزر جانے کے باوجود عورت کو اولاد نہیں ہوئی ہے تو طلاق دینا ضروری تھا۔ ❀

مسیحی مذہب میں طلاق

مسیحی مذہب طلاق کے معاملہ میں بالکل منفرد ہے۔ اس نے یہودی مذہب کی مخالفت کی اور انجیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے طلاق کو حرام قرار دیا نیز طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کا نکاح حرام ٹھہرایا۔ متی کی انجیل میں ہے:

”یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے

لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور

سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی

سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔“ ❁

اور مرقس کی انجیل میں ہے:

”جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے

برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے

بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔“ ❁

انجیل میں اس تحریم کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

”جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔“ ❁

یہ جملہ معنوں اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اسے طلاق کی حرمت کے لیے علت قرار دینا

قابل تعجب ہے۔ اللہ کی طرف سے زوجین کے جوڑے جانے کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ

اس نے نکاح کی اجازت دی ہے اور اسے مشروع ٹھہرایا ہے۔ اب اگر اس نے کچھ

ضرورتوں کی بنا پر طلاق کی اجازت دے دی تو یہ تفریق بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوئی

اگرچہ انسان نے تفریق کا یہ کام انجام دیا ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ جسے اللہ نے جوڑا ہے

اسے جدا کرنے والا انسان نہیں ہے بلکہ اللہ ہی ہے۔ کیا زنا کی صورت میں دونوں کو جدا

کرنے والا اللہ نہیں ہے؟ اسی طرح زنا کے علاوہ تفریق کے اور اسباب بھی ہو سکتے ہیں؟

❁ متی، باب ۵، آیت ۳۱، ۳۲۔ ❁ مرقس، ۱۰: ۱۱، ۱۲۔ ❁ متی، ۱۹: ۶۔

طلاق کے مسئلہ میں مسیحی مذہب کا اختلاف

اگرچہ کہ انجیل نے زنا کی صورت میں طلاق کو حرمت سے مستثنیٰ کر دیا ہے لیکن کیتھولک مذہب نے اس استثناء کی تاویل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہاں کوئی استثناء ہے ہی نہیں اور نہ طلاق دینے کی کوئی گنجائش ہے۔ طلاق کا تو مسیحی مذہب میں وجود ہی نہیں ہے۔ رہی زنا کی علت تو وہ فی نفسہ عقد کو فسخ کرنے والی ہے اس لیے زنا کی صورت میں مرد کے لیے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کہ عورت کو چھوڑ دے۔

اس کے برعکس پروٹسٹنٹ مذہب کے پیرو طلاق کو مخصوص صورتوں میں مثلاً بیوی کے زنا کرنے یا شوہر کی خیانت وغیرہ کرنے کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔ انجیل متی کے بیان پر یہ اضافہ ہے جو انہوں نے کیا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت دونوں کا بعد میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا حرام ٹھہرایا ہے۔

رہے آرتھوڈاکس (Orthodox) مذہب کے پیرو تو مصر میں ان کی مذہبی مجالس نے بیوی کے زنا کے ارتکاب اور چند دیگر اسباب کی بناء پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ ان اسباب میں سے تین سال تک بیوی کا بانجھ رہنا، متعدی امراض اور جھگڑوں کا طویل سلسلہ جس میں صلح کی طرف سے ناامیدی جیسے اسباب شامل ہیں۔ لیکن یہ اسباب انجیل پر اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے محافظ دوسروں سے ان اسباب کی بناء پر طلاق کا جواز منوانہیں سکے ہیں۔ اور اسی بناء پر مصر کی مسیحی عدالت نے ایک مسیحی عورت کا دعویٰ جس کے ذریعہ اس نے اپنے تنگ دست شوہر سے طلاق طلب کی تھی مسترد کرتے ہوئے یہ ریمارک دیا ہے کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ دین کے بعض علمبرداروں اور اس مجلس کے ممبروں نے ایسے اسباب کی بناء پر طلاق کو جائز قرار دیا ہے جس کی کوئی سند انجیل میں موجود نہیں ہے۔

طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کی ان پابندیوں کا نتیجہ

ان پابندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت کے پیرو اپنے دین سے سرکشی کر بیٹھے اور انجیل کی ہدایت سے اس طرح نکل گئے جس طرح تیرکمان سے نکل جاتا ہے اور جس کو اللہ نے جوڑا تھا اس کو جدا کر کے رہے۔ چنانچہ مسیحی مغرب نے ایسے شہری قوانین (Civil code) بنائے کہ ان کا اس قیدِ دوام سے نکلنا جائز ہو گیا اور امریکہ وغیرہ بہت سے ممالک نے تو طلاق کے جواز کے معاملہ میں بالکل چھوٹ دے دی گویا کہ وہ انجیل کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معمولی اسباب کی بناء پر لوگ طلاق کا ہتھیار استعمال کرنے لگے۔ اور جب اس انتہا پسندی کے نتیجہ میں ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام میں انتشار پیدا ہوا تو ان کے عقلاء کے نزدیک قابلِ شکایت قرار پایا یہاں تک کہ معاملاتِ طلاق کا ایک مشہور جج یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ عنقریب ان کے ملک سے ازدواجی زندگی ختم ہو جائے گی اور عورت مرد کے درمیان اباحت اور انارکی کی صورت میں تعلقات قائم ہوں گے۔ اور ازدواجی زندگی کی حیثیت آج تجارتی کمپنی کی ہے جس کے دونوں حصے دار معمولی اسباب کی بناء پر معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال تمام مذاہب کی ہدایت کے خلاف ہے۔

طلاق کے معاملہ میں مسیحیت کا منفرد رویہ

”دین کی تعلیمات سے ہٹ کر عائلی قوانین کو شہری قوانین کے مطابق ڈھالنے کی مثال غالباً مغربی مسیحیت کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔ اہل مذاہب اپنی عائلی زندگی کو مذہبی تعلیم کے تابع رکھتے ہیں لیکن اہل مسیحیت ہی ایک ایسی قوم ہے کہ جس نے اس سلسلہ میں اپنے دین سے انحراف کیا اور خاص طور سے طلاق کے معاملہ میں، کیونکہ ان کا اپنا احساس یہ تھا کہ اس کی تعلیمات طلاق کے معاملہ میں خلافِ حقیقت ہیں۔ انسانی مزاج سے نا آشنا ہے اور انسانی زندگی پر اس کا انطباق درست نہیں۔“ ❁

مسیحیت وقتی علاج تھا نہ کہ شریعت عامہ

طلاق کے معاملہ میں انجیل میں جو کچھ مذکور ہے اگر وہ صحیح ہو اور بالفرض قرونِ اولیٰ میں اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا گیا تھا تب بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیش نظر دوامی اور عمومی شریعت بنانا نہ تھا جو تمام انسانوں کے لیے ہو۔ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ یہود نے اللہ کی بخشی ہوئی رخصتوں کے معاملہ میں جو حد سے تجاوز کیا ہے جیسا کہ انہوں نے طلاق کے معاملہ میں کیا ہے اس کی مخالفت کی جائے۔ انجیل متی میں ہے کہ جب فریسیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا امتحان لینا چاہا تو آپ سے پوچھا:

”کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتداء ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ انہوں نے اس سے کہا: پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی جائے؟ اس نے ان سے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔“ ❁

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلاق کی جو اجازت دی تھی اس میں جب یہود نے غلو کیا تو حضرت مسیح علیہ السلام نے سزا کے طور پر طلاق ان پر حرام کر دی۔ بجز زانیہ کے۔ یہ وقتی علاج تھا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ایک ہمہ گیر اور دوامی شریعت کے

ظہور تک کے لیے تھا۔

یہ بات معقول نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام طلاق کے اس حکم کو دائمی شریعت کی حیثیت دینا چاہتے تھے کیونکہ آپ کے حواری اور مخلص تلامذہ نے خود اس حکم کو بوجھل قرار دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

”اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔“ ❁

کیونکہ ایسی صورت میں نکاح کرنے کا مطلب اپنی گردن میں ایسا طوق ڈال دینا ہے جس سے چھٹکارا کسی طرح ممکن نہیں خواہ مرد کا دل بیوی کی طرف سے کتنا ہی متنفر ہو اور وہ اس سے کتنا ہی کبیدہ خاطر ہو اور دونوں کے مزاج اور رجحانات میں کتنا ہی اختلاف ہو۔

طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی قیود

اسلامی شریعت نے طلاق کے معاملہ میں متعدد قیود عائد کی ہیں جس سے طلاق کا دائرہ محدود ہو گیا ہے۔ جن ذرائع کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں ان سے کام لیے بغیر اور بلا ضرورت طلاق دینا اسلام میں حرام اور ممنوع ہے کیونکہ اس سے بیوی کے علاوہ خود شوہر کو بھی ضرر پہنچتا ہے اور خلاف مصلحت بھی ہے اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینا اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ مال کو ضائع کرنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

((لَا ضَرَرًا وَلَا ضِرَارًا)) ❁

”نہ اپنی ذات کو ضرر پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو۔“

کی رُو سے بھی ایسی طلاق کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

رہے بہ کثرت طلاق دینے والے ذائقہ پرست تو یہ بات نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ارشاد نبوی ہے:

❁ متی، ۱۹: ۱۱۔

❁ [حسن] سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، رقم الحدیث:

۲۳۴۰؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۹۶/۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۱۳/۱، رقم الحدیث:

۲۸۶۵؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۱/۲۴۰، رقم الحدیث: ۱۱۸۰۶۔

((لَا أَحِبُّ الذَّوَّاقِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالذَّوَّاقَاتِ مِنَ النِّسَاءِ)) ❁

”ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔“

((إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الذَّوَّاقِينَ وَلَا الذَّوَّاقَاتِ)) ❁

”اللہ کو ذائقہ پرست مرد اور ذائقہ پرست عورتیں پسند نہیں ہیں۔“

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طلاق ضرورت کو پورا کرنے ہی کی غرض

سے مشروع کی گئی ہے۔

حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے

طلاق دینے کی ضرورت پیش آنے پر ہر وقت طلاق دینا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے

لیے مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے۔ اور شرعاً اس کا مناسب وقت حالتِ طہر ہے یعنی

عورت حیض اور نفاس کی حالت میں نہ ہو نیز اس حالتِ طہر میں اس نے مجامعت نہ کی ہو

الآیہ کہ عورت حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو۔

یہ اس لیے کہ حالتِ حیض اور حالتِ نفاس میں شوہر بیوی سے علیحدہ رہتا ہے۔ قربت

سے یہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اسے طلاق دینے پر آمادہ کرے۔ اس امکان کے پیش نظر حکم دیا

گیا ہے کہ شوہر حیض کے ختم ہو جانے اور بیوی کے پاک ہو جانے کا انتظار کرے اور پاک ہو

جانے پر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دے۔

جس طرح حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے اسی طرح اس حالتِ طہر میں بھی

طلاق دینا حرام ہے جس میں وہ مجامعت کر چکا ہو۔ کیا معلوم اسے حمل ٹھہر گیا ہو اور کیا عجب

اگر اس حمل کا شوہر کو علم ہو جاتا تو وہ اپنی رائے بدل دیتا، طلاق نہ دیتا اور جنین کی وجہ سے

بیوی کی رفاقت کو پسند کرتا!

لیکن جب بیوی حالتِ طہر میں ہو اور شوہر نے مجامعت نہ کی ہو یا حاملہ ہو اور حمل

❁ [ضعیف] المقاصد الحسنیة للسخاوی، ص ۴۵۸، رقم الحدیث: ۱۲۸۱۔

❁ [اسنادہ ضعیف] المعجم الأوسط للطبرانی، ۴۱۳/۸، رقم الحدیث: ۷۸۴۴؛ کشف الاسناد

عن زوائد البزار للہیثمی، ۱۹۲/۲، رقم الحدیث: ۱۴۹۷؛ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۵۲/۵، ۲۵۳۔

ظاہر ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی سے نفرت پختہ ہو گئی ہے اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عہد رسالت میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کہو کہ رجوع کریں پھر اگر چاہیں تو حالت طہر میں چھونے سے قبل طلاق دے دیں۔ یہ ہے عدت کے لیے طلاق جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لیے طلاق دو یعنی وہ اپنی عدت کا آغاز کر سکیں۔ اس سے مراد حالت طہر ہے۔ ❁

دوسری روایت میں ہے:

((مُرَّةٌ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا.)) ❁

”اُن سے کہو کہ رجوع کریں پھر حالت طہر یا حاملہ ہونے کی صورت میں طلاق دے دیں۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مشہور یہ ہے کہ واقع ہوتی ہے لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ اور فقہا کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی طلاق مشروع نہیں فرمائی ہے اور نہ اس کی اجازت دی ہے اس لیے ایسی طلاق طلاق شرعی نہیں ہے، پھر اسے صحیح کس طرح کہا جاسکتا ہے اور وہ نافذ کس طرح ہو سکتی ہے؟ ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا:

((كَيْفَ تَرَىٰ فِي رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ حَائِضًا؟ فَقَصَّ عَلَى السَّائِلِ

❁ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب نمبر ۱، رقم الحدیث: ۵۲۵۱؛ صحیح مسلم،

کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض، رقم الحدیث: ۱۴۷۱؛ سنن ابی داؤد، کتاب

الطلاق، باب فی طلاق السنۃ، رقم الحدیث: ۲۱۷۹۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض، رقم الحدیث: ۱۴۷۱/۵۔

قِصَّتُهُ حِينَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا. ❁

”تمہاری رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دیتا ہے؟ انہوں نے اپنے طلاق دینے کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طلاق کو رد کر دیا تھا اور اس کو طلاق شمار نہیں کیا تھا۔“

طلاق کی قسم کھانا حرام ہے

طلاق کو قسم قرار دینا یعنی یہ قسم کھا بیٹھنا کہ فلاں کام کے کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی، جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ڈرا دھمکا کر یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے طلاق ہے۔ کیونکہ اسلام میں قسم کا ایک خاص صیغہ ہے جس کے علاوہ کسی اور صیغے میں قسم کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے۔ یہ صیغہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ. ❁))

”جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

((مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ. ❁))

”جس کو قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فی طلاق السنة، رقم الحدیث: ۲۱۸۵۔

❁ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب کراهیة الحلف بالأبواء، رقم الحدیث: ۲۵۱؛

جامع ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب (۹)، رقم الحدیث: ۱۵۳۵؛ مسند احمد بن

حنبل، ۳۴/۲، رقم الحدیث: ۴۹۰۴۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل ۶/۲، رقم الحدیث: ۴۵۲۳؛ صحیح البخاری، کتاب

الشہادات، باب کیف یتحلف، رقم الحدیث: ۲۶۷۹؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب

النہی عن الحلف بغير الله، رقم الحدیث: ۱۶۴۶/۳۔

مطلقہ کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارنا چاہیے

اسلامی شریعت کی رو سے مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ گھر سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے۔ اسی طرح مرد پر بھی حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ناحق گھر سے باہر نکالے۔ کیونکہ دورانِ عدت اس بات کا امکان ہے کہ مرد رجوع کر لے۔ جبکہ طلاق پہلی یا دوسری مرتبہ دی گئی ہو۔ ایسی صورت میں اگر بیوی گھر میں اپنے شوہر سے قریب رہے گی تو اسے شوہر کے جذبات کو آمادہ کرنے کا موقع ملے گا اور شوہر کو بھی اچھی طرح غور کرنے کا موقع ملے گا۔

عدت کا حکم رحم کی پاکیزگی، شوہر کے حق کی رعایت اور اس کی زوجیت کے احترام کی غرض سے دیا گیا ہے۔ جبکہ دلوں کا حال یہ ہے کہ وہ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ آدمی نئے انداز سے سوچنے بھی لگتا ہے، اور غصہ ختم ہو کر آدمی راضی بھی ہو جاتا ہے اور جذبات کی رو میں بہنے والا ٹھنڈا بھی پڑ جاتا ہے اور ناگوار خیال کرنے والا شخص پسند بھی کرنے لگتا ہے۔ مطلقہ عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ ط وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ط وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ﴿٥١﴾﴾

”اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو کوئی حدود اللہ سے تجاوز کرے گا وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا فرمائے۔“

لیکن اگر علیحدگی ناگزیر ہو جائے تو پھر دونوں کو معروف طریقہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنا چاہیے۔ نہ اذیت دی جائے، نہ الزام تراشی کی جائے اور نہ حقوق

تلف کیے جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ ❁

”تو بھلے طریقہ پر ان کو روک رکھو یا بھلے طریقہ پر ان سے علیحدگی اختیار کرو۔“

اور فرمایا:

﴿وَلِلْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ ❁

”اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریقہ پر کچھ دینا ہے، یہ حق ہے متقیوں پر۔“

ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق

اسلام نے مسلمان کو اختیار دیا ہے کہ وہ تین طلاقیں تین مرتبہ دے۔ اس طور سے کہ حالت طہر میں جس میں اس نے مجامعت نہ کی ہو ایک طلاق دے دے اور اسے اسی حال میں چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ اگر شوہر دوران عدت اسے رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، لیکن اگر وہ رجوع نہ کرے اور عدت ختم ہو جائے تو پھر وہ نئے نکاح کے ساتھ اسے واپس لا سکتا ہے۔ اور اگر شوہر ضرورت نہ سمجھے تو عورت دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

اگر پہلی طلاق کے بعد شوہر نے اسے دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لیا اور پھر دونوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے اور صلح صفائی کی صورت پیدا نہ ہو سکی تو وہ دوسری مرتبہ طلاق دے سکتا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق جس کا ذکر اوپر گزر چکا۔ شوہر کو اب بھی یہ اختیار رہتا ہے کہ دوران عدت رجوع کرے یا عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ساتھ اپنی زوجیت میں لے لے۔

لیکن اگر اس نے دوبارہ واپس لینے کے بعد پھر تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دونوں کے درمیان نفرت پختہ ہو گئی ہے اور موافقت کی صورت ممکن نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یعنی تیسری طلاق کے بعد شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ

اسے واپس لے لے۔ اب وہ اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ایسا نکاح جو صحیح بھی ہو اور شرعی طریقہ پر ہوا ہو نیز فی نفسہ نکاح مقصود ہو محض سابق شوہر کے لیے حلالہ کرنے کی غرض سے نہ کیا گیا ہو۔

اس طریقہ طلاق کے برخلاف جو شخص تین وقفوں کو ایک وقفہ میں جمع کر دیتا ہے اور بیک کلمہ تین طلاقیں دے دیتا ہے وہ شرعی طریقہ کے خلاف کرتا ہے اور راہ راست سے انحراف کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

((أَيْلَعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ؟ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا

رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَقْتُلُهُ.)) ❁

”کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے؟ در آنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص آپ ﷺ کی برہمی کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟“

معروف طریقہ پر روکے رکھنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا

طلاق دے چکنے کے بعد جب عدت کی مدت پوری ہونے کو ہو تو شوہر کو دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنی چاہیے۔

یا تو اُسے معروف طریقہ پر روکے رکھے یعنی حسن سلوک اور اصلاح کے ارادہ سے رجوع کر لے۔ لڑنے اور تکلیف دینے کا ارادہ نہ ہو۔

یا پھر معروف طریقہ پر علیحدگی اختیار کر لے یعنی عدت پوری ہونے تک اسے چھوڑے رکھے اور اس کے بعد کوئی الجھن پیدا کیے بغیر اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاتے ہوئے نیز ادائیگی حقوق کے معاملہ میں بخل سے کام نہ لیتے ہوئے جدا ہو جائے۔

❁ [صحیح] سنن نسائی، کتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ، رقم

الحدیث: ۳۴۳۰؛ السنن الكبرى للنسائی، ۲۵۲/۵، رقم الحدیث: ۵۵۶۴۔

شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب عدت کی مدت ختم ہونے کو ہو تو اذیت دہی اور عدت کو لمبا کرنے کی غرض سے رجوع کر لے اور بیوی کو ممکنہ طویل مدت تک دوسرے نکاح سے محروم رکھے۔

اہل جاہلیت اس قسم کی حرکتیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح عورت کو تکلیف دینا حرام ٹھہرایا ہے اور یہ حرمت ایسے موثر پیرایہ میں بیان فرمائی ہے کہ دل دہل جاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرَخُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ... وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا... وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ... وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا... وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ. وَاتَّقُوا اللَّهَ... وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ.﴾

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے انہیں رخصت کر دو..... ستانے کے لیے انہیں نہ روکو کہ یہ زیادتی ہوگی..... اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا..... اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔۔۔ اور اللہ کے فضل کو نہ بھولو اور اس کتاب اور حکمت کو یاد رکھو جو اس نے تمہاری نصیحت کے لیے نازل کی ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو..... اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

مطلقہ کو اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے

مطلقہ کی عدت جب پوری ہو جائے تو اسے اپنی مرضی سے کسی دوسرے کے ساتھ

نکاح کرنے سے روکنا نہ سابق شوہر کے لیے جائز ہے اور نہ ولی کے لیے اور نہ کسی اور شخص کے لیے، اور اگر منگیتر اپنی منسوبہ سے معروف اور عرفی طریقہ پر باہم راضی ہو جاتے ہیں تو عورت کے اس اندازِ رغبت پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ بعض طلاق دینے والے مرد عورت پر اپنا اثر باقی رکھنا چاہتے ہیں اور دوسرے نکاح کے بارے میں اسے ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ یہ سب جہالت اور جاہلیت کے کام ہیں۔

اسی طرح اگر عورت اپنے سابق شوہر کے پاس واپس جانا چاہتی ہو اور معروف طریقہ پر اس واپسی کے سلسلہ میں دونوں راضی ہوں تو ولی یا گھر والوں کا اس معاملہ میں رکاوٹ پیدا کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

”اور صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ﴾

”جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم اس

بات میں مزاحم نہ بنو کہ وہ اپنے (ہونے والے) شوہروں سے نکاح کر لیں

جبکہ وہ معروف طریقہ سے باہم نکاح کر لینے پر راضی ہو جائیں۔“

عورت کا حق جبکہ شوہر اسے پسند نہ ہو

عورت کو اگر شوہر پسند نہ ہو اور اس کے خیال میں اس کے ساتھ نباہ نہ ہو سکتا ہو تو وہ

فدیہ دے کر اپنے نفس کو چھڑا سکتی ہے۔ شوہر کی طرف سے جو مہر، تحفہ وغیرہ ملا ہو اسے مفاہمت

کے ذریعہ کم و بیش واپس کر کے اپنے کو زوجیت کے بندھن سے آزاد کر سکتا ہے لیکن بہتر یہ

ہے کہ شوہر نے جو کچھ دیا تھا اس سے زیادہ واپس نہ لے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا

أَفْتَدَتْ بِهِ.﴾ ❁

”اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ دونوں حدودِ الہی پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو ان دونوں پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔“

حدیث میں ہے:

((وَقَدْ جَاءَتْ امْرَأَةٌ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَالَتْ

يَا رَسُولَ اللَّهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أُعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ

وَلَكِنِّي لَا أُطِيقُهُ بُغْضًا. فَسَأَلَهَا عَمَّا أَخَذَتْ مِنْهُ. فَقَالَتْ

حَدِيقَةً. فَقَالَ لَهَا اتْرُدِينِ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ قَالَتْ نَعَمْ، فَقَالَ

النَّبِيُّ ﷺ لِثَابِتٍ: اِقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً.)) ❁

”ثابت بن قیس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرض کیا یا رسول اللہ! ثابت بن قیس کے اخلاق اور دینداری میں میں کوئی

عیب نکالنا نہیں چاہتی لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا

تمہیں اس سے کیا ملا تھا؟ اس نے کہا: باغ؟ فرمایا: تم اس باغ کو واپس

کرنے کے لیے تیار ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے ثابت سے

کہا، باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔“

بیوی کے لیے جلد بازی سے کام لے کر شوہر سے طلاق طلب کرنا حرام ہے جبکہ

اسے شوہر کی طرف سے نہ کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو اور نہ علیحدگی اختیار کرنے کی کوئی معقول

❁ ۲/البقرة: ۲۲۹۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، رقم الحدیث:

۵۲۷۳؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۷/۳۱۳؛ سنن النسائي، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الخلع،

رقم الحدیث: ۳۴۹۳۔

وجہ ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

((أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلْتُ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ مِنْ غَيْرِ مَا بَأْسٌ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.)) ❁

”جو عورت اپنے شوہر سے ایسی صورت میں طلاق طلب کرتی ہے جبکہ شوہر کی طرف سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ رہی ہو تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔“

بیوی کو ستانا

بیوی کو ستانا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا تا کہ وہ فدیہ دے کر چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو جائے ہرگز جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذَهَبُوا بِبَعْضٍ مَّا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ

مُبَيِّنَةٍ.﴾ ❁

”تم نے جو کچھ اپنی بیویوں کو دیا ہے اس کا ایک حصہ واپس لینے کی غرض سے انہیں تنگ نہ کرو الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔“

اور اگر شوہر کو بیوی پسند نہ ہو اور وہ خود اسے علیحدہ کر کے دوسری سے نکاح کا خواہشمند ہو تو ایسی صورت میں بیوی سے کچھ واپس لے لینا جائز نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لَكُمْ وَأْتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنطَارًا

فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ط اتَّأْخُذُوْنَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ ❁

”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کر لو اور تم نے ایک کو

❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، رقم الحدیث: ۲۲۲۶؛ جامع

ترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلعات، رقم الحدیث: ۱۱۸۷؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب الطلاق، باب کراهیة الخلع للمرأة، رقم الحدیث: ۲۰۵۵۔

❁ ۴/النساء: ۱۹۔

ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح حق تلفی کر کے اسے واپس لو گے؟“

بیوی کو چھوڑنے کی قسم کھانا حرام ہے

اسلام نے حقوق نسواں کا بڑا لحاظ کیا ہے۔ اس کی ایک درخشندہ مثال یہ ہے کہ اس نے شوہر کے لیے اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنی بیوی پر غصہ ہو کر اس سے خواب گاہ میں اتنے طویل عرصہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لے جس کی عورت متحمل نہ ہو سکتی ہو۔ شوہر جب بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔ ممکن ہے اس مدت میں اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور وہ اپنا ارادہ بدل دے۔ اگر اس نے چار ماہ گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے تعلق قائم کر لیا تو اس سے جو گناہ سرزد ہوا ہو اس کو اللہ معاف کر دے گا اور اس کے لیے توبہ کی قبولیت کا وسیع دروازہ کھولے گا۔ ایسی صورت میں اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر یہ مدت گزر گئی اور اس نے اپنے ارادے سے رجوع نہیں کیا اور قسم نہیں توڑی تو اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔ بیوی کے حقوق کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک مذکورہ مدت کے گزر جانے پر طلاق پڑ جاتی ہے۔ قاضی یا حاکم کے فیصلہ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور بعض فقہاء مدت گزر جانے پر حاکم کے سامنے معاملہ پیش کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ حاکم اسے دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے کا موقع دے گا۔ یا تو وہ اپنے ارادے پر نظر ثانی کر کے اپنی بیوی کو رضامند کر لے یا پھر طلاق دے دے۔ دو میں سے جو چیز اسے شیریں معلوم ہو اسے اختیار کر لے۔

بیوی سے قربت نہ کرنے کی اس قسم کو شرعی اصطلاح میں ”ایلاء“ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ. فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ❁

”جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا فیصلہ کر لیں تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

چار ماہ کی مہلت اس لیے دی گئی ہے تاکہ شوہر کو نظر ثانی کرنے اور ہوش سے کام لینے کا پورا موقع مل جائے۔ ایک عورت اپنے شوہر سے عادتاً زیادہ سے زیادہ اس عرصہ تک صبر کر سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک رات جب آپ سراغ رسائی کے لیے نکلے تو ایک عورت کی آواز سنی جس کا شوہر جہاد کے لیے چلا گیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی سے متاثر ہو کر وہ بے تابانہ اشعار گارہی تھی:

”رات طویل ہو گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔۔۔ اور مجھے یہ تصور رلا رہا ہے۔۔۔ کہ میرا خلیل میرے پاس موجود نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ کھیلوں۔۔۔ قسم بخدا اگر اللہ کے عذاب کا ڈر نہ ہوتا۔۔۔ تو اس چار پائی کے بازو حرکت میں آجاتے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ حال سن کر اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ شوہر کی موجودگی میں عورت کب تک صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا، چار ماہ۔ اس وقت امیر المؤمنین نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کسی شخص کو اس کی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ دور نہ رکھا جائے۔



والدین اور اولاد کے باہمی تعلقات

تحفظِ نسب

اولاد باپ کا راز، اُس کی خصوصیات کی حامل، زندگی میں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مرنے کے بعد اس کے وجود کا تسلسل باقی رکھنے والی، اس کی یاد کا مظہر، اس کے حسن و قبح اور امتیازی خصوصیات کی وارث، اس کے دل کا ٹکڑا اور جگر کا گوشہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے زنا کو حرام ٹھہرایا ہے اور نکاح کو فرض کر دیا ہے تاکہ نسب کا تحفظ ہو اور نطفوں کا اختلاط نہ ہو نیز اولاد اپنے باپ کو اور باپ اپنی اولاد کو پہچان سکے۔ نکاح ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے عورت مرد کے لیے مختص ہو جاتی ہے اور اس پر شوہر کی خیانت حرام ہو جاتی ہے۔ نکاح کی صورت میں جو بچہ بھی زوجیت کے بستر پر پیدا ہوتا ہے وہ اس کے شوہر کی اولاد کہلاتا ہے۔ اس انتساب کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی کہ باپ کو اعلان کرنا پڑے یا ماں کو دعویٰ کرنے کی ضرورت پیش آئے کیونکہ ارشاد نبوی کے مطابق

((الْوَالِدُ لِلْفِرَاشِ)) ❁

”بچہ اُس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا“

اپنے بیٹے کے نسب کا انکار کرنا جائز نہیں

بنا بریں شوہر کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر پر یعنی اس کے ساتھ صحیح ازدواجی رشتہ قائم ہونے کی صورت میں جس بچہ کو جنم دیا ہو اس کے نسب کا انکار کرے۔ اس کا انکار کرنا بیوی بچہ کے حق میں سخت مضرت رساں اور باعث عار ہوگا لہذا محض وہم و گمان یا افواہ کی بناء پر اس قسم کا اقدام صحیح نہیں ہے، البتہ اگر ثبوت اور ناقابل انکار قرائن

❁ صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب للعاهر الحجر، رقم الحدیث: ۶۸۱۸، صحیح

مسلم، کتاب الرضاع، باب الولد للفراس، رقم الحدیث: ۱۱۴۷، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق،

باب الولد للفراس، رقم الحدیث: ۲۲۷۳۔

کی بناء پر اسے یقین ہو جائے کہ بیوی نے اس کے ساتھ خیانت کی ہے تو ایسی صورت میں اسلامی شریعت بچہ کو پرورش کے لیے زبردستی ایسے شخص کے حوالہ کرنا نہیں چاہتی جو اسے اپنا بچہ تسلیم نہ کرتا ہو اور نہ زبردستی اس کا وارث بنانا چاہتی ہے۔

غرضیکہ اسلامی شریعت اسے زندگی بھر کے لیے شک و شبہ میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی۔ اس الجھن سے نکلنے کی جو شکل اس نے تجویز کی ہے اسے ”لعان“ کہتے ہیں۔ لہذا جس کو اس بات پر وثوق یا غالب گمان ہو کہ اس کی بیوی نے اس کے بستر کو دوسرے کے نطفہ سے آلودہ کیا ہے اور بچہ کسی اور کے نطفہ سے ہے لیکن اس بات پر کوئی شہادت نہ پیش کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اسے اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کرنا چاہیے۔ قاضی ان کے درمیان لعان کرائے گا جس کی تفصیل قرآن کریم نے سورہ نور میں بیان کی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ. وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ. وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ إِنْ تَشْهَدَ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ. وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ.﴾

”جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دوسرا کوئی گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ یہ مرد جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر (عورت پر) اللہ کا غضب ہو اگر وہ (مرد) اپنے الزام میں سچا ہے۔“

اس کے بعد ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے تفریق کر دی جائے گی اور بچے کا الحاق

ماں سے کر دیا جائے گا۔

تبنیت (لے پالک بنانا) اسلام میں حرام ہے ^❶

جس طرح باپ کے لیے اپنی نسبی اولاد کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جو بچہ اس کی صلبی اولاد نہ ہو اس کو بیٹا بنا لینا بھی جائز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب دوسری قوموں کی طرح اپنا نسب تبنیت کے ذریعہ جس شخص سے چاہتے ملاتے اور آدمی جس لڑکے کو چاہتا اپنا بیٹا بنا لیتا اور اس کے حقوق و فرائض بیٹوں ہی کی طرح ہوتے۔ یہ تبنیت اس صورت میں بھی اختیار کی جاتی جبکہ متبنی کا باپ معلوم اور اس کا نسب معروف ہو۔

اسلام کی جب آمد ہوئی تو عرب سماج میں تبنیت کا یہ طریقہ رائج تھا۔

چنانچہ نبی ﷺ نے زید بن حارثہ کو دور جاہلیت میں متبنی بنایا تھا۔ لیکن اسلام نے اس کو اس نظر سے دیکھا کہ یہ ایک خلاف واقعہ چیز ہے یعنی جعلی طور پر ایک اجنبی شخص کو خاندان کا فرد بنا دیا جاتا ہے اور وہ گھر کی عورتوں کے ساتھ اس طرح خلوت میں رہتا ہے گویا کہ وہ ان کا محرم ہے حالانکہ وہ ان کا محرم نہیں ہوتا اور یہ عورتیں اس کے لیے اجنبی ہوتی ہیں۔ ^❷

جو شخص کسی کو متبنی بناتا ہے وہ اس کو اپنا وارث بناتا ہے۔ ایسی صورت میں اصل قرابت دار وراثت کے مستحق ہونے کے باوجود اس سے محروم رہتے ہیں جس کی وجہ سے حقیقی رشتہ داروں کے دل میں منہ بولے بیٹے کے بارے میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا

^❶ قارئین کرام: بے اولاد حضرات کسی رشتہ دار، عزیز یا دوست سے بچہ لے کر اس کی پرورش کر سکتے ہیں مگر مؤلف جس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں شاید وہ یہ ہے کہ اس بچہ کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف ہو گی۔ محض بچے کی پرورش کی بنا پر کوئی انسان اس کی نسبت اپنی طرف نہیں کر سکتا یہ حرام ہے یعنی اس کی ولدیت اس کے حقیقی باپ کے نام سے لکھی جائے گے کسی اور نام سے لکھنا صحیح نہیں ہے۔ (محمد اختر صدیق)

^❷ مستدرک حاکم، ۲/۳، ۲۱۳، رقم الحدیث: ۴۹۹۹؛ طبقات ابن سعد، ۷/۳، ۴۰۔
الاستیعاب لابن عبدالبر ۲/۱۱۴، رقم الترجمة: ۸۴۸؛ الإصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر عسقلانی، ۲/۴۹۴، رقم الترجمة: ۲۸۹۷۔

نتیجہ فتنہ اور تعلقات کی خرابی کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان وجوہ سے قرآن نے اس جاہلی نظام کو باطل اور قطعی حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَانِكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ط ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ط
وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ
أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاُخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ
وَمَوَالِيكُمْ ط﴾ ❁

”اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے۔ یہ تمہاری منہ سے نکلی ہوئی بات ہے لیکن اللہ حق بات فرماتا ہے اور صحیح طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اُن کو اُن کے باپ کی نسبت سے پکارو کہ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ لیکن اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ اُن کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔“

قرآن کا یہ بیان کہ ”یہ تمہاری منہ سے نکلی ہوئی بات ہے۔“ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ خالی خولی بات ہے جس کے پیچھے کوئی خارجی حقیقت نہیں ہے۔

فی الواقع زبان سے نکلی ہوئی بات نہ حقائق کو بدلتی ہے اور نہ واقعات کو۔ اس سے اجنبی شخص رشتہ دار نہیں بن جاتا اور نہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا بن جاتا ہے۔ منہ سے نکلی بات متنبئی کی رگوں میں گود لینے والے شخص کا خون نہیں دوڑا سکتی اور نہ گود لینے والے شخص کے دل میں شفقتِ پدری پیدا کر سکتی ہے۔ اسی طرح لڑکے کے دل میں پسری جذبات بھی نہیں پیدا کر سکتی اور نہ اس میں اس خاندان کی جسمانی، عقلی اور نفسیاتی خصوصیات پیدا کر سکتی ہے۔

اس نظام کے جملہ نقوش مثلاً وراثت، متنبئی کی بیوی سے نکاح کی حرمت وغیرہ کو اسلام نے مٹا دیا۔ چنانچہ وراثت کے سلسلہ میں قرآن نے کسی ایسے تعلق کو جو نہ خون کا ہو، نہ زوجیت کا ہو اور نہ حقیقی قرابت کا ہو کوئی اہمیت نہیں دی اور اس کو میراث میں حصہ دار نہیں بنایا:

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ ❁

”اور خون کے رشتہ دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“

اور نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے اعلان کیا کہ حقیقی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں نہ کہ منہ بولے بیٹوں کی:

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ ❁

”اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں۔“

لہذا گود لینے والے شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرے کیونکہ وہ حقیقۃً اجنبی شخص کی بیوی ہے اور جب متبنیٰ نے اس کو طلاق دے دی تو اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عملی شہادت کے ذریعہ تبنیت کا ابطال

یہ بات لوگوں کے لیے آسان نہ تھی کیونکہ تبنیت کا اجتماعی نظام عربوں کی زندگیوں میں گہری جڑیں رکھتا تھا۔ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا ابطال نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے بھی کیا جائے۔ اس اہم کام کے لیے نبی ﷺ کی ذات گرامی کا انتخاب عمل میں آیاتاً کہ ہر قسم کے شک و شبہ کا ازالہ ہو جائے اور مسلمان اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کریں اور انہیں یقین ہو جائے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جو زید بن محمد کہلاتے تھے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں نکاح کر لیا تھا لیکن دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور زید اپنی بیوی کی شکایت نبی ﷺ سے کرنے لگے۔ نبی ﷺ کو بذریعہ الہام معلوم ہو گیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور اس کے بعد آپ ﷺ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں

گے۔ لیکن بعض اوقات بشری کمزوری غالب آجاتی اور آپ ﷺ اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے بلکہ زید کی شکایت سن کر کہتے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ اس موقع پر قرآن نازل ہوا اور اس نے اس قدیم نظام کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ ❁

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَىٰ
الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ
كَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ ❁

”پھر جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔“

تبنیت بمعنی تربیت

یہ وہ تبنیت ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ تبنیت کا یہ طریقہ اختیار کر کے آدمی دوسرے کے لڑکے کو گود لیتا ہے اور اس کو اپنے نسب اور اپنے خاندان سے ملاتا ہے اور اس پر بیٹے کے احکام کا اطلاق کرتا ہے مثلاً گھر کی عورتوں کے اختلاط، جائز رشتوں کو اس پر حرام کر دینا اور میراث کا اس کو مستحق بنانا وغیرہ، لیکن ایک صورت ایسی ہے جو اس سے مختلف ہے۔ لوگ اس صورت کو بھی تبنیت خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ تبنیت نہیں ہے جسے اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کسی یتیم یا لاوارث بچہ کو اپنے پاس رکھ لے اور اس کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرے نیز اس کی پرورش اور تربیت اس طرح کرے گویا کہ وہ اس کا حقیقی بیٹا ہے۔ اس کو کھلانے پلانے، کپڑے پہنانے اور تعلیم وغیرہ دینے کے معاملہ میں بالکل اپنے بیٹے ہی جیسا سلوک کرے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اسے اپنی طرف

❁ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله (وتخفی فی نفسک.....)، رقم الحدیث: ۴۷۸۷؛

جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الاحزاب، رقم الحدیث: ۳۲۰۷۔

❁ ۲۳/ الاحزاب: ۳۷۔

منسوب نہ کرے اور نہ بیٹے کے احکام کا اس پر اطلاق کرے۔ اگر ان حدود میں رہ کر معاملہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک پسندیدہ بات ہوگی جس پر وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَىٰ

وَفَرَجَ بَيْنَهُمَا)) ❁

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ

نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اور اس میں

کشادگی پیدا کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔“

گمشدہ بچہ جو کسی کو مل جائے یتیم ہی کے حکم میں ہے اور اس پر بدرجہ اولیٰ ابن

السبیل یعنی مسافر کا اطلاق ہوتا ہے جس کا خیال رکھنے کی اسلام نے ہدایت کی ہے۔

لہذا جب کسی شخص کو اولاد نہ ہو اور وہ ایسے بچے کو مالی فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ اپنی

زندگی میں جس قدر چاہے ہبہ کر سکتا ہے اور اپنے انتقال سے پہلے اپنے ترکہ میں ایک تہائی

کی حد تک اس کے لیے وصیت بھی کر سکتا ہے۔

حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ

اسلام نے نسب کے تحفظ کا سامان کر کے اور تبنیت کو حرام قرار دے کر خاندان کو غلط

عناصر سے پاک رکھنا چاہا ہے۔ اس کے پیش نظر حمل ٹھہرانے کا مصنوعی طریقہ حرام قرار پاتا

ہے جبکہ حمل شوہر کے نطفہ کے علاوہ کسی اور کے نطفہ سے ٹھہرایا جائے بلکہ ایسی صورت میں

جیسا کہ استاذ محترم شیخ شلتوت نے کہا ہے۔ یہ قابل نفرت جرم ہے اور بہت بڑے گناہ کی

بات ہے بلکہ یہ زنا ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ دونوں کی اصلیت ایک ہی ہے اور نتیجہ بھی ایک

یعنی کسی اجنبی شخص کا نطفہ رحم کے اندر رکھنا جبکہ دونوں کے درمیان شرعی زوجیت کا رشتہ نہ ہو

❁ صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم الحدیث: ۵۳۰۴؛ سنن ابی داؤد،

کتاب الأدب، باب فی من ضم یتیمًا، رقم الحدیث: ۵۱۵۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۳۳/۵،

رقم الحدیث: ۲۲۸۲۰؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمة الیتیم، رقم

الحدیث: ۱۹۱۸۔

جس کی تائید طبعی قانون اور آسمانی شریعت کرتی ہے۔

جہاں تک اس جرم کی ظاہری شکل کا تعلق ہے اس میں اگر قانونی سقم نہ ہوتا تو یہ زنا کے حکم میں ہوتا جو الہی قوانین کی رو سے ایک ایسا جرم ہے جس پر حد جاری کی جانی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ حمل ٹھہرانے کی یہ شکل بدترین جرم ہے اور تبنیت سے بھی بڑا منکر ہے۔ کیونکہ اس طریقہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس میں دونوں قباحتیں جمع ہو جائیں گی۔ ایک تو تبنیت میں پائی جانے والی قباحت یعنی نسب میں غیر متعلق عنصر کو داخل کرنا اور دوسری زنا یعنی زنا کا قالب اختیار کرنا، جس کو نہ کوئی شریعت پسند کرتی ہے اور نہ کوئی قانون۔ یہ انسانیت کے معیار سے گری ہوئی حرکت ہے اور اس سے انسان حیوانیت کے درجہ میں اتر آتا ہے جن کو سماجی روابط جیسی محترم چیزوں کا کوئی شعور نہیں ہے۔

باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے کو منسوب کرنا موجب لعنت ہے اسلام میں جس طرح باپ کا اپنی اولاد کے نسب سے بلا وجہ انکار کرنا حرام ہے اسی طرح اولاد کا اپنے کو کسی دوسرے نسب کی طرف منسوب کرنا اور اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ قرار دینا بھی حرام ہے۔ نبی ﷺ نے اس کا شمار بدترین منکرات میں کیا ہے جس کے نتیجہ میں آدمی خالق اور مخلوق دونوں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ ادَّعى اِلَى غَيْرِ اَبِيهِ اَوْ اِنْتَمَى اِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.))

”جس نے اپنے کو حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور آقا کا غلام ہونے کا دعویٰ کیا تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ اس سے نہ تو توبہ قبول

صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب اثم من تبرا من موالیه، رقم الحدیث: ۶۷۵۵؛ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة، رقم الحدیث: ۱۳۷۰، واللفظ له۔

کرے گا اور نہ فدیہ۔“

اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ ادَّعى اِلَى غَيْرِ اَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ اَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)) ❁

”جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا جبکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔“

اولاد کو قتل نہ کرو

اس طرح اسلام نے انساب کا تحفظ کرتے ہوئے اولاد اور والدین دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق عائد کیے ہیں اور ان حقوق کے تحفظ کی غرض سے چند باتیں دونوں پر حرام کر دی ہیں۔ چنانچہ اولاد کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ ماں باپ کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں یا زندہ درگور کریں۔ انہیں کسی طرح زندگی سے محروم کر دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عربوں کے ہاں زندہ درگور کرنے کا دستور تھا۔ اسلام کی نظر میں لڑکا اور لڑکی دونوں کی زندگیاں یکساں طور پر محترم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُواْ اَوْلَادَكُمْ خَشِيَةَ اِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيْرًا﴾ ❁

”اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔“

﴿وَإِذَا الْمَوْءُ دَةٌ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ ❁

”اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟“

❁ صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب من ادعی اِلَى غیر ابيه، رقم الحدیث: ۶۷۶۶؛ صحیح

مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن ابيه وهو يعلم، رقم الحدیث: ۶۳۔

❁ ۱۷/الاسراء: ۳۱۔ ❁ ۸۱/التکویر: ۹۰۸۔

اس منکر کا داعیہ خواہ اقتصادی ہو یعنی مفلسی کا ڈر اور رزق کی تنگی یا غیر اقتصادی ہو مثلاً لڑکی کی پیدائش کو اپنے لیے باعث عار سمجھنا وغیرہ۔ اس وحشیانہ فعل کو بہر صورت اسلام نے شدید حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل قتل، قطع رحمی اور کمزور نفس پر ظلم جیسے منکرات پر مشتمل ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((سُئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ فَقَالَ : أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلْقَكَ، قِيلَ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ : أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ.))

”نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کا ہمسر ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پوچھا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو اس اندیشہ سے کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہوگی۔“

نبی ﷺ نے عورتوں سے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہیں گی:

((وَلَا يَقْتُلَنَّ أَوْلَادَهُنَّ.))

”اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔“

باپ پر بچہ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے۔ ایسا نام نہ رکھے کہ جب وہ بڑا ہو جائے تو اپنے نام سے اسے کوفت ہونے لگے۔ اسی طرح ایسا نام بھی نہ رکھے کہ غیر اللہ کا بندہ کہلائے جیسے عبدالنبی، عبدالمسیح وغیرہ۔

صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة باب قوله تعالى ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ

انداداً﴾، رقم الحدیث: ۴۴۸۷؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الشریک

اقبح الذنوب، رقم الحدیث: ۸۶۔

۶۰/الممتحنہ: ۱۲؛ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورة الممتحنہ، رقم الحدیث:

۴۸۹۰، ۴۸۹۱؛ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب کیفیة بیعة النساء، رقم الحدیث: ۱۸۷۷۔

اولاد کا یہ حق بھی ہے کہ اس کی نگہداشت اور تربیت کی جائے اور اس پر خرچ کیا جائے۔ ان حقوق کی طرف سے بے اعتنائی برتنا یا ان کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.)) ❁

”تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے زیر نگرانی افراد کے بارے میں پُرسش ہوگی۔“

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضِيعَ مَنْ يَقُوْثُ.)) ❁

”آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس پر جن کو کھلانے کی ذمہ داری ہے اُن کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے۔“

بخشش کے معاملہ میں مساویانہ سلوک

باپ پر لازم ہے کہ بخشش کے معاملہ میں اپنی اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے تاکہ سب بچے اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کر سکیں۔ بخشش کے معاملہ میں اپنی بعض اولاد کو بلا ضرورت اور کسی وجہ جواز کے بغیر ترجیح دینا حرام ہے کیونکہ اس سے اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں بغض و عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ ہدایت جس طرح باپ کے لیے ہے اسی طرح ماں کے لیے بھی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اعْدِلُوا بَيْنَ ابْنَائِكُمْ، اِعْدِلُوا بَيْنَ ابْنَائِكُمْ، اِعْدِلُوا بَيْنَ))

❁ صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، رقم الحديث: ۸۹۳؛ صحیح

مسلم، کتاب الامارة، باب الفضيلة الامير العادل، رقم الحديث: ۱۸۲۹۔

❁ [صحیح لغیرہ] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة باب فی صلة الرحم، رقم الحديث:

۱۶۹۲۔ [بلفظ آخر] صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة على العیال والمملوك، رقم

الحديث: ۹۹۶؛ مستدرک حاکم، ۴۱۵/۱، رقم الحديث: ۱۵۵۵۔ حلیة الاولیاء لابی نعیم

۱۵۳/۷، رقم الحديث: ۹۹۸۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۶۰/۲، رقم الحديث: ۶۴۹۵۔

﴿أَبْنَائِكُمْ﴾ ❁

”اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو، اپنے بیٹوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرو۔“

واقعہ یہ ہے کہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خاص طور سے اپنے لڑکے نعمان بن بشیر کے لیے مالی عطیہ کا مطالبہ کیا اور اس بخشش کی توثیق کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کے لیے کہا۔ بشیر بن سعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی چاہتی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام ہبہ کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس کے اور بھائی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا:

﴿فَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهُ؟ قَالَ لَا: قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ

هَذَا وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلَى الْحَقِّ﴾ ❁

”کیا اسی طرح سب کو ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، فرمایا: پھر یہ بات درست نہیں ہے اور میں سوائے حق کے کسی اور چیز کا گواہ نہیں بنتا۔“

دوسری روایت میں ہے:

﴿لَا تُشْهِدُنِي عَلَى جَوْرٍ، إِنَّ لِبَنِيكَ عَلَيْكَ مِنَ الْحَقِّ أَنْ تَعْدِلَ

بَيْنَهُمْ كَمَا لَكَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ أَنْ يُرْوِكَ﴾ ❁

”مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔ تمہارے بیٹوں کا تم پر یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۲۷۵/۴، رقم الحدیث: ۱۸۴۲۲؛ سنن ابی داؤد،

کتاب البیوت، باب فی الرجل یفضل بعض و لدہ فی النحل، رقم الحدیث: ۳۵۴۴؛ سنن نسائی،

کتاب النمل، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین، رقم الحدیث: ۳۷۱۷؛ التمهید لابن عبدالبر

۲۲۸/۷، ۲۲۹۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب الہبات، باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی

الہبۃ، رقم الحدیث: ۱۶۲۴ [بلفظ مختلف] صحیح البخاری، کتاب الہبۃ، باب الہبۃ للولد،

رقم الحدیث: ۲۵۸۶، ۲۵۸۷، ۲۶۵۰۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی

الرجل یفضل بعض و لدہ فی النحل، رقم الحدیث: ۳۵۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب الہبات، باب

کراہۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ، رقم الحدیث: ۱۶۲۳/۱۸۔ [معناہ]

یکساں سلوک کرو جس طرح تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں۔“

تیسری روایت میں ہے:

((اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ.)) ❁

”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے معاملہ میں عدل اختیار کرو۔“

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کسی سبب کی بنا پر اپنی اولاد میں سے کسی کو ترجیح دینا جائز ہے، کسی لڑکے کے معذور یا حاجت مند ہونے کی بنا پر اسے ترجیح دینا۔
”معنی“ میں ہے:

”اگر اولاد میں سے کسی کو کسی خاص وجہ سے ترجیح دی مثلاً حاجت مند، معذور، نابینا یا کثیر العیال ہونے یا مصروفیت علم وغیرہ کی ترجیح دی، یا کسی لڑکے کو فسق اور بدعت وغیرہ میں مبتلا ہونے یا معصیت کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے بخشش سے محروم رکھا تو ایسی صورت میں امام احمد جواز کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاں تک بعض اولاد کے لیے وقف کر دینے کا تعلق ہے ضرورتاً ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بلا ضرورت بعض اولاد کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے تو میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں۔ رہا بخشش کا معاملہ تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔“ ❁

میراث کے معاملہ میں قانون الہی کی پابندی

اسی طرح میراث کے معاملہ میں اپنی کسی اولاد کو یا اپنی لڑکیوں کو یا اپنی غیر محبوب بیوی کی اولاد کو میراث سے محروم کر دینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ کسی رشتہ دار کا مستحق میراث

❁ صحیح البخاری، کتاب الہبۃ، باب الاشهاد فی الہبۃ، رقم الحدیث: ۲۵۸۷؛ صحیح

مسلم، کتاب الہبۃ، باب کراهۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ، رقم الحدیث: ۱۶۲۳/۱۳۔

❁ معنی، ج ۵، ص ۶۰۵۔

رشتہ دار کو کسی حیلہ کے ذریعہ محروم کر دینا روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میراث کا نظام اپنے علم، عدل اور حکمت کی بناء پر مرتب فرمایا ہے اور ہر حق دار کو اس کا حق عطا کیا ہے اور لوگوں کو قانون الہی اور شریعت کی پابندی کرنے کی ہدایت کی ہے لہذا جو شخص اس نظام وراثت کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے رب کو الزام دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میراث کے مسائل تین آیتوں میں بیان فرمائے ہیں اور پہلی آیت کے خاتمہ پر فرمایا ہے:

﴿أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا. فَرِيضَةٌ

مِّنَ اللَّهِ. إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا. ﴿۱﴾

”تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون بلحاظ نفع

تم سے قریب تر ہے۔ یہ فریضہ من جانب اللہ ہے۔ بے شک اللہ علم و حکمت

والا ہے۔“

دوسری آیت کے خاتمہ پر ارشاد فرمایا:

﴿غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ، وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ. تِلْكَ حُدُودُ

اللَّهِ، وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ

مُهِينٌ. ﴿۲﴾

”بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔ یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے اور اللہ علم و حلم والا

ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی

اطاعت کریں گے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے

نہریں رواں ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گی۔ یہی بڑی کامیابی

ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا گن عذاب ہے۔“

اور تیسری آیت کے اختتام پر واضح فرمایا:

﴿يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

”اللہ وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم بھٹکو نہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

لہذا جو شخص میراث کے معاملہ میں شریعت کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ کے واضح کردہ حق سے منحرف ہو کر گمراہی میں جا پڑتا ہے اور حدود الہی سے تجاوز کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید کا انتظار کرے:

﴿نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾

”آگ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا گن عذاب ہے۔“

والدین کے ساتھ بد سلوکی گناہ کبیرہ ہے

اولاد پر والدین کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے، ان کی اطاعت کرے اور ان کا احترام کرے۔ یہ حق درحقیقت فطرت کی آواز ہے اور اس کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ خاص طور سے ماں کے حق کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ماں نے حمل، زچگی، دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے سلسلہ میں جو مصیبتیں جھیلی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا. حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ

كُرْهًا وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾

”ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔“

اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر اس کو
 جنا۔ اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔“

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا:

((مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ
 أَبُوكَ.)) ❁

”میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے
 فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے کہا اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس
 نے کہا اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے کہا اس کے بعد کون؟
 فرمایا تمہارا باپ۔“

آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ بدسلوکی کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ
 گناہ قرار دیا ہے۔ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہی ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے:
 ((أَلَا أَنْبِئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ ثَلَاثًا. قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ:
 الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَكِنًا فَجَلَسَ فَقَالَ:
 أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ.)) ❁

’کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کون
 سے ہیں؟ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ صحابہ نے عرض کیا
 ضرور بتائیے یا رسول اللہ! فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، والدین کے

❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحابة، رقم الحديث: ۵۹۸۱؛

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین، رقم الحديث: ۲۵۴۸؛ سنن ابن ماجہ، کتاب

الوصایا، باب النهی عن الإمساک فی الحیاة.....، رقم الحديث: ۲۷۰۶۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب حقوق الوالدین من الکبائر، رقم الحديث: ۵۹۷۷؛

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر وأکبرها، رقم الحديث: ۸۷۔

ساتھ برا سلوک کرنا۔ آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو! قول زور اور شہادت زور بھی۔“

نیز فرمایا:

((كُلُّ الذُّنُوبِ يُؤَخِّرُ اللَّهُ مِنْهَا مَا شَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا عُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ فَإِنَّ اللَّهَ يُعَجِّلُهُ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ)) ❁

”اللہ جن گناہوں کو چاہتا ہے قیامت تک کے لیے مؤخر کر دیتا ہے سوائے والدین کے ساتھ قطع تعلق کے کہ اللہ اس کا بدلہ موت سے پہلے اس زندگی ہی میں دے دیتا ہے۔“

والدین جب بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی آپ ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے کیونکہ اس وقت وہ کمزور ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کا زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن نے ہدایت کی ہے کہ:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا.﴾ ❁

”تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ انہیں اُف کہو اور نہ جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ بات کہو۔ اور ان کے لیے رحمدلی کے ساتھ پستی کے بازو

❁ [اسنادہ ضعیف] مستدرک حاکم، ۱۵۶/۴، رقم الحدیث: ۷۳۴۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب

الأدب، باب فی النهی عن سب الموتی، رقم الحدیث: ۴۹۰۲ [معنا] [حسن]؛ جامع ترمذی،

کتاب صفة القيامة، باب فی عظم الوعيد علی البغی و قطیعة الرحم، رقم الحدیث: ۲۵۱۱۔

❁ ۱۷/الاسراء: ۲۳، ۲۴۔

جھکائے رہو اور دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح

انہوں نے بچپن میں مجھے پالاتھا۔“

والدین کو گالیاں دینا کبائر میں سے ہے

والدین کو لعنت ملامت کرنا یعنی اس کا سبب بننا نہ صرف حرام بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

((إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ فَاسْتَعْرَبَ الْقَوْمُ

أَنْ يَلْعَنَ رَجُلٌ عَاقِلٌ مُؤْمِنٌ وَالِدَيْهِ وَهُمَا سَبَبُ حَيَاتِهِ، فَقَالُوا

وَكَيفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ يَسُبُّ الرَّجُلَ فَيَسُبُّ أَبَاهُ

وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ.)) ❁

”کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو لعنت

ملامت کرے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ایک عقلمند مومن کس طرح اپنے والدین کو

لعنت ملامت کر سکتا ہے جبکہ اسے زندگی ان ہی کے ذریعہ ملی ہے؟ چنانچہ انہوں

نے پوچھا کہ آدمی اپنے والدین کو کس طرح لعنت ملامت کر سکتا ہے؟ فرمایا:

آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے

وہ اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے اور یہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

تو اُس شخص کے گناہ کا کیا ٹھکانا جو اپنے ماں باپ کو دو بدوگالی دیتا ہے!“

والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے جانا جائز نہیں جبکہ جہاد فرض

عین نہ ہو

چونکہ اسلام والدین کی رضامندی کا بے حد خواہاں ہے اس لیے اس نے والدین کی

❁ [صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب لا یسب الرجل والدين، رقم الحدیث: ۵۹۷۳؛

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرها، رقم الحدیث: ۹۰]

اجازت کے بغیر جہاد کے لیے نکلنا جبکہ جہاد تطوع کے طور پر ہو یعنی فرض عین نہ ہو حرام ٹھہرایا ہے، حالانکہ اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کا بدل نہ رات بھر کی

عبادت ہو سکتی ہے اور نہ دن بھر کا روزہ۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں؟

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى نَبِيِّ اللَّهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: أَحَىِّ

وَالِدَاكَ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ.)) ❁

”ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے

جہاد کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے والدین حیات

ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: تو پھر ان ہی میں جہاد کرو۔“

یعنی والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ نیک سلوک کو میدان جہاد بنا لو۔

اسی طرح ایک شخص کو جو ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا

آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفْتَبْتَعِي الْأَجْرَ مِنَ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ

فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا.)) ❁

”کیا تم اللہ سے اجر کے طالب ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا: تو اپنے

والدین کے پاس چلے جاؤ اور ان کی اچھی طرح خدمت کرو۔“

ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں ہجرت پر

آپ ﷺ سے بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اور والدین کو اس حال میں چھوڑ

آیا ہوں کہ وہ رورہے تھے۔ فرمایا:

❁ صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الجہاد باذن الابوين، رقم الحدیث: ۳۰۰۴؛

صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین، رقم الحدیث: ۲۵۴۹۔

❁ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین، رقم الحدیث: ۲۵۴۹/۶؛ سنن سعید

بن منصور، ۱۳۱/۲، رقم الحدیث: ۲۳۳۵۔

((ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاصْحِحْهُمَا كَمَا أَبَكَيْتَهُمَا.)) ❁

”اپنے والدین کے پاس واپس چلے جاؤ اور جس طرح انہیں رُلا یا ہے اسی طرح انہیں ہنساؤ۔“

اسی طرح یمن سے ایک شخص ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ والدین کی اجازت سے آیا ہے۔ اُس نے جب نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا فَإِنْ أَذْنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا.)) ❁

”اُن کے پاس واپس چلے جاؤ اور اُن سے اجازت طلب کرو۔ اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ اُن کی خدمت میں لگے رہو۔“

مشرک والدین

والدین کے معاملہ میں اسلام نے نہایت اعلیٰ تعلیم دی ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کو بہر صورت حرام ٹھہرایا ہے یہاں تک کہ اگر والدین مشرک و کافر ہوں اور شرک کے داعی بن کر اپنے بیٹے کو اس کے دین سے پھیرنے کے لیے دباؤ ڈالیں تب بھی ان کے ساتھ بدسلوکی روا نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنْ أَشْكُرَ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ط إِلَى الْمَصِيْرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ذ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

❁ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو وأبواہ کارہان، رقم الحدیث: ۲۵۲۸؛ سنن نسائی، کتاب البیعة، باب البیعة علی الهجرة، رقم الحدیث: ۴۱۶۸؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب الرجل یغزو وله أبوان، رقم الحدیث: ۲۷۸۲۔

❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو وأبواہ کارہان، رقم الحدیث: ۲۵۳۰؛ التلخیص الحبیر لابن حجر العسقلانی، ۲/۲۹۰، رقم الحدیث: ۱۱۱۴۔

فَانبِئْكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

”میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی میری طرف تجھے پلٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، جس کی تیرے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر مگر اتباع اُس شخص کے راستہ کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو؟“

مذکورہ آیات میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ شرک کے معاملہ میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں کہ خالق کی معصیت کے معاملہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اور شرک سے بڑھ کر معصیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ البتہ دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس طور سے کہ کوئی مسلمان ایمان کے معاملہ میں ان کی رائے سے متاثر نہ ہو بلکہ مومنین صالحین کی راہ کی اتباع کرے اور اس کے اور والدین کے درمیان دین کا جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ احکم الحاکمین پر چھوڑ دے اس دن کے لیے جب نہ باپ بیٹے کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا باپ کے۔

رواداری کی اس اعلیٰ تعلیم کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی!



باب
چہارم

اعتقاد
و تقلید

معاملات

کھیل
اور
تفریح

اجتماعی
روابط

غیر مسلموں
سے
تعلقات

اعتقاد و تقلید

صحیح عقیدہ اسلامی معاشرہ کی اساس ہے اور توحید اس عقیدہ کا جوہر اور پورے دین کی روح ہے۔ صحیح عقیدہ اور توحید خالص کا تحفظ وہ اولین مقصد ہے جس کو اسلام نے اپنی تشریح و تعلیم میں پیش نظر رکھا ہے۔ ساتھ ہی ان جاہلی معتقدات کی مخالفت بھی ضروری ہے جن کو بت پرستوں نے رائج کر رکھا ہے تاکہ مسلم معاشرہ کو شرک کی آلائشوں اور گمراہی کے اثرات سے پاک رکھا جاسکے۔

سُننِ الہی کا احترام

اولین عقیدہ جس کو اسلام اپنے فرزندوں کے دلوں میں راسخ کرتا ہے یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کا نظام جس کی زمین کے اوپر اور جس کے آسمان کے نیچے انسان زندگی بسر کرتا ہے کوئی اٹکل پچو چیز نہیں ہے جو بغیر رہنمائی کے چل رہا ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی مخلوق کی خواہش کے مطابق چلے کیونکہ خواہشات باہم متناقض ہوتی ہیں:

﴿وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾

﴿۱﴾

”اگر حق اُن کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور جو اُن میں

ہیں سب درہم برہم ہو جاتے۔“

واقعہ یہ ہے کہ یہ کائنات قوانینِ قدرت اور سننِ الہی سے مربوط ہے جن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں جیسا کہ قرآن نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے:

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾

”تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔“

کتاب و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان ان سنتوں کا احترام کریں اور اسباب کے ذریعہ نتائج کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو نتائج کے ساتھ

مربوط کر رکھا ہے، اور ان مزعومہ خفیہ اسباب کی طرف مطلق توجہ نہ کریں جن کو عبادت گاہوں کے مجاور، پیشہ وران مکر و فریب اور مذہب کی دکان چلانے والے مقصد براری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

اوہام و خرافات کے خلاف جنگ

جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو سوسائٹی میں فریب کاروں کا ایک گروہ موجود تھا جسے کاہن یا نجومی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ غیب کی سابقہ یا آئندہ ہونے والی باتیں جنات کے ذریعہ جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس دجل و فریب کے خلاف جس کو علم و ہدایت اور کتاب الہی سے کوئی واسطہ نہ تھا آپ ﷺ نے اعلان جنگ کیا اور انہیں اللہ کا کلام سنایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ﴿۱﴾

”کہو اللہ کے سوا زمین اور آسمانوں میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔“

درحقیقت غیب کا علم نہ فرشتے رکھتے ہیں، نہ جن اور نہ انسان۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان سنایا:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ﴿۲﴾

”اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت زیادہ خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں تو بس خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔“

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے جنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ:

﴿أَنْ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ ﴿۳﴾

”اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس رُسوا کن عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“

لہذا جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ حقیقتاً اس کو غیب کا علم ہے وہ اللہ، حقیقت اور لوگ سب کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خیال کر رہا تھا کہ آپ ﷺ بھی علم غیب کے مدعی ہوں گے، اس لیے ان لوگوں نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپائی اور آپ ﷺ سے پوچھا: بتلائیے، ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے واضح طور سے فرمایا: ”میں کاہن نہیں ہوں۔ کاہن، کہانت اور گہان سب آگ میں ہوں گے۔“ ❁

کاہنوں کی تصدیق کرنا کفر ہے

اسلام نے کاہنوں اور دجالوں کی مخالفت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو بھی گناہ میں شریک ٹھہرایا جو ان کے پاس جا کر سوالات کرتے ہیں اور ان کے اوہام اور گمراہ کن باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ أَتَى عَرَافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ
صَلَاةُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا.)) ❁

”جو شخص نجومی کے پاس گیا اور سوالات کیے پھر اس کی باتوں کی تصدیق کی اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی۔“

نیز فرمایا:

((مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيَّ))

❁ [اسنادہ ضعیف] الدر المنثور للسيوطی، ۳۳۶/۵۔

❁ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانة و اتیان الکھانة، رقم الحدیث: ۲۲۳۰۔

سنن ابی داؤد، کتاب الکھانة و التطیر، باب فی الکھان، رقم الحدیث: ۳۹۰۴؛ مسند احمد بن

حنبل، ۶۸/۴، رقم الحدیث: ۱۶۶۳۸؛ السنن الکبری للبیہقی، ۱۳۸/۸؛ حلیۃ الاولیاء لابن

نعیم، ۴۴۲/۱۰، رقم الحدیث: ۱۵۷۹۰؛ شرح السنۃ للبخاری، ۱۸۲/۱۲۔

مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۱

”جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔“

کفر اس وجہ سے کہ نبی ﷺ پر یہ ہدایت نازل کی گئی ہے کہ غیب اللہ وحدہ ہی کے لیے ہے اور محمد ﷺ کو غیب کا علم نہیں ہے اور کسی اور کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا

أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِن اتَّبَعُوا إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ﴾ ۱

”کہو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں

غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف

اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر کی جاتی ہے۔“

قرآن کی اس صریح اور واضح ترین بات کو جاننے کے باوجود اگر ایک مسلمان اس

بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بعض لوگ پردہ ہٹا کر تقدیر کو دیکھ سکتے ہیں اور غیب کے راز ہائے

سربستہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ اس ہدایت کے ساتھ کفر کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل

ہوئی ہے۔

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا

پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا جس مصلحت سے حرام کر دیا گیا ہے اس کو ہم اس

سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

پانے یعنی تیر جن کو عرب زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے

استعمال کرتے تھے۔ ایک تیر پر یہ عبارت کندہ ہوتی ”میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے“ اور

۱ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۲/۴۲۹، رقم الحدیث: ۹۵۳۶؛ جامع ترمذی، کتاب

الطہارۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ إیتان الحائض، رقم الحدیث: ۱۳۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب

الکھانۃ والتطیر، باب فی الکھان، رقم الحدیث: ۳۹۰۴؛ کشف الاستار للہیثمی، ۳/۴۰۰، رقم

الحدیث: ۳۰۴۵۔ ۱/۶ الانعام: ۵۰۔

دوسرے پر ہوتی ”میرے رب نے مجھے منع کیا ہے۔“ اور تیسرا تیرا سادہ ہوتا۔ جب سفر یا شادی وغیرہ کا ارادہ کر لیتے تو بتوں کے پاس جا کر پانسوں کے ذریعہ قسمت کا لکھا معلوم کرنا چاہتے۔ اگر حکم دینے والا تیر نکل آتا تو اس کام کے لیے قدم اٹھاتے اور اگر ممانعت والا تیر نکل آتا تو رک جاتے اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو پھر سے قرعہ اندازی کرتے یہاں تک کہ امر یا نہی والا تیر نکل آتا۔

ہماری سوسائٹی میں اس سے ملتی جلتی چیزیں یہ ہیں۔ رمل، کوڑیاں، کتاب کھول کر فال نکالنا، تاش کے پتے اور فجان پڑھنا۔ اس قسم کی تمام چیزیں اسلام میں حرام اور منکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَسُقٌ ﴿۱﴾﴾

”اور یہ کہ پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرو کہ یہ فسق ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَنَالُ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى مَنْ تَكْهَنَ أَوْ اسْتَقْسَمَ أَوْ رَجَعَ مِنْ

سَفَرٍ تَطِيرًا)) ﴿۲﴾

”وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا جو کہانت کرے یا پانسوں کے ذریعہ

قسمت کا حال معلوم کرے یا بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ آئے۔“

جادو

اسلام جادو کا سخت مخالف ہے۔ جو لوگ جادو سیکھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن

میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ﴿۳﴾﴾

﴿۱﴾ ۵/ المائدہ: ۳۔ ﴿۲﴾ [صحیح] المعجم الأوسط للطبرانی، ۳/ ۳۲۰، ۳۲۱، رقم

الحديث: ۲۶۸۴۔ شعب الايمان للبيهقي، ۷/ ۳۹۸، رقم الحديث: ۱۰۷۳۹۔ حلية الاولياء

لابي نعيم، ۵/ ۱۹۸، رقم الحديث: ۶۸۱۴۔ ﴿۳﴾ ۲/ البقرة: ۱۰۲۔

”مگر وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کے حق میں مفید نہیں بلکہ مُضر تھی۔“

نبی ﷺ نے جادو کا شمار مہلک اور کبیرہ گناہوں میں کیا ہے۔ ❁

جو افراد ہی کو نہیں قوموں کو بھی ہلاک کر دیتا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں تباہی لاتا ہے۔ بعض فقہانے سحر کو کفر یا موجب کفر قرار دیا ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک جادو گر کا قتل واجب ہے تاکہ سماج کو اس کے شر سے پاک کیا جاسکے۔

قرآن نے جادو گروں کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفَّثَاتِ فِي الْعُقَدِ﴾ ❁

”اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں پھونکنے والوں (نفوس) کے شر سے۔“

گرہوں میں پھونکنا جادو کے طریقوں اور اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ حدیث

میں ہے:

((مَنْ نَفَثَ فِي عُقْدَةٍ فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ))

(اسنادہ ضعیف) ❁

”جس نے گرہ میں پھونکا اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا

مرتکب ہوا۔“

اسلام نے جس طرح نجومی کے پاس غیب اور راز کی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے

جانا حرام ٹھہرایا ہے اسی طرح جادو سیکھنے یا جادو گروں کے پاس کسی مرض کے علاج یا کسی

مشکل کو حل کرنے کے لیے جانا بھی حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنی

برأت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تَطَيَّرَ لَهُ أَوْ تَكْهَنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سَحِرَ))

❁ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الشرك والسحر من الموبقات، رقم الحدیث:

۵۷۶۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الكبائر وأکبرها، رقم الحدیث: ۸۹۔

❁ ۱۱۳/الفلق: ۴۔ سنن نسائی، کتاب تحريم الدم، باب الحكم في السحرة، رقم

الحدیث: ۴۰۸۴۔ المعجم الأوسط للطبرانی، ۲/۲۸۰، رقم الحدیث: ۱۴۹۲۔

لَهُ.)) ❁

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو براشگون لے یا جس کے لیے براشگون لیا

جائے یا جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جادو کرائے۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جوتھی یا ساحر یا کاہن کے پاس جا کر

سوالات کیے اور اس کی باتوں کو سچ مانا اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔ ❁

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدٌّ مِنْ خَمْرٍ وَلَا مُؤْمِنٌ بِسِحْرِ وَلَا قَاطِعُ

رَحِمٍ.)) ❁

”جنت میں شرابی داخل نہ ہوگا اور نہ جادو پر اعتقاد رکھنے والا اور نہ قطع رحمی

کرنے والا۔“

یہ حرمت صرف جادوگر ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں جادو پر اعتقاد رکھنے

والے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے والے اور جادوگر کی باتوں کو صحیح سمجھنے والے بھی شامل

ہیں۔ اور یہ حرمت اس صورت میں اور بڑھ جاتی ہے جبکہ جادو کا استعمال ایسے اغراض کے

لیے ہو جو فی نفسہ حرام ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان تفریق پیدا کرنے، کسی کو جسمانی

نقصان پہنچانے وغیرہ کے لیے ہو۔

❁ [اسنادہ ضعیف] مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۱۷/۵، رقم الحدیث: ۸۴۷۹؛ کشف

الاستار عن زوائد البزار للہیثمی، ۳۹۹/۳، رقم الحدیث: ۳۰۴۳۔

❁ [صحیح] المعجم الکبیر للطبرانی، ۷۶/۱۰، رقم الحدیث: ۱۰۰۰۵۔ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۱۱۷/۵، ۱۱۸، رقم الحدیث: ۸۴۸۲۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۲۸۰/۹، رقم

الحدیث: ۵۴۰۸۔ المعجم الأوسط للطبرانی، ۲۷۰/۲، رقم الحدیث: ۱۴۷۶۔

❁ [اسنادہ حسن بشواہدہ] مسند احمد بن حنبل، ۳۹۹/۴، رقم الحدیث: ۱۹۵۶۹۔

مستدرک حاکم، ۱۴۶/۴، رقم الحدیث: ۷۳۱۶۔ صحیح ابن حبان، ۱۶۶، ۱۶۵/۱۲، رقم

الحدیث: ۵۳۴۶؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۷۴/۵، رقم الحدیث: ۸۲۰۶۔ مسند ابی یعلیٰ

الموصلی، ۲۲۴/۱۳، رقم الحدیث: ۷۲۴۸۔

تعویذ باندھنا

اسی قسم کی ایک چیز تعویذ اور منکے وغیرہ ہیں جو بیماری سے شفا یابی یا تحفظ کے اعتقاد سے باندھے جاتے ہیں۔ بیسیویں صدی میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے دروازہ پر گھوڑے کا نعل لگاتے ہیں، اور آج دنیا کے مختلف گوشوں میں گمراہ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں جو عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں تعویذیں لکھ لکھ کر دیتے ہیں۔ ان تعویذوں میں لکیریں اور طلسم ہوتے ہیں اور گنڈوں پر قسمیں کھا کر اور منتر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ تعویذ گنڈا باندھنے والوں پر جنوں کا اثر نہیں ہوگا اور وہ آسیب، نظر بد اور حسد وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

جہاں تک اپنے تحفظ اور علاج کا تعلق ہے اس کے کچھ معروف طریقے ہیں جن کو اسلام نے جائز ٹھہرایا ہے لیکن ان معروف طریقوں کو چھوڑ کر گمراہ دجالوں کے طریقوں کو اختیار کرنا اسلام کے نزدیک سخت منکر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((تَدَاوُوا فَإِنَّ الَّذِي خَلَقَ الدَّاءَ خَلَقَ الدَّوَاءَ.)) ❁

”علاج کرو کیونکہ جس نے بیماری پیدا کی ہے اسی نے دوا بھی پیدا کی ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَدْوِيَّتِكُمْ خَيْرٌ فَفِي هَذِهِ الثَّلَاثَةِ: شُرْبَةُ

عَسَلٍ أَوْ شَرْطَةَ مُحَجَّجٍ أَوْ كَيْتَةَ بِنَارٍ.)) ❁

”تمہاری ان دواؤں میں مفید تین چیزیں ہیں: شہد پینا، کچھنے لگوانا اور آگ

سے داغ دینا۔“

❁ [صحیح لغيره] مسند احمد بن حنبل، ۱۵۶/۳، رقم الحدیث: ۱۲۵۹۶؛ السنن الكبرى

للبیهقی، ۳۴۳/۹؛ التمهید لابن عبدالبر، ۲۸۵/۵۔ صحیح ابن حبان، ۴۲۸/۱۳، ۴۲۹، رقم

الحدیث: ۶۰۶۳-۶۰۶۴۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۳۴۳/۳، رقم الحدیث:

۱۴۷۰۱۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل، رقم الحدیث: ۵۶۸۳۔ صحیح

مسلم، کتاب السلام، باب لكل داء دواء، رقم الحدیث: ۲۲۰۵۔

ان تین چیزوں کی اسپرٹ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ زمانہ کے علاج کے یہ طریقے جائز قرار پاتے ہیں۔

(۱) دوا پینا۔

(۲) آپریشن کے ذریعہ علاج۔

(۳) داغ کے ذریعہ علاج جس میں الیکٹرک شاک کے ذریعہ علاج کرنا بھی شامل ہے۔ رہا علاج یا تحفظ کے لیے تعویذ اور منکے وغیرہ باندھنا یا طلسمی منتر پڑھنا تو یہ جہالت اور گمراہی ہے جو سنن الہی کے خلاف اور توحید کے منافی ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس افراد پر مشتمل ایک قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نو افراد سے بیعت کی لیکن ایک شخص سے نہیں کی۔ ان کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ فِي عَضِدِهِ تَمِيمَةً، فَقَطَعَ الرَّجُلُ التَّمِيمَةَ فَبَايَعَهُ رَسُولُ

اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ عَلَّقَ فَقَدْ أَشْرَكَ.)) ❁

”اس کے بازو میں تعویذ باندھی ہے۔ جب اس شخص نے تعویذ کاٹ ڈالی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی اور فرمایا: ”جس نے تعویذ باندھی اس نے شرک کیا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ عَلَّقَ وَدَعَا فَلَا أَوْدَعَ

اللَّهُ لَهُ.)) ❁

”جس نے تعویذ باندھی اللہ اس کو کامیاب نہ کرے اور جس نے منکے

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۴/۱۵۶، رقم الحدیث: ۱۷۴۲۲؛ المعجم الكبير

للطبرانی، ۱۷/۳۱۹، رقم الحدیث: ۸۸۵۱؛ مجمع الزوائد للهيثمي، ۵/۱۰۳، رقم الحدیث:

۸۳۹۹؛ مستدرک حاکم، ۴/۲۱۹، رقم الحدیث: ۷۵۸۸۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۴/۱۵۴، رقم الحدیث: ۱۷۴۰۴؛ مستدرک حاکم،

۴/۲۱۶، رقم الحدیث: ۷۵۷۶؛ صحیح ابن حبان، ۱۳/۴۵۰، رقم الحدیث: ۶۰۸۶؛ السنن

الكبرى للبيهقي، ۹/۳۵۰۔

باندھے اللہ سے سکون نصیب نہ کرے۔“

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے بازو میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا:

افسوس تم پر، یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کمزوری کو دور کرنے کے لیے پہنا ہے۔

فرمایا: یہ تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کرے گا۔ اسے نکال کر پھینک دو ورنہ

اگر تمہاری موت اسی حالت میں ہوئی تو تم ہرگز فلاح نہ پاسکو گے۔“¹

ان تعلیمات نے اصحاب رسول ﷺ پر اس قدر گہرا اثر ڈالا تھا کہ وہ اس قسم کی

گمراہیوں سے بہت دور رہے اور ان بے حقیقت چیزوں کو انہوں نے کوئی اہمیت نہیں دی۔

عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں: میں عبد اللہ بن حکیم کے پاس گیا، وہاں حمزہ موجود تھے۔ میں

نے کہا: آپ تعویذ نہیں باندھتے؟ انہوں نے کہا: اس سے اللہ کی پناہ! اور ایک دوسری

روایت میں ہے ”موت اس سے قریب تر ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ))²

”جو شخص (اپنے گلے میں) کوئی چیز لٹکائے اس کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے گلے میں گنڈا بندھا ہوا

دیکھا تو اسے کھینچ کر کاٹ ڈالا اور فرمایا: آل عبد اللہ شرک سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ الرُّقَى وَالْتَّمَائِمَ وَالتُّوَلَةَ شِرْكٌ))³

¹ [اسنادہ، ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۴/۴۴۵، رقم الحدیث: ۲۰۰۰۰؛ سنن ابن

ماجہ، کتاب الطب، باب تعلیق التمام، رقم الحدیث: ۳۵۳۱۔

صحیح ابن حبان، ۱۳/۴۴۹، رقم الحدیث: ۶۰۸۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۸/۱۷۲،

رقم الحدیث: ۳۹۱۔ ² [حسن] جامع ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی کراہیة

التعلیق، رقم الحدیث: ۲۰۷۲۔ سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب الحکم فی السحرة، رقم

الحدیث: ۴۰۸۴۔ ³ [اسنادہ ضعیف] مستدرک حاکم، ۴/۴۱۷، رقم الحدیث: ۸۳۳۹۔

صحیح ابن حبان، ۱۳/۴۵۶، رقم الحدیث: ۶۰۹۰۔

منتر، تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں۔“

”تولہ“ ایک قسم کا جادو ہی ہے اور اس طریقہ کو عورتیں اپنے شوہروں کی نظروں میں محبوب بننے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ علما کہتے ہیں: ممنوع منتر وہ ہیں جو عربی میں نہ ہوں بلکہ کسی اور زبان میں ہوں اور زبان کی مغائرت کی وجہ سے ان کے معنی معلوم نہ ہوں۔ ایسے منتروں میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ جادو یا کفر کے قسم کی کوئی بات ہو، لیکن اگر اس کے معنی سمجھ میں آجائیں اور اس میں اللہ کا ذکر ہو تو وہ مستحب ہے۔ ایسے منتر اللہ سے دعا اور اس سے اُمید کے مترادف ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت علاج یا دوا کی نہیں ہوتی۔ البتہ اہل جاہلیت کے منتر جادو، شرک اور طلسم سے مرکب ہوتے تھے اور معنی مفہوم سے خالی ہوتے تھے۔

روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو ان جاہلی منتروں سے منع کیا تو اس نے یہ واقعہ سنایا: ایک روز میں باہر نکلی تو مجھے فلاں شخص نے دیکھ لیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جب میں منتر پڑھتی ہوں تو آنسو رک جاتے ہیں اور جب منتر پڑھنا ترک کرتی ہوں تو آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شیطان ہے۔ جب تم اس کی بات مانتی ہو تو وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب اس کی بات نہیں مانتی ہو تو اپنی انگلی تمہاری آنکھوں میں چبھوتا ہے لیکن اگر تم وہی کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور امید ہے کہ تمہیں شفا حاصل ہوگی۔ اپنی آنکھوں میں پانی چھڑکو اور یہ کلمات کہو:

((أَذْهَبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، إِشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا

شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا.)) ❁

”اے انسانوں کے رب! تکلیف کو دور فرما اور شفا یاب کر کہ تو ہی شفا دینے

والا ہے، کوئی شفا نہیں بجز تیری شفا کے، ایسی شفا عطا فرما کہ کوئی بیماری باقی

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی تعلیق التمانم، رقم الحدیث:

نہ رہے۔“

بدشگونی

بدشگونی، جگہ، وقت اور اشخاص وغیرہ سے لی جاتی ہے۔ یہ اُن اوہام میں سے ہے جن کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا:

﴿إِطَّيْرُنَا بَكَ وَبِمَنْ مَعَكَ﴾ ❶

”ہمارے خیال میں تو تم اور تمہارے ساتھی شگون بد ہیں۔“

اور فرعون اور اس کی قوم پر جب کوئی مصیبت آتی تو

﴿يَطَّيْرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ﴾ ❷

”وہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔“

اکثر کفار جو گمراہی میں مبتلا رہے ہیں کسی مصیبت کے نازل ہو جانے پر یہی کہتے

رہے ہیں کہ:

﴿إِنَّا تَطَّيْرُنَا بِكُمْ﴾ ❸

”ہم تمہیں اپنے لیے شگون بد سمجھتے ہیں۔“

اور اس کا جواب انبیا علیہم السلام یہ دیتے رہے ہیں کہ:

﴿طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ﴾ ❹

”تمہاری بدشگونی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔“

یعنی تمہاری مصیبت کا سبب تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ ہے تمہارا کفر و عناد اور

تمہاری سرکشی۔

بدشگونی کے بارے میں زمانہ جاہلیت میں عربوں کے عقائد مختلف تھے لیکن اسلام

نے ان کو باطل قرار دے کر لوگوں کو عقلیت (Rationality) کی راہ پر لگایا۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

❶ ۲۷/النمل: ۴۷ - ❷ ۷/الاعراف: ۱۳۱ -

❸ ۳۶/یس: ۱۸ - ❹ ۳۶/یس: ۱۹ -

((لَيْسَ مِنْهُ مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تَطَيَّرَ لَهُ أَوْ تَكْهَنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ)) ❁

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو براشگون لے یا جس کے لیے براشگون لیا جائے یا جس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا جو جادو کرائے۔“

نیز فرمایا:

((الْعِيَاةُ وَالطَّيْرَةُ وَالطَّرْفُ مِنَ الْجِبْتِ)) ❁

”رمل، پرندہ سے براشگون لینا اور کنکریاں مار کر براشگون لینا جبت (وہم پرستی) کے قبیل سے ہے۔“

یہ بدشگونی نہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور نہ واقعات کی بنیاد پر بلکہ محض ضعف اعتقاد اور وہم پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ ایک عقلمند آدمی سچ مچ یہ خیال کرنے لگے کہ فلاں شخص یا فلاں جگہ منحوس ہے یا وہ کسی پرندے کی آواز سن کر یا آنکھوں کی حرکت دیکھ کر یا کوئی کلمہ سن کر گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کی طبیعت میں کمزوری ہو تو وہ اسے بدشگونی پر آمادہ کرتی ہے۔ لہذا انسان کو اس کمزوری کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے:

”تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے کسی کا بچنا مشکل ہے: بدگمانی، بدشگونی اور حسد۔ لہذا جب بدگمانی پیدا ہو جائے تو اس پر یقین نہ کرو اور جب بدشگونی ترّد پیدا کرے تو راستہ سے واپس نہ لوٹو اور جب حسد کا احساس ہونے

❁ [حسن لغیرہ] المعجم الكبير للطبرانی، ۱۸/۱۶۲، رقم الحدیث: ۳۵۵؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۵/۱۰۳، ۱۰۴؛ مسند البزار، ۹/۵۲، رقم الحدیث: ۳۵۷۸۔

❁ [اسناد ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الکھانة، باب فی الخط وزجر الطیر، رقم الحدیث:

۳۹۰۷؛ صحیح ابن حبان، ۱۳/۵۰۲، رقم الحدیث: ۶۱۳۱ واللفظ لہ۔

لگے تو ویسا نہ چاہو۔“

اس احتیاط پر عمل کرنے کی صورت میں ان تینوں باتوں کی حقیقت دل میں گزرنے والے خیالات اور وساوس سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ اور ان باتوں کا کوئی اثر عمل پر مرتب نہ ہوگا۔ ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دل میں بدشگونی کے خیالات نہ پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ پر توکل کرنے سے اس قسم کے خیالات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔“

جاہلیت کی تقلید کے خلاف جہاد

اسلام نے جس طرح جاہلی اعتقادات و اوہام کے خلاف جنگ کی، کیونکہ یہ چیزیں عقل، اخلاق اور برتاؤ سب کے لیے خطرناک ہیں۔ اسی طرح اس نے جاہلیت کی تقلید کے خلاف بھی جہاد کیا جو عصبیت، فخر و غرور اور قبائلی نخوت پر قائم تھی۔

اسلام میں عصبیت نہیں

اس سلسلہ میں اسلام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عصبیت کی تمام صورتوں کو دفن کر دیا اور عصبیت کے جذبات کو پیدا کرنا اور اس کی طرف بلانا حرام ٹھہرایا۔ ارشادِ نبوی ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ))

[اسنادہ ضعیف] فتح الباری، ۱۰/۲۱۳۔ بالفاظ متقاربة، مصنف عبدالرزاق، ۱۰/۴۰۳،

رقم الحدیث: ۱۹۵۰۴ بلفظ مختلف۔ شعب الایمان للبیہقی، ۲/۶۳، رقم الحدیث: ۱۱۷۲۔

[صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرة، رقم الحدیث: ۳۹۱۰۔

جامع ترمذی، کتاب السیر باب ما جاء فی الطیرة، رقم الحدیث: ۱۶۱۴؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب الطب، باب من کان یعجبه الفال ویکره الطیرة، رقم الحدیث: ۳۵۳۸۔

وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ. ﴿١﴾

”جو عصبیت کی طرف لائے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو عصبیت پر لڑے وہ

ہم میں سے نہیں ہے اور جو عصبیت پر مرے وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔“

اسلام رنگ، قوم اور خطہ زمین کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان امتیاز کرنے کا قائل نہیں ہے۔ اور اس کے نزدیک یہ بات جائز نہیں ہے کہ مسلمان کوئی، قومی اور ملکی تعصب سے کام لیں۔ حق اور باطل، انصاف اور ظلم دونوں صورتوں میں اپنی قوم کی حمایت کریں۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

(قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْعَصَبِيَّةُ؟ قَالَ: أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى

الظُّلْمِ. ﴿٢﴾

”میں نے کہا: یا رسول اللہ! عصبیت کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم کے

معاملہ میں بھی مدد کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ

عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوْ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ. ﴿٣﴾

”اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کی خاطر گواہی دینے

والے بنو اگرچہ کہ اس شہادت کی زد تمہاری اپنی ذات یا تمہارے والدین

اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔“

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا. ﴿٤﴾

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ عدل نہ کرو۔“

﴿١﴾ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی العصبیة، رقم الحدیث: ۵۱۲۱۔

شرح السنۃ للبخاری، ۱۲۲/۱۳، رقم الحدیث: ۳۵۴۳۔ الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی

۱۰۰۵/۳۔ ﴿٢﴾ [اسناد ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی العصبیة، رقم الحدیث:

۵۱۱۹؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۳۴/۱۰؛ شرح السنۃ للبخاری، ۱۲۳/۱۳، رقم الحدیث:

۳۵۴۳۔ ﴿٣﴾ ۴/النساء: ۱۳۵۔ ﴿٤﴾ ۵/المائدہ: ۸۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((أَنْصُرُ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ: تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَلِكَ نَصْرٌ لَهُ.))

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم مدد کریں گے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کس طرح مدد کریں؟ فرمایا: اپنے بھائی کو ظلم سے روکنا درحقیقت اس کی مدد کرنا ہے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو دعوت مسلمانوں کو ان کے درمیان ملکی اور گروہی عصبیت پیدا کرنے کی غرض سے دی جائے مثلاً وطن پرستی یا قوم پرستی کی دعوت تو وہ جاہلیت کی دعوت ہے۔ جس سے اسلام، اس کا رسول اور اس کی کتاب بری ہے۔

اسلام دوسرا عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ ولایت کے تعلقات قائم کرنے کا قائل نہیں ہے اور نہ کفر و ایمان کے علاوہ کسی اور بنیاد پر لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کا قائل ہے۔ اسلام کا دشمن اور کافر مسلمانوں کا بھی دشمن ہے خواہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ.﴾

”تم کبھی نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ محبت رکھتے ہوں خواہ

1 صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب اعن أخاك ظالماً أو مظلوماً، رقم الحدیث: ۶۹۵۲، ۲۴۴۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۰۱/۳، رقم الحدیث: ۱۳۰۷۹؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۹/۱۰؛ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً، رقم الحدیث: ۲۲۵۵۔ ۵۸/المجادلة: ۲۲۔

وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔“

رنگ و نسب کی کوئی اہمیت نہیں

بخاری کی روایت ہے کہ:

”ابو ذر رضی اللہ عنہ اور بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے غصہ میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ”اے سیاہ فام کی اولاد! بلال رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے ان کی ماں کو برا بھلا کہا؟ تمہارے اندر جاہلیت کی خوبی ابھی باقی ہے۔“

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنے آپ کو دیکھو، کیونکہ سرخ یا سیاہ رنگ کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے البتہ تقویٰ کی بنا پر تم فضیلت حاصل کر سکتے ہو۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ))

”تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔“

اس طرح اسلام نے اس بات کو حرام ٹھہرایا کہ مسلمان جاہلی خواہشات کے پیچھے پڑ کر حسب و نسب پر ناز کرنے لگے اور اپنے باپ دادا کی بڑائیاں ہانکنے لگے۔

نسب اور خاندان کی کیا حیثیت جبکہ سب کی اصل ایک ہے۔ اور اگر بالفرض نسب کی

1 صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من أمر الجاہلیة، رقم الحدیث: ۳۰۔

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب إطعام المملوک مما یأکل، رقم الحدیث: ۱۶۶۱؛ مسند

احمد بن حنبل، ۱۶۱/۵، رقم الحدیث: ۲۱۴۳۲۔ [صحیح لغيرہ] مسند احمد بن

حنبل، ۱۵۸/۵ رقم المحدث: ۲۱۴۰۷۔ مجمع الزوائد ۱۲۳/۸، رقم الحدیث:

۱۳۰۸۹۔ کشف الاستار للہیثمی، ۴۳۴/۲، رقم الحدیث: ۲۰۴۳، باب التفاخر۔

حیثیت تسلیم کی جائے تو اس باپ یا اس باپ سے پیدا ہونے میں انسان کی اپنی کیا فضیلت ہے یا اس کا اس میں کیا قصور ہے؟

نبی ﷺ نے آباء و اجداد پر فخر کرنے والوں کو نہایت سخت انداز میں متنبہ فرمایا ہے۔
 ”لوگ اپنے باپ داداؤں پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ اُن باپ داداؤں پر جو مر کر جہنم کا کونکہ بن گئے ہیں ورنہ وہ کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کے طریقہ کو مٹا دیا ہے۔ اب یا تو آدمی متقی مومن ہوگا یا بد بخت فاجر، سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔“

اس حدیث میں اُن لوگوں کے لیے بڑا سبق ہے جو اپنے قدیم اجداد اور عربی و عجمی جاہلیت کے علمبردار فرعون و کسریٰ پر ناز کرتے ہیں، حالانکہ ان کی حقیقت ارشادِ نبوی کے مطابق جہنم کے کونکہ سے زیادہ نہیں ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جبکہ ہزار ہا افراد نہایت توجہ کے ساتھ اسلام کا پیغام سن رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں چند اصولی باتوں کا اعلان فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى. إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَى.))

”لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ سنو کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ گورا کالے پر فضیلت رکھتا ہے نہ کالا

1 [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳۲۱/۲، رقم الحدیث: ۷۸۳۶؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی التفاخر بالأحساب، رقم الحدیث: ۵۱۱۶؛ جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل الشام واليمن، رقم الحدیث: ۳۹۵۵؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۳۲/۱۰۔

2 [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۴۱۱/۵، رقم الحدیث: ۲۳۴۸۹؛ حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم اصفہانی، ۱۱۹/۳، رقم الحدیث: ۳۳۹۳؛ شعب الایمان للبیہقی، ۲۸۹/۴، رقم الحدیث: ۱۵۳۷۔ واللفظ لہ۔

گورے پر بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔“

نوحہ کرنا

کسی کی موت پر نوحہ کرنا، واویلا مچانا، جزع فزع کرنا اور اظہارِ غم میں غلو کرنا جاہلیت کے طور طریقوں کی تقلید ہے جس کا اسلام سخت مخالف ہے۔

اسلام نے اپنے پیروں کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ موت درحقیقت اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہونے کا نام ہے نہ کہ بالکل فنا اور معدوم ہو جانے کا۔ اور جزع فزع سے نہ مردہ زندہ ہو سکتا ہے اور نہ قضائے الہی ٹل سکتی ہے، لہذا ایک مومن کو موت کا اسی طرح سامنا کرنا چاہیے جس طرح کہ وہ دوسری مصیبتوں کا صبر و احتساب کے ساتھ سامنا کرتا ہے اسے اس بات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور آخرت میں ابدی ملاقات کی امید رکھنا چاہیے نیز اس کی زبان پر یہ کلمات ہونے چاہئیں:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ ❁

”ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

لیکن اگر وہ اہل جاہلیت کا سا طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ منکر اور حرام ہوگا۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيْسَ مِنْنَا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى

الْجَاهِلِيَّةِ)) ❁

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنا منہ پیٹے، دامن پھاڑے اور جاہلیت کی پکار

بلند کرے۔“

❁ ۲/ البقرة: ۱۵۶۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ليس منامن شق الجيوب، رقم الحديث: ۱۲۹۴۔

صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم ضرب الخدود، رقم الحديث: ۱۰۳۔ سنن ابن ماجه،

کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النهی ضرب الخدود، رقم الحديث: ۱۵۸۴۔

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اظہارِ غم کے لیے ماتمی لباس پہنے یا زینت ترک کرے یا معمول کے لباس اور ہیئت میں تبدیلی کرے، البتہ بیوی پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے کہ یہ حق زوجیت کے ایفاء کا تقاضا ہے اور اس میں اس مقدس رشتہ کا احترام ہے جس نے دونوں کو جمع کیا۔ لہذا اسے چاہیے کہ زینت کا اظہار نہ کرے اور عدت کے زمانہ میں پیغام دینے والوں کی نگاہوں میں گھب جانے کا باعث نہ بنے۔ لیکن اگر میت شوہر کے علاوہ کوئی اور ہو مثلاً باپ، بیٹا، بھائی تو ایسی صورت میں عورت کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے۔ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ جب ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو دونوں میں سے ہر ایک نے خوشبو منگوا کر لگائی اور کہا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ

فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.))

”جو عورت اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے، البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک اس سے منانا چاہیے۔“

یہ سوگ بیوی پر واجب ہے جس کے سلسلہ میں اسے تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری بیٹی کے شوہر کا انتقال

1 صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحدد المتوفى عنها اربعة اشهر وعشرا، رقم الحديث:

۵۳۳۴؛ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد في عدة الوفاة، رقم الحديث:

۱۴۸۶، ۱۴۸۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفى عنها زوجها، رقم الحديث:

ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ ❁

آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دورانِ عدت زیبائش و آرائش حرام ہے البتہ بغیر جزع فزع کے اظہارِ غم اور بغیر چیخ پکار کے رونا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ ایک فطری امر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض عورتوں کے رونے کی آواز سنی جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ کچھ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہیں ابو سلیمان پر رونے دو بشرطیکہ وہ سر پر مٹی نہ ڈالیں یا چیخ چیخ کر نہ روئیں۔ ❁



❁ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنہا زوجها اربعة أشهر وعشراً، رقم الحدیث: ۵۳۳۶؛ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة، رقم الحدیث: ۱۴۸۸۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من النیاحۃ علی المیت، رقم الحدیث: ۱۲۹۱ [تعلیقاً]؛ مستدرک حاکم، ۲۹۷/۳، رقم الحدیث: ۵۳۴۱ [هذا اثر صحیح] السنن الکبریٰ للبیہقی، ۷۱/۴۔

معاملات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اس طور سے فرمائی ہے کہ افراد ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں۔ کوئی شخص بھی خود مکلفی اور دوسروں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کسی کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے وہ خود بے نیاز ہوتا ہے اور جن چیزوں سے دوسرے لوگ بے نیاز ہوتے ہیں ان کا وہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ اس تمدنی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ اموال تجارت اور منفعت بخش چیزوں کا بیع و شراء کے ذریعہ تبادلہ کریں تاکہ زندگی استوار ہو اور معاملات مفید اور نتیجہ بخش طریقہ پر انجام پاسکیں۔

جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں میں بیع و شراء اور مبادلہ کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ ان میں سے جو شکلیں شرعی اصول سے ہم آہنگ تھیں ان کو آپ ﷺ نے برقرار رکھا اور جو شکلیں ہم آہنگ نہ تھیں ان سے منع فرمایا۔ یہ ممانعت چند اسباب کی بنا پر تھی، مثلاً معصیت کے کام میں تعاون، دھوکہ دہی، نفع اندوزی، معاملہ کے کسی فریق کے ساتھ ظلم و زیادتی وغیرہ۔

حرام چیزوں کی بیع حرام ہے

(۱) اشیائے ممنوعہ سے فائدہ اٹھانا معصیت کے قبیل سے ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت اور تجارت حرام ہے، مثلاً خنزیر، شراب، خورد و نوش کی حرام چیزیں، بت، صلیب اور مجسمے وغیرہ۔ اگر ان چیزوں کی خرید و فروخت اور ان کی تجارت کو جائز قرار دیا جاتا تو معصیت کے ان کاموں کو فروغ حاصل ہوتا، لوگوں کو ان چیزوں کے قریب جانے کا موقع ملتا، ان کا حصول آسان ہو جاتا اور لوگوں کے اندر ان کی رغبت پیدا ہو جاتی۔ لیکن چونکہ ان کی خرید و فروخت اور ان کا حصول حرام کر دیا گیا ہے اس لیے وہ ان چیزوں سے گریز کر سکتے ہیں۔ اب نہ ان چیزوں کی طرف توجہ مبذول ہو سکتی ہے اور نہ ان کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔ اسی

لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ
وَالْأَصْنَامِ)) ❁

”اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سورا اور بتوں کی خرید و فروخت
حرام کر دی ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ)) ❁

”اللہ جب کسی چیز کو حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔“

دھوکہ کی بیع ممنوع ہے

(ب) ہر وہ معاملہ بیع جس میں مال کے مجہول ہونے یا دھوکہ کی صورت پیدا ہو جانے یا
ایک فریق کے دوسرے فریق کو گھاٹا دینے کی بنا پر نزاع کے لیے گنجائش پیدا ہوتی ہو
سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے، مثلاً نر کی صلب میں یا اونٹنی کے بطن میں جو بچہ ہو اس کا
سودا کرنا یا اڑتے ہوئے پرندے یا پانی کے اندر مچھلیوں اور اس قسم کی ہر مجہول چیز کی
خرید و فروخت۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں پھلوں کو کھیتوں اور باغوں میں ان کے پختہ ہونے سے
پہلے ہی فروخت کر دیا جاتا تھا اور معاملہ طے ہو جانے کے بعد کبھی ایسا ہوتا کہ آفتِ سماوی
کی وجہ سے پھل تباہ ہو جاتے اور ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان نزاع پیدا
ہو جاتا۔ بائع کہتا میں سودا مکمل کر چکا ہوں اور خریدار کہتا تو نے پھل فروخت کیے اور پھل

❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتة والاصنام، رقم الحدیث: ۲۲۳۶؛ صحیح
مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر والمیتة۔۔۔، رقم الحدیث: ۱۵۸۱۔ جامع ترمذی،
کتاب البیوع، باب ما جاء فی بیع جلود المیتة والاصنام، رقم الحدیث: ۱۲۹۷۔

❁ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی ثمن الخمر والمزیتة، رقم الحدیث: ۳۴۸۸؛ السنن
الکبریٰ للبیہقی، ۱۳/۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۴۷/۱، رقم الحدیث: ۲۲۲۱۔

ہی غائب ہیں۔ ❁

اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ پھلوں کو ان کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے فروخت نہ کیا جائے، الا یہ کہ معاملہ فوری طور سے پھل توڑنے کی شرط پر کیا جائے۔ ❁

اسی طرح آپ ﷺ نے خوشوں کی بیج کی بھی ممانعت فرمائی یہاں تک کہ وہ سفید ہو جائیں اور آفت کا خطرہ باقی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے یہ بھی سوچا کہ جب اللہ نے پھلوں کو روک دیا ہو تو تمہارے لیے اپنے بھائی کا مال لینا کس طرح جائز ہوگا؟ ❁

ہر مجہول چیز ممنوع نہیں ہے، کیونکہ بعض چیزیں اس سے خالی نہیں ہوتیں، مثلاً اگر کوئی شخص مکان خریدتا ہے تو اس کی بنیاد اور دیواروں کے اندر کا حال اسے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جو چیز ممنوع ہے وہ کسی چیز کا صریح مجہول ہوتا ہے جس کے باعث نزاع یا باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی چیز معمولی درجہ میں مجہول ہو تو اس کی بیع حرام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ان چیزوں کی بیع جو زمین کے اندر ہوتی ہیں جیسے مولیٰ، گاجر، پیاز وغیرہ۔ اسی طرح لکڑی اور خربوزے کے کھیتوں کی بیع جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ امام موصوف ان تمام چیزوں کی خرید و فروخت کو جائز کہتے ہیں جو بہ تقاضائے ضرورت ہوں اور جن میں مجہول ہونے کا پہلو بہت معمولی ہو۔

❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۲۱۹۳؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۱۵۳۴؛ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۳۳۶۷۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع الثمار قبل یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۱۵۳۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۳۳۶۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۵/۲، رقم الحدیث: ۴۴۹۳۔

❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب إذا باع الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۲۱۹۸؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب وضع الحوائج، رقم الحدیث: ۱۵۵۵۔ سنن النسائی، کتاب البیوع، باب شراء الثمار قبل أن یبد وصلاحها، رقم الحدیث: ۴۵۳۰۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بیع کے سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصول دوسرے فقہاء کے اصولوں کے مقابلہ میں بہتر ہیں، کیونکہ ان کا مسلک سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے ماخوذ ہے جو بیع کے مسائل میں سب سے بڑے فقیہ مانے جاتے تھے۔“
اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے۔

قیمتوں سے کھیلنا

(ج) اسلام نے بازار کو آزاد چھوڑنا پسند کیا ہے کہ طبعی قوانین اپنا کام کرتے رہیں۔ بازار میں اشیاء کی آمد اور ان کی مانگ کی مناسبت سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں عہد رسالت میں جب قیمتیں چڑھ گئیں اور لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے اشیاء کے نرخ مقرر کر دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسْعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو
أَنْ أَلْقَى اللَّهَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ لِيُطَالِبَنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ
وَأَمَالٍ.)) ❁

”اللہ ہی قیمتوں کا مقرر کرنے والا ہے۔ گرانی اور ارزانی وہی پیدا کرتا ہے اور رزق دینے والا بھی وہی ہے۔ میں اللہ سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی خون یا مال کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی مطالبہ نہ کرے۔“

پیغمبر اسلام نے اس حدیث کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ افراد کی آزادی میں بلا ضرورت مداخلت کرنا ظلم ہے، لیکن اگر بازار میں غیر طبعی عوامل داخل ہو جائیں مثلاً ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں سے کھیلنا تو ایسی صورت میں اجتماعی مصلحت کو افراد کی آزادی کے مقابلہ

❁ مسند احمد بن حنبل، ۲۸۶/۳، رقم الحدیث: ۱۴۰۵۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب البيوع،

باب فی التسعیر، رقم الحدیث: ۳۴۵۱؛ جامع ترمذی، کتاب البيوع، باب ماجاء فی التسعیر، رقم

الحدیث: ۳۱۳۴؛ سنن ابن ماجہ، کتاب التجرارات، باب من کره أن یسعر، رقم الحدیث: ۲۲۰۰۔

میں مقدم سمجھنا چاہیے۔ اور ایسی صورت میں نرخ مقرر کرنا سماج کی ضرورت کا تقاضا ہے تاکہ نفع اندوزی کرنے والے حریصوں سے سماج کو بچایا جاسکے۔

مذکورہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نرخ مقرر کرنا ہر حال میں ممنوع ہے خواہ رفع حرج اور صریح ظلم سے روکنے کے لیے کیوں نہ کیے جائیں بلکہ محقق علما اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نرخ مقرر کرنا بعض حالات میں تو حرام اور ظلم ہے لیکن بعض حالات میں منصفانہ اور جائز کام ہے۔ لہذا اگر ناروا طریقہ پر ظلم و زیادتی کر کے لوگوں کو ایسی قیمت پر چیزیں فروخت کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے جس سے وہ راضی نہیں ہیں یا مباحات سے انہیں روکا جائے تو یہ حرام ہوگا۔ اور اگر لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کی غرض سے نرخ مقرر کیے جائیں مثلاً مروجہ قیمت (Standard Price) کے مطابق معاوضہ لے کر فروخت کرنے کے لیے انہیں مجبور کر دیا جائے یا معروف معاوضہ سے زیادہ معاوضہ وصول کرنے سے انہیں روکا جائے تو ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا۔

پہلی صورت کے بارے میں مذکورہ حدیث وارد ہوئی ہے۔ لہذا جب لوگ معروف طریقہ پر بغیر ظلم و زیادتی کے مال فروخت کرتے ہوں اور اشیاء کی قلت یا آبادی میں اضافہ کی وجہ سے قیمتیں چڑھ جائیں تو معاملہ اللہ کے حوالہ کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ مقررہ قیمت پر چیزیں فروخت کریں ناحق کی زیادتی ہوگی۔

رہی دوسری صورت یعنی لوگوں کے ضرورت مند ہونے کے باوجود تجارتی اشیاء فروخت نہ کریں اور معروف قیمت سے زیادہ کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں مروجہ نرخ کے مطابق اشیاء فروخت کرنا واجب ہے۔ اور نرخ مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مروجہ نرخ کو ان پر لازم کر دیا جائے۔ ایسے موقع پر قیمتوں کی تعیین کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عدل کو لازم کر دیا ہے اس پر کاربند ہونے کے لیے تاجروں کو مجبور کر دیا جائے۔

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے

اگرچہ کہ اسلام افراد کو بیع و شراء اور فطری مقابلہ (Natural Competition) کی آزادی دیتا ہے لیکن اس بات سے اسے شدید انکار ہے کہ لوگ خود غرضی اور لالچ میں مبتلا ہو کر اپنی دولت میں اضافہ کرتے چلے جائیں خواہ غذائی اجناس اور قوم کی دیگر اشیائے ضرورت ہی کے ذریعہ کیوں نہ دولت سمیٹی جاسکے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔

((مَنْ احْتَكَرَ الطَّعَامَ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرَّئَ اللّٰهُ مِنْهُ.)) ❁

”جس نے چالیس دن تک غلہ روکے رکھا اس سے اللہ بری الذمہ ہے۔“

اور فرمایا:

((لَا يَحْتَكِرُ اِلَّا خَاطِئٌ.)) ❁

”ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔“

آپ ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفسیات اس طرح بیان کی ہیں:

((بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ سَمِعَ بِرَخِصٍ سَاءَ هُوَ وَاِنْ سَمِعَ

بِغَلَاءٍ فَرِحَ.)) ❁

”بہت برا ہے وہ بندہ جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔ جب ارزانی ہوتی ہے تو

برا محسوس کرنے لگتا ہے اور جب گرانی ہوتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔“

نیز فرمایا:

((الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ.)) ❁

❁ [ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۳۳/۲، رقم الحدیث: ۴۸۸۰۔ مستدرک حاکم،

۱۲، ۱۱/۲؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۰۰/۴، باب الاحتکار، رقم الحدیث: ۶۴۷۶۔

❁ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، رقم الحدیث: ۱۶۰۵۔

سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی النهی عن الحکرة، رقم الحدیث: ۳۴۴۷؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب التجارات باب الحکرة والجلب، رقم الحدیث: ۲۱۵۴۔ ❁ [اسناد ضعیف] مجمع

الزوائد للہیثمی، ۱۰۱/۴، رقم الحدیث: ۶۴۸۰؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۹۵/۲۰؛ الكامل فی

ضعفاء الرجال لابن عدی، ۵۳۰/۲۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات،

باب الحکرة جلب، رقم الحدیث: ۲۱۵۳؛ مستدرک حاکم، ۱۱/۲؛ سنن الدارمی، ۲۴۹/۲۔

”بازار میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔“

اصل میں تاجر کے نفع کمانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ وہ اشیائے تجارت جمع کر رکھے تاکہ مہنگے داموں فروخت کر سکے یعنی جب چیزیں بازار سے غائب ہو جائیں تو شدید ضرورت مند لوگ منہ مانگے دام دے کر خریدنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تاجر اشیائے تجارت بازار میں لے آئے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے فروخت کر دے۔ پھر دوسرا مال لائے اور تھوڑے نفع کے ساتھ اسے بھی فروخت کر دے۔ اسی طرح اپنا کاروبار جاری رکھے۔ اس منافع میں تمدنی مصلحت بھی ہے اور برکت بھی اور ایسا تاجر رزق بھی پاتا ہے جس کی خوشخبری نبی ﷺ نے دی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں کے ساتھ کھیلنے سے متعلق ایک اہم حدیث معقل بن یسار رضی اللہ عنہ صحابی سے مروی ہے۔ جب وہ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے اموی حاکم عبید اللہ بن زیاد تشریف لائے تو حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

”جس نے مسلمانوں کے لیے گرانی پیدا کرنے کی غرض سے قیمتوں میں مداخلت کی تو اللہ پر یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اسے آگ پر بٹھائے۔“

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں علما نے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی حرمت دو باتوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک یہ کہ کسی ایسی جگہ ایسے وقت ذخیرہ کیا جائے جبکہ وہاں کے باشندوں کو اس سے تکلیف پہنچے۔ دوسرے اس سے مقصود قیمتیں چڑھانا ہو تاکہ خوب نفع کمایا جاسکے۔

بازار کی آزادی میں مصنوعی مداخلت

ذخیرہ اندوزی سے تعلق رکھنے والی ایک بات یہ ہے کہ شہر میں رہنے والا شخص دیہاتی

❦ مسند احمد بن حنبل، ۲۷/۵۔ رقم الحدیث: ۲۰۳۱۳؛ مستدرک حاکم، ۲/۱۲، ۱۳؛ المعجم

الکبیر للطبرانی، ۲/۴۷۹؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/۱۰۱، رقم الحدیث: ۶۴۷۸۔

کا مال فروخت کرے۔ نبی ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باہر کا کوئی شخص ضرورت کی اشیاء بازار بھاؤ سے فروخت کے لیے لائے لیکن اس کے پاس کوئی شہری پہنچ کر یہ کہے کہ مال میرے حوالہ کرتا کہ میں بعد میں اسے زیادہ قیمت پر فروخت کروں۔ اگر دیہاتی خود فروخت کرتا تو چیز سستے میں فروخت ہو جاتی اور وہ خود بھی نفع کماتا اور دوسرے لوگ بھی فائدے میں رہتے۔

اس زمانہ میں اس کا بہت زیادہ رواج تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نَهَيْنَا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَوْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ.)) ❁

”ہمیں اس بات سے منع کیا گیا تھا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت

کرے خواہ وہ اس کا سگ بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“

معلوم ہوا کہ مصلحت عامہ ذاتی تعلقات پر فوقیت رکھتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُوا اللَّهَ بَعْضُهُمْ مِنْ

بَعْضٍ.)) ❁

”کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے حال پر

چھوڑ دو۔ اللہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعہ رزق دے گا۔“

اس سے تجارت کے سلسلہ میں ایک اہم اصول ہاتھ آتا ہے اور وہ یہ کہ بازار، قیمتوں

اور مبادلہ کو بغیر کسی مداخلت کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ فطری مقابلہ اور طبعی عوامل

کے ذریعہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ

❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب یشتري حاضر لباد بالسمسرة، رقم الحدیث: ۲۱۶۱۔

مختصراً؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر لبادی، رقم الحدیث: ۱۵۲۳ بلفظ

مختلف؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳۴۶۶/۵۔

❁ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر لبادی، رقم الحدیث: ۱۵۲۲؛ سنن ابی

داؤد، کتاب البیوع، باب فی النهی أن یبیع حاضر لباد، رقم الحدیث: ۳۴۴۲؛ سنن ابن جامہ، کتاب

التجارات، باب النهی أن یبیع حاضر لباد، رقم الحدیث: ۲۱۷۶۔

لباد کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا:

”اس کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کوئی دلال نہ ہو۔“

دلال کو عام طور سے اپنی اجرت کی فکر ہوتی ہے اور اس قسم کے معاملات میں وہ مصلحتِ عامہ کو بھول جاتا ہے۔

دلالی جائز ہے

دلالی اگر دوسرے کاموں کے سلسلہ میں کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ دلال بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں درآمد و برآمد کے سلسلہ میں اور تھوک فروش اور خوردہ فروش تاجروں کے درمیان واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ واسطہ دلال ہوتے ہیں جو بہت اہم پارٹ (کردار) ادا کرتے ہیں۔ ان کو اپنی طے شدہ اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ نقد کی شکل میں ہو یا منافع سے مناسب کمیشن کی شکل میں یا کسی ایسی شکل میں جس پر دونوں متفق ہو جائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دلال کی اجرت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، ”یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ کپڑا فروخت کر اور اس سے اور اس سے زیادہ جو کچھ وصول ہو وہ تیرے لیے ہے۔“ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اسے فلاں قیمت پر فروخت کر اور جو منافع ہوگا وہ تجھے ملے گا یا میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگا۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

1 صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسرة، رقم الحدیث: ۲۲۷۴ (تعلیقاً)۔ سنن ابی داؤد، کتاب القضاء، باب فی الصلح، رقم الحدیث: ۳۵۹۴؛ جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب نمبر ۱۷، رقم الحدیث: ۱۳۵۲؛ سنن ابن جامہ، کتاب التجارات، باب النہی أن یبیع حاضر لباد، رقم الحدیث: ۲۱۷۷۔

الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ. (مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں۔)

نفع اندوزی اور دھوکہ دہی حرام ہے

خارجی اور مصنوعی مداخلت کے سلسلہ کی ایک چیز ”نجش“ ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور ”نجش“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تشریح کے مطابق یہ ہے کہ تمہارا ارادہ مال خریدنے کا نہ ہو لیکن تم قیمت سے زیادہ بولی بولتا کہ دوسرا شخص زیادہ قیمت دے کر مال خرید لے۔ یہ طریقہ عام طور سے دوسروں کو دھوکہ دینے کی غرض سے اختیار کیا جاتا ہے۔ ❁

معاملات بیع کو نفع اندوزی سے اور قیمتوں کو دھوکہ وغیرہ کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی غرض سے نبی ﷺ نے منڈی میں مال آنے سے پہلے اس کو باہر ہی باہر خریدنے سے منع فرمایا ہے، ورنہ منڈی میں مال کی آدھیک طور پر نہیں ہو سکے گی اور اس کے نتیجہ میں مناسب نرخ مقرر نہ ہو سکیں گے، کیونکہ نرخ کا تعین مال کی منڈی میں آد اور اس کی مانگ کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ ❁

مذکورہ صورت ایسی ہے کہ بائع کو بازار کے نرخ کا علم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے بازار میں مال آجانے پر بائع کو سابق سود افح کرنے کا اختیار دیا ہے۔ ❁

جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے

اسلام نے فریب اور دھوکہ کی تمام صورتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ بیع و شراء سے متعلق ہوں یا دوسرے انسانی معاملات سے متعلق۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان ہر

❁ صحیح البخاری، کتاب البيوع، باب النجش، رقم الحديث: ۲۱۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، رقم الحديث: ۱۵۱۶؛ سنن ابن جامة، کتاب التجارات، باب ماجاء فى النهى عن النجش، رقم الحديث: ۲۱۷۳۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب تحريم تلقى الحلب، رقم الحديث: ۱۵۱۷۔ صحیح البخاری، کتاب البيوع، باب النهى للبايع أن لا يحفل الابل، رقم الحديث: ۲۱۴۹۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب تحريم تلقى الحلب، رقم الحديث: ۱۵۱۹، واللفظ له؛ صحیح البخاری، کتاب البيوع، باب النهى عن تلقى الركبان، رقم الحديث: ۲۱۶۴، ۲۱۶۵۔

معاملہ میں سچائی اختیار کریں۔ دین کی مخلصانہ پیروی ہر دنیوی مفاد کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيْنَا بُورِكَ لَهُمَا

فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.)) ❁

”بائع اور مشتری دونوں کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہیں ہو جاتے۔ اگر دونوں سچائی سے کام لیں اور عیب بیان کریں تو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو سودے کی برکت اٹھادی جاتی ہے۔“

((وَمَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِرَجُلٍ يَبِيعُ طَعَامًا فَأَعْجَبَهُ فَأَدْخَلَ يَدَهُ

فِيهِ فَرَأَى بَلَلًا فَقَالَ: مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ

السَّمَاءُ. فَقَالَ ﷺ فَهَلَّا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ.

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.)) ❁

”رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک غلہ فروش کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ کو غلہ اچھا معلوم ہوا لیکن جب ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی۔ فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا: بارش کی وجہ سے نمی پیدا ہو گئی ہے۔ فرمایا: پھر اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

مسلمانوں کے اسلاف معاملہ کرتے وقت مال کا عیب بیان کر دیتے تھے، سچ بولتے

❁ صحیح البخاری، کتاب البيوع، باب اذا بين لبیان ولم يكتما ونصحا كتاب البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، رقم الحديث: ۱۵۳۲۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب قول ﷺ، من غشنا فليس منا، رقم الحديث: ۱۰۲؛ جامع ترمذی، کتاب البيوع، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، رقم الحديث: ۳۱۳۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب البيوع، باب في النهی عن الغش، رقم الحديث: ۳۴۵۲؛ ارواء الغلیل للألبانی، ۱۶۱/۵، رقم الحديث: ۱۳۱۹۔

اور جھوٹ سے پرہیز کرتے، خلوص کا ثبوت دیتے اور دھوکہ دہی سے اجتناب کرتے۔ چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے ایک بکری فروخت کی تو خریدار سے کہا: ”میں اس کا عیب بیان کر کے بری الذمہ ہوتا ہوں۔ یہ بکری پاؤں سے چارہ ادھر ادھر پھیلا دیتی ہے۔“

اسی طرح حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی فروخت کی تو خریدنے والے سے کہا: ”اس لونڈی نے ایک بار خون تھوکا تھا۔“

بہ کثرت قسمیں کھانا

حرمت اس صورت میں شدید ہو جاتی ہے جبکہ دھوکہ دہی کے ساتھ جھوٹی قسم بھی کھائی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کو بہ کثرت قسمیں کھانے سے اور خاص طور سے جھوٹی قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((الْحَلْفُ مَنْفِقَةٌ لِلسَّلْعَةِ مُمِحِقَةٌ لِلْبِرِّ كَذِبٌ))

”قسم کھانے سے مال تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن برکت اٹھ جاتی ہے۔“

کاروبار میں بہ کثرت قسمیں کھانا اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ ایسی صورت میں غلط بیانی کا زیادہ احتمال ہے نیز اس کے نتیجہ میں دل سے اللہ کی عظمت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا

دھوکہ دہی کی ایک قسم ناپ تول میں کمی ہے۔ قرآن نے معاملہ کے اس پہلو کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے:

((وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ، لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا

وُسْعَهَا.))

صحیح البخاری، البيوع، باب يمحق الله الربا ويربى الصدقات، رقم الحديث: ۲۰۸۷۔

صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب النهی عن الحلف فی البيع، رقم الحديث: ۱۶۰۶؛ سنن ابی داؤد،

کتاب البيوع، باب فی کراهیة الیمین فی البيع، رقم الحديث: ۳۳۳۵۔ ۶/ الانعام: ۱۵۲۔

”اور ناپ تول میں پورا انصاف کرو، ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔“

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ط ذَلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ ❁

”اور جب تم ناپ تولنا پھر کر دو اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔“

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾ ❁

”تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے یہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا دیتے ہیں۔ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ انہیں ایک بڑے دن اٹھایا جائے گا؟ جس دن کہ لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔“

عدل حقیقی کا تصور تو مشکل ہے البتہ ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ عدل کرے۔ اسی لیے قرآن میں ناپ تول میں پورے انصاف سے کام لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ❁

”ہم کسی نفس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔“

ایک ایسی قوم کا قصہ بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے جس نے معاملات کے سلسلہ میں ظالمانہ روش اختیار کی تھی اور لوگوں کو گھٹا دینے لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عدل اور اصلاح کی راہ پر لگانے کے لیے رسول بھیجا۔ یہ قوم شعیب تھی جس کو دعوت دیتے ہوئے اور انجام بد سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ. وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثُوا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ﴾ ❁

”ناپ پورا دو اور گھاٹا دینے والے نہ بنو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن
کی چیزیں کم نہ دو، اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔“

یہ واقعہ ایک مثال کی حیثیت سے ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو کس
طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور اسے اپنے تعلقات اور اپنے تمام معاملات میں کن باتوں کا
پابند ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ دو پیانوں سے ناپے اور دو ترازوں سے تولے۔
لینے کے پیمانے اور ہوں اور دینے کے اور، لیتے وقت بھر پور وزن کر کے لے اور دوسروں کو
دے تو گھاٹا دے۔

چوری کا مال خریدنا چور کے ساتھ مشارکت ہے

اسلام نے جرم کی مخالفت اور جرم کو مشکل بنانے کی غرض سے ایسی چیز کا خریدنا بھی
حرام ٹھہرایا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غصب شدہ یا چوری کا مال ہے یا اصل
مالک سے ناروا طریقہ پر حاصل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں غاصب، چور اور
زیادتی کرنے والے شخص کے ساتھ غصب، چوری اور زیادتی کے معاملہ میں تعاون ہوگا۔
رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

((مَنْ اشْتَرَى سَرَقَةً وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهَا سَرَقَةٌ فَقَدْ اشْتَرَكَ فِيْ

اِثْمِهَا وَعَارِهَا.)) ❁

”جس نے چوری کا مال خریدایا جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے وہ اس
کے گناہ اور برائی میں شریک ہوا۔“

❁ ۲۶/الشعراء: ۱۸۱، ۱۸۳۔ [اسناد ضعیف] السنن الكبرى للبيهقي،

۳۳۶، ۳۳۵/۵؛ مستدرک حاکم، ۳۵/۲۔

مسروقہ مال پر لمبی مدت گزر جانے سے گناہ زائل نہیں ہوتا کیونکہ اسلام میں وقت کی طوالت حرام کو حلال نہیں بناتی اور نہ معاملہ پرانا ہو جانے سے اصل مالک کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض انسانی قوانین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

سود کی حرمت

اسلام نے تجارت کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانا جائز قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ❁❁

”اے ایمان لانے والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔“

اور تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کی تعریف کی ہے لیکن اسلام نے سود کے ذریعہ مال کو نفع بخش بنانے کا ہر طریقہ ختم کر دیا ہے چنانچہ سود کی ہر مقدار خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر حرام ٹھہرائی ہے اور یہودیوں کی مذمت کی ہے کہ ممانعت کے باوجود وہ سود کھاتے رہے۔ سورہ بقرہ کی درج ذیل آیتیں قرآن کے آخری نازل شدہ حصہ سے تعلق رکھتی ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ. لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ ❁❁

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم مومن ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر تم توبہ کر لو تو زراصل لینے کا تمہیں حق ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“

رسول اللہ ﷺ نے سود اور سود خوار دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور واضح فرمایا کہ سود سماج کے لیے نہایت خطرناک ہے:

”جب کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہو جاتا ہے تو لوگ اللہ کے عذاب کو

دعوت دیتے ہیں۔“ ❁

آسمانی مذاہب میں اسلام پہلا دین نہیں ہے جس نے سود کو حرام ٹھہرایا ہو، بلکہ یہودی مذہب میں بھی سود حرام تھا۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم میں ہے:

”جب تیرا بھائی محتاج ہو تو اس کی مدد کر، اس سے فائدہ اور نفع طلب نہ کر۔“ ❁

اور نصرانی مذہب کے بارے میں انجیل لوقا میں ہے:

”بھلائی کے کام کرو اور قرض دو اس کی واپسی کا انتظار کیے بغیر۔ ایسی

صورت میں تمہارا اجر بڑا ہوگا۔“ ❁

افسوسناک بات یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں تحریف کر کے ”اپنے بھائی“ کا مفہوم

خاص طور سے ”یہودی“ لے لیا گیا۔ چنانچہ ”سفر تثیۃ الاشتراع“ میں ہے:

”تو پر دیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا۔“ ❁

حرمتِ سود کی مصلحت

اسلام نے سود کو شدید حرام قرار دینے میں انسان کے اخلاقی،

اجتماعی اور اقتصادی مصالح کا لحاظ کیا ہے۔ علمائے اسلام نے اس کے

معقول وجوہ بیان کیے ہیں اور جدید تحقیقات نے بھی ان مصلحتوں کو مزید

واضح کر دیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر جو روشنی ڈالی ہے اس کو

بیان کرنے پر ہم اکتفا کریں گے:

”اولاً سود اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کا مال بلا عوض حاصل کیا جائے۔“

❁ [حسن] مستدرک حاکم، ۳۷/۲؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۷۸/۱، رقم الحدیث: ۴۶۰۔

❁ مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۱۸/۴، رقم الحدیث: ۶۵۸۳۔ ❁ خروج، ۲۴:۲۲۔

❁ لوقا، ۶:۲۴، ۲۵:۲۳، استثناء، ۲۰:۲۳۔

جو شخص ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ فروخت کرتا ہے اس کو بلا عوض ایک درہم زیادہ مل جاتا ہے، حالانکہ انسان کا مال ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بڑی حرمت والی چیز ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ ”انسان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔“^❶

لہذا بغیر معاوضہ کے مال حاصل کرنا حرام ہونا ہی چاہیے۔

ثانیاً سود پر اعتماد کرنے کے نتیجہ میں لوگ محنت کے ذریعہ کمانے سے جی چرانے لگیں گے، کیونکہ صاحب مال کے لیے سودی لین دین کے ذریعہ زائد مال حاصل کرنا خواہ نقد ہو یا ادھار آسان ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ کسب و تجارت اور دشوار کاموں کے لیے کیوں محنت مشقت کرنے لگے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عوام کا مفاد متاثر ہو جائے گا۔ اصل میں دنیا کا مفاد تجارت، صنعت و حرفت اور تعمیری کاموں ہی سے وابستہ ہے۔

(اور اس میں شک نہیں کہ یہ مصلحت اقتصادی نقطہ نظر سے بالکل صحیح ہے۔) ثالثاً اس کے نتیجہ میں قرض دینے کا جو معروف طریقہ لوگوں کے درمیان رائج ہے وہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ سود کو حرام قرار دینے کی صورت میں تو طبیعت اس بات کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے کہ ایک درہم قرض دے کر ایک درہم ہی واپس لیا جائے لیکن اگر سود کو جائز قرار دیا جائے تو حاجت مند کی ضرورت اسے اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ایک درہم لے کر دو درہم واپس کر دے۔ اس کے نتیجہ میں انسانی ہمدردی اور احسان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ علت اخلاقی نقطہ نظر سے تسلیم شدہ ہے۔)

رابعاً قرض خواہ عام طور سے غنی اور قرض دار محتاج ہوتا ہے لہذا سودی لین دین جائز قرار دینے کی صورت میں غنی محتاج اور کمزور سے زائد مال حاصل کرے گا۔

❶ [اسنادہ ضعیف] [حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ۳۳۴/۷؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۷۲/۴،

رقم الحدیث: ۶۸۷۵؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۵۶/۹، رقم الحدیث: ۵۱۱۹۔

اس صورت کو رحمتِ خداوندی کس طرح جائز قرار دیتی؟

(اس میں اجتماعی پہلو مد نظر ہے)۔

غرضیکہ سود طاق تور کے مفاد کی خاطر غریب کا خون چوس لینے کا نام ہے۔ اس سے دولت مند کی دولت میں اور غریب کی غریبی میں اور اضافہ ہوتا جاتا اور ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مالدار ہو جاتا ہے۔ یہ چیز کینہ اور بغض پیدا کرتی ہے اور سماج کے درمیان باہمی کشمکش کی آگ بھڑکاتی ہے اور اس کے نتیجے میں انتہا پسندانہ انقلابات کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تاریخ نے قریبی زمانہ ہی میں ثابت کر دکھایا ہے کہ سود اور سود خور سیاست، حکومت اور مقامی اور قومی امن کے لیے کس قدر خطرناک ہیں۔

سود دینے والا اور لکھنے والا

سود کھانے والا قرض خواہ اور صاحب مال ہوتا ہے۔ وہ قرض دار کو روپیہ دیتا ہے تاکہ زر اصل پر فائدہ کا اضافہ کر کے لوٹائے۔ ایسے شخص کے عند اللہ اور عند الناس ملعون ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اسلام نے جرم کو صرف سود خور تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ سود کھلانے والے کو بھی گناہ میں شریک قرار دیا ہے۔ اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں کو بھی گناہ میں حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ حدیث میں ہے:

((لَعْنُ اللَّهِ أَكْلَ الرَّبَا وَمُوكَلَّهُ وَشَاهِدِيهِ وَكَاتِبَهُ)) ❁

”اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، گواہ بننے والے اور کاتب سب

پر لعنت فرمائی ہے۔“

البتہ اگر شدید ضرورت سودی معاملہ کرنے کی متقاضی ہو تو ایسی صورت میں سود

کھانے والا ہی گنہگار ہوگا۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱/۳۹۳، رقم الحدیث: ۳۷۲۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی اکل الربا و موکلہ، رقم الحدیث: ۳۳۳۳۔ جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی اکل الربا، رقم الحدیث: ۱۲۰۶؛ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، رقم الحدیث: ۲۲۷۷؛ سنن نسائی، کتاب الزینة، رقم الحدیث: ۵۱۰۷۔

- ۱۔ بشرطیکہ ضرورت حقیقی ہو۔ مجرد اپنی حاجت یا ترقی کے کاموں میں توسع پیش نظر نہ ہو۔ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس سے بے نیاز نہ ہو سکتا ہو والا یہ کہ اپنے کو ہلاک کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ مثلاً غذا، کپڑا اور علاج جو ناگزیر ہے۔
- ۲۔ یہ رخصت بس اس حد تک ہے کہ اپنی ضرورت کو پورا کیا جائے مثلاً اگر نو روپے سے کام چلتا ہو تو دس روپے قرض نہ لیے جائیں۔
- ۳۔ اس سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے اور مسلمان بھائیوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کی مدد کریں، لیکن اگر ضرورت مند شخص سودی قرض کے سوا دوسرا کوئی ذریعہ نہ پائے تو سودی قرض لے سکتا ہے بشرطیکہ اس کو نہ چاہنے والا ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا۔ ایسی صورت میں اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔
- ۴۔ مجبوراً اسے یہ صورت اختیار کرنا پڑے تو وہ بہ کراہت یہ کام انجام دے اور اس پر ناراضی کا اظہار کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی دوسری صورت پیدا فرمادے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے

مسلمانوں کو اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ اسلام زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ❁

”اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿وَلَا تُبْذِرْ تَبْدِيرًا . إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾ ❁

”اور فضول خرچی نہ کرو فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔“

قرآن نے مومنوں سے (اللہ کی راہ میں) انفاق کا جو مطالبہ کیا ہے وہ اللہ کے بخشے ہوئے پورے کا مالک نہیں بلکہ اس کے کچھ حصہ کو خرچ کرنے کا مطالبہ ہے۔ جو شخص اپنی کمائی

کا ایک حصہ خرچ کرے گا وہ شاید کبھی محتاج نہ ہوگا۔ اس اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا ہے کہ مسلمان کو قرض کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نبی ﷺ نے قرض کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ قرض شب و روز کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلْبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ)) ❁

”خدا یا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ اور آدمیوں کے قہر سے۔“

اور دعا کرتے ہیں:

((أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ. فَقَالَ رَجُلٌ اتَّعَدِلُ الْكُفْرَ

بِالدَّيْنِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نَعَمْ)) ❁

”میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے۔ ایک شخص نے کہا کیا کفر اور

قرض برابر ہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا: جی ہاں۔“

نماز میں اکثر آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَآْئِمِ وَالْمَغْرَمِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ

تَسْتَعِيذُ مِنَ الْمَغْرَمِ كَثِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا

غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَّبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ)) ❁

”خدا یا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ اور قرض سے۔ کسی نے پوچھا یا رسول

اللہ کیا بات ہے آپ ﷺ اکثر قرض سے پناہ مانگتے ہیں؟ فرمایا: آدمی

جب مقروض ہو جاتا ہے تو اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ جب بات کرتا ہے تو

جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔“

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، رقم الحدیث: ۱۵۵۵۔

یعنی عن مارواہ البخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من غلبۃ الرجال، رقم الحدیث: ۲۳۲۳۔

سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من غلبۃ العدو، رقم الحدیث: ۵۴۸۹۔

❁ [ضعیف] سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من الدین، رقم الحدیث: ۵۴۷۵۔

مستدرک حاکم: ۵۳۲/۱۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء، قبل السلام،

رقم الحدیث: ۸۳۲؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما يستعاذ منه فی الصلاة، رقم

الحدیث: ۵۸۹۔

مذکورہ بالا حدیث اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ قرض دار ہونا اخلاق کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے۔ آپ ﷺ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس کے ذمہ قرض ہوتا اور قرض کی ادائیگی کے بقدر ترکہ میں مال نہ چھوڑتا۔ آپ ﷺ کا یہ طریقہ لوگوں کو قرض کا خوف دلانے کے لیے تھا لیکن جب اللہ نے آپ ﷺ کو اموالِ غنیمت عطا فرمائے تو آپ ﷺ نے ایسے قرضوں کی ادائیگی کا خود اہتمام فرمایا ﴿﴾ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ.)) ﴿﴾

”شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بجز قرض کے۔“

ان ہدایات کے پیش نظر ایک مسلمان کو شدید ضرورت کے بغیر قرض نہیں لینا چاہیے اور جب لے تو ہمیشہ ادائیگی ہی کی نیت رکھنی چاہیے۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ آذَانَ أَمْوَالِ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاءَ هَا أَدَى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَهَا

يُرِيدُ اتِّلَافَهَا اتَّلَفَهُ اللَّهُ.)) ﴿﴾

”جس نے لوگوں کا مال قرض کے طور پر لیا اور اس کو ادا کرنا چاہا تو اس کا

قرض اللہ ادا فرمائے گا۔ اور جس نے تلف کرنے کے ارادہ سے لیا تو اس کو

اللہ تلف فرمائے گا۔“

پس جب مسلمان مجبوری کے بغیر جائز نوعیت کا قرض نہیں لے سکتا تو سودی قرض

﴿﴾ صحیح البخاری، کتاب الکفالة، باب الدين، رقم الحديث: ۲۲۹۸؛ صحیح مسلم،

کتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته رقم الحديث: ۱۶۱۹۔

﴿﴾ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياہ إلا الدين، رقم

الحديث: ۱۸۸۶؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۵/۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۲۰/۲، رقم

الحديث: ۷۰۵۱، ارواء الغلیل للالبانی، ۱۸/۵، رقم الحديث: ۱۱۹۶۔ ﴿﴾ صحیح

البخاری، کتاب الاستقراض، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها، رقم الحديث: ۲۳۸۷؛ سنن

ابن ماجه، کتاب الصدقات، باب من اذان دينالم ينوقضاءه، رقم الحديث: ۲۴۱۱۔ مسند احمد

بن حنبل، ۳۶۱/۲، رقم الحديث: ۷۸۳۳۔

کس طرح لے سکتا ہے؟

زیادہ قیمت پر ادھار بیع

یہاں یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی چیز نقد خریدنا جائز ہے اسی طرح باہمی رضامندی سے ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔^❶

نبی ﷺ نے ایک یہودی کے پاس ایک آہنی زرہ رہن رکھ کر اپنے گھر والوں کے لیے غلہ ادھار خریدا تھا۔

لیکن اگر بائع ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھا دے جیسا کہ بہت سے تاجر قیمت بڑھا کر قسط و ارادائیگی کی شرط پر فروخت کرتے ہیں تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت حرام ہے، اس بناء پر کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جو زائد رقم وصول کی جاتی ہے وہ ایک طرح کا سود ہے، مگر جمہور علما اس کی اجازت دیتے ہیں کیونکہ یہ اصلاً مباح ہے اور اس کی حرمت کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں سود سے کامل یگانگت پائی جاتی ہے نیز اس لیے بھی کہ مختلف وجوہ سے بائع قیمت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ قیمت کھلی نفع اندوزی اور صریح زیادتی کی حد تک نہ پہنچ جائے ورنہ ایسا کام کرنا حرام ہوگا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”شافعیہ، حنفیہ، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور کے نزدیک یہ صورت جواز کے عام دلائل کی بناء پر جائز ہے اور بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔“^❷

بیع مسلم

اس کے برعکس جواز کی صورت یہ ہے کہ طے شدہ رقم پیشگی بائع کے حوالہ کر دی

❶ صحیح البخاری، کتاب الرهن، باب من رهن درعه، رقم الحدیث: ۲۵۰۹؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۳۶/۶؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، ابواب الرهون، رقم الحدیث: ۶۴۳۶؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب الرهن، رقم الحدیث: ۱۶۰۳۔ ❷ نیل الاوطار، ج ۵، ص ۱۵۳۔

جائے تاکہ مقررہ مدت کے گزر جانے پر اس کے عوض مال حاصل کیا جاسکے۔ فقہی اصطلاح میں اسے ”بیع سلم“ کہتے ہیں۔ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا لیکن نبی ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی اور شرعی تقاضوں کے پیش نظر اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسَلِّفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ

مَعْلُومٍ)) ❁

”جو شخص پیشگی رقم دے کر معاملہ طے کرنا چاہے وہ ناپ، وزن اور مدت متعین کر لے۔“

ایسی صورت میں نزاع پیدا نہ ہو سکے گا اور دھوکہ کا احتمال بھی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ مخصوص درختوں کے پھلوں کا پیشگی سودا کیا جائے کیونکہ اس میں بھی دھوکہ کا اندیشہ ہے، ممکن ہے کسی آفت کی وجہ سے ان درختوں کو پھل ہی نہ آئیں۔ ❁

معاملہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ مخصوص درخت یا مخصوص زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے بلکہ صرف پیمانہ اور وزن کی تعیین کر کے معاملہ طے کر لیا جائے۔ لیکن اگر درخت یا زمین کے مالک سے صریح طور پر ناجائز فائدہ اٹھایا جائے یعنی ضرورت اسے سودا قبول کرنے پر مجبور کر دے تو اغلب یہ ہے کہ یہ حرام ہوگا۔

محنت اور سرمایہ کا تعاون

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق انسانوں کو اپنی بخششوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی لوگوں کے اندر اہلیت اور صلاحیت موجود ہوتی

❁ صحیح البخاری، کتاب السلم، باب السلم فی کیل معلوم، رقم الحدیث: ۲۲۳۹؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب السلم، رقم الحدیث: ۱۶۰۴۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب السلم، باب السلم الی من لیس عنده اصل، رقم الحدیث: ۲۲۴۶؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النہی عن بیع الثمار قبل ید وصلاحها، رقم الحدیث: ۱۵۳۷، ۱۵۳۸۔

ہے لیکن ان کے پاس دولت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس کچھ دوسرے لوگوں کے پاس دولت ہوتی ہے لیکن صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہے وہ اپنا مال صاحب صلاحیت کے حوالہ کیوں نہیں کرتا کہ وہ محنت کے ذریعہ اس کو نفع بخش بنائے اور صاحب مال اپنے مال کے عوض منافع میں حصہ دار ہو، اس طرح دونوں فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اسلامی شریعت نے سرمایہ اور صلاحیت یا مال اور محنت کے درمیان تعاون سے روکا نہیں ہے بلکہ عدل کی بنیاد پر اور صحیح نہج پر تعاون کی صورت پیدا کی ہے۔ چنانچہ اگر صاحب مال اپنے ساتھی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو تو اسے شرکت کی ذمہ داری اس کے جملہ نتائج کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ اسی بناء پر اسلامی شریعت نے اس قسم کے معاملہ میں جسے فقہا ”مضاربت“ یا ”قراض“ کہتے ہیں یہ شرط عائد کی ہے کہ معاملہ کے دونوں فریق نفع اور نقصان میں شریک ہوں اور اس کا تناسب وہ آپس میں طے کر لیں مثلاً نصف یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی ایک فریق کے لیے اور بقیہ حصہ دوسرے فریق کے لیے۔ اس طرح معاملہ طے ہو جانے کے بعد کاروبار میں نفع ہونے کی صورت میں معاہدہ کے مطابق وہ تقسیم کر لیں گے۔ اور خسارہ ہونے کی صورت میں خسارہ منافع میں سے وضع کر لیا جائے گا لیکن اگر منافع سے زیادہ خسارہ ہو تو یہ زائد خسارہ سرمایہ میں سے وضع کر لیا جائے گا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ صاحب مال کو اپنے سرمایہ میں سے خسارہ برداشت کرنا چاہیے کیونکہ اس کے شریک کار کو بھی اپنی محنت اور کوشش کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اس معاملہ میں اسلام کا قانون یہ ہے۔ رہی یہ صورت کہ صاحب مال کے لیے نفع کی تحدید کی جائے اور اس کی ضمانت دی جائے کہ خواہ نفع ہو یا نقصان اسے مقررہ منافع ملتا ہی رہے گا تو یہ بات صریحاً عدل کے خلاف ہے اور صلاحیت و محنت کے مقابلہ میں سرمایہ کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے۔ نیز یہ ان قوانین حیات کے بھی خلاف ہے جو انسان کے لیے نفع کا بھی سامان کرتے ہیں اور نقصان کا بھی اور اس سے اس رجحان

کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ کمائی یقینی طور پر حاصل ہو۔ اس کے لیے نہ محنت کرنے کی ضرورت ہو اور نہ خطرہ مول لینا پڑے۔ یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے خبیث سود ہی ہے۔

نبی ﷺ نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے یعنی اس طرح معاملہ کرنا کہ ایک فریق کو زمین کے مخصوص حصہ کا غلہ ملے یا اس کے لیے غلہ کی مقدار متعین کر لی جائے کیونکہ یہ معاملہ سود اور جوئے سے مشابہت رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقدار سے زیادہ پیداوار نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ سرے سے پیداوار ہی نہ ہو۔ ایسی صورت میں ایک فریق پوری طرح فائدے میں رہے گا اور دوسرا فریق پوری طرح گھائے میں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت غیر منصفانہ ہے۔ ❁

مزارعت کی یہ فاسد شرط میں سمجھتا ہوں فقہاء کے اس اجماع کی بنیاد پر ہے کہ مضاربت کے معاملہ میں نفع و نقصان کا لحاظ کیے بغیر ایک فریق کے لیے قطعی منافع کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔ جس علت کی بناء پر مضاربت کا معاملہ فاسد قرار پاتا ہے اسی طرح مزارعت (بٹائی) کا معاملہ بھی فاسد قرار پاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کہتے ہیں: ”اگر ایک فریق مقررہ درہم کے نفع کی شرط عائد کرتا ہے اور کاروبار میں نتیجہ اتنا ہی نفع حاصل ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا نفع ایک ہی فریق لے جائے گا بلکہ امکان اس بات کا ہے کہ سرے سے نفع ہی نہ ہو۔ اگر زیادہ نفع حاصل ہوا تو جس نے مقررہ درہم کے نفع حاصل کرنے کی شرط پر معاملہ کیا ہے وہ گھائے ہی میں رہے گا۔“ ❁

مذکورہ علت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے تمام معاملات، محکم، واضح اور عدل پر مبنی ہیں۔

سرمایہ لگانے والوں کا اشتراک

جس طرح انفرادی طور پر اپنی مرضی سے اپنے مال کو کسی مباح کام میں لگانا اور اس

❁ صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب في المزارعة، رقم الحديث: ۱۵۴۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۳/۴، رقم الحديث: ۱۲۳۸۸؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۷۶/۲، رقم الحديث: ۱۳۴۲۔ السنن الكبرى للبيهقي، ۱۲۸/۶۔ ❁ مغنی، ج ۵، ص ۳۴۔

سے فائدہ اٹھانا نیز اپنا مال کسی تجربہ کار اور باصلاحیت شخص کے حوالہ کر کے اس کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرنا جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ سرمایہ لگانے والے اصحاب کسی صنعتی، تجارتی فرم یا کسی اور کاروبار میں باہم اشتراک کر لیں۔ بہت سے کاروبار اور اسکیمیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے لیے بہت سے ہاتھوں، دانشوروں اور کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضرورت باہمی تعاون اور اشتراک ہی کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ ❁

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو۔“

اور ہر وہ عمل جو افراد یا معاشرہ کی بھلائی کا باعث یا شر کو دفع کرنے والا ہو وہ نیکی اور تقویٰ کا کام ہے بشرطیکہ اس کو نیک نیتی کے ساتھ انجام دیا جائے۔

اسلام اشتراک کو نہ صرف جائز بلکہ باعث برکت قرار دیتا ہے اور دنیا میں معونت الہی اور آخرت میں اجر کا وعدہ کرتا ہے بشرطیکہ جواز کے دائرہ میں رہ کر اور سود، دھوکہ بازی، ظلم، لالچ اور خیانت سے پوری طرح اجتناب کرتے ہوئے شرکت میں کاروبار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کاروباری شرکاء کے بارے میں فرمایا ہے:

((يَدُ اللَّهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَالٌ يَخُنُ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ

أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ رَفَعَهَا عَنْهُمَا)) ❁

”اللہ کا ہاتھ اشتراک کرنے والوں پر ہے بشرطیکہ وہ ایک دوسرے کی خیانت نہ کریں لیکن اگر کوئی شریک اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔“

اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی توفیق، اعانت اور برکت ہے۔

نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے:

❁ ۵/ المآئدة: ۲۔ [اسناد ضعیف] سنن دارقطنی، ۳/ ۳۵؛ اتحاف السادة المتقين

مرتضى الزبيدي: ۵/ ۴۸۷؛ الترغيب والترهيب للمندري، ۵۹۳۔

((أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَ

أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنَهُمَا وَجَاءَ الشَّيْطَانُ.))

”دو اشتراک کرنے والوں کے ساتھ تیسرا میں ہوں جب تک کہ ایک شریک دوسرے کی خیانت نہیں کرتا لیکن جب خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں اور شیطان وہاں پہنچ جاتا ہے۔“

بیمہ کمپنیاں

کاروبار کی ایک جدید صورت بیمہ کمپنیاں ہیں۔ بیمہ کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً لائف انشورنس (بیمہ زندگی)، حادثات کا بیمہ وغیرہ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور کیا اسلام اس کو برقرار رکھنا چاہتا ہے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم ان کمپنیوں کی نوعیت معلوم کر لیں اور یہ جان لیں کہ بیمہ کرانے والے کا بیمہ کمپنی سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر کیا بیمہ کرانے والے کی حیثیت بیمہ کے ادارہ کے نزدیک ایک شریک کی ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہر بیمہ کرانے والے شخص کو جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے۔ نفع و نقصان میں شریک ہو جانا چاہیے۔ حوادث کے بیمہ میں بیمہ کرانے والا ایک مقررہ رقم سالانہ ادا کرتا ہے۔ جس کا رو بار کا بیمہ کرایا گیا ہو وہ اگر کسی حادثہ کی زد میں نہ آئے تو اس پوری رقم پر کمپنی قابض ہو جاتی ہے اور اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کرتی۔ البتہ حادثہ کی زد میں آنے کی صورت میں طے شدہ رقم معاوضہ کے طور پر ادا کرتی ہے۔ یہ صورت کاروبار اور اشتراک کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

بیمہ زندگی کی صورت یہ ہے کہ اگر دو ہزار گنی کا بیمہ کرایا جائے اور پہلی قسط ادا کرنے پر موت واقع ہو جائے تو بیمہ کرانے والا پورے دو ہزار گنی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی حیثیت کاروباری شریک کی ہوتی تو صرف اپنی قسط کی رقم اور اس کی نسبت سے منافع

❁ [اسناد ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الشركة، رقم الحدیث: ۳۳۸۳؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲/۷۷، ۷۸؛ مستدرک حاکم، ۲/۵۲، ارواء الغلیل للألبانی، ۵/۲۸۸، رقم الحدیث: ۱۴۶۸۔

کا مستحق ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا کمپنی کے قواعد کی پابندی نہ کرے اور اقساط کی ادائیگی سے قاصر رہے تو ادا شدہ رقم سے یا اس کے ایک حصہ سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط بالکل فاسد ہے۔

رہی یہ بات کہ دونوں فریق اپنی رضامندی سے یہ معاملہ کرتے ہیں اور وہ خود اپنے مفاد کو اچھی طرح جانتے ہیں تو اس میں کوئی وزن نہیں ہے کیونکہ اسی طرح سود کھانے اور کھلانے والے فریق بھی تو باہم رضامندی سے معاملہ طے کرتے ہیں اور دو جو اکھیلتے والے بھی تو آپس کی رضامندی سے جو اکھیلتے ہیں۔ ایسی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اپنا معاملہ واضح طور سے عدل کی بنیاد پر قائم نہیں کرتے کہ جس میں دھوکہ اور ظلم و زیادتی کا شائبہ تک نہ ہو اور نہ ایک فریق کو نفع کی ضمانت حاصل ہو اور دوسرے فریق کا نفع غیر یقینی ہو۔ بنیادی چیز عدل ہے جس کو تمام معاملات میں اس طرح ملحوظ رکھنا چاہیے کہ نہ اپنے کو نقصان پہنچے اور نہ دوسروں کو۔

کیا بیمہ کمپنیاں امدادِ باہمی کے ادارے ہیں؟

بیمہ کرانے والے اور بیمہ کمپنی کے درمیان جب تعلق کی نوعیت شرکت کی نہیں ہے تو پھر اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا ان کے درمیان باہمی تعاون کا تعلق ہے؟ اور کیا یہ ادارے امدادِ باہمی کے ادارے ہیں جنہیں عطیہ دہندگان کے اشتراک سے چلایا جاتا ہو اور مالی اشتراک ایک دوسرے کی مدد کی غرض سے وہ کرتے ہوں؟

لیکن اس مقصد کے پیش نظر کہ تعاون کی صحیح صورت اختیار کی جائے اور مصیبت زدگان کی مدد کی جائے، جو مال جمع کیا جائے اس کے سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ فرد مقررہ چندہ بھائی چارگی کی خاطر عطیہ کے طور پر ادا کرے اور اس فنڈ میں سے

حسب ضرورت حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔

۲۔ فنڈ سے استفادہ کے صرف جائز ذرائع اختیار کیے جائیں۔

۳۔ کسی شخص کا اسی بناء پر عطیہ دینا جائز نہیں کہ حادثہ کی صورت میں اسے ایک معین رقم معاوضہ میں ملے گی بلکہ ادارہ کے فنڈ میں سے حسبِ گنجائش اسے اتنا دیا جائے کہ نقصان کی مکمل یا کسی حد تک تلافی ہو سکے۔

۴۔ عطیہ بخشش ہے اور اس کو واپس لینا حرام ہے۔ لہذا جب کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس معاملہ میں شرعی احکام کو ملحوظ رکھا جائے۔ ❁

ان شرائط کا انطباق صرف چند انجمنوں اور اداروں پر ہوتا ہے جو اس غرض سے قائم ہوئے ہیں جن کو افراد عطیہ کے طور پر اپنا ماہانہ اشتراک پیش کرتے ہیں جس کو واپس لینے کا انہیں اختیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شرط ہوتی ہے کہ حادثہ کی صورت میں انہیں معین رقم مل جانی چاہیے۔

رہ گئیں بیمہ کمپنیاں اور خاص طور سے بیمہ زندگی (Life Insurance) تو ان پر ان شرائط کا کسی طرح انطباق نہیں ہوتا۔

۱۔ بیمہ کرانے والے (Policy Holder) عطیہ کی نیت سے (اقساط) ادا نہیں کرتے بلکہ اس کا خیال بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔

۲۔ بیمہ کمپنیاں اپنا سرمایہ حرام سودی کاموں میں لگا کر نفع کماتی ہیں اور ایک مسلمان کے لیے سودی کام میں اشتراک جائز نہیں ہے۔ اس بات پر رخصت پسند اور تشدد پسند سب ہی متفق ہیں۔

۳۔ بیمہ کرانے والا معاہدہ کی مدت ختم ہو جانے پر تمام اقساط کی رقم واپس لے لیتا ہے اور اسے مزید رقم بھی ملتی ہے جو سود نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح یہ بات بھی تعاون کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ کسی مالدار شخص کو جو قدرت رکھتا ہو عاجز محتاج کے مقابلہ میں زیادہ رقم دی جائے۔ یہ بات ضرور ہے کہ صاحبِ حیثیت آدمی بڑی رقم کا بیمہ کراتا ہے اس لیے وفات یا حادثہ کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہے لیکن تعاون کی اسپرٹ اس بات کی متقاضی ہے کہ محتاج کو دوسروں

کے مقابلہ میں زیادہ دیا جائے۔

۴۔ جو شخص بیمہ کا معاہدہ ختم کرنا چاہے اسے ادا شدہ رقم کے بڑے حصہ کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس نقصان کے لیے شرعاً کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

اصلاحات

ان تمام باتوں کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ حادثات کے بیمہ میں اصلاح کر کے اسے اسلامی معاملات سے قریب لایا جاسکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عطیہ معاوضہ کی شرط پر دینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بیمہ کرانے والا کمپنی کو مالی عطیہ اس شرط پر دے کہ حادثہ کی صورت میں کمپنی اس کو معاوضہ دے جس سے اس کی اعانت ہو اور اس کی مصیبت میں تخفیف ہو۔ معاملہ کی یہ صورت بعض مسلکوں میں جائز ہے۔

اگر بیمہ کے معاملہ میں یہ اصلاح کر لی جائے اور بیمہ کمپنی کے معاملات سود سے پاک ہوں تو میرا رجحان جواز کی طرف ہے۔ رہا بیمہ زندگی تو میری رائے میں اس کی صورت شرعی معاملات سے بہت زیادہ بعد رکھتی ہے۔

اسلام کا انشورنس سسٹم

ہم نے دیکھ لیا کہ اسلام موجودہ صورت میں بیمہ کمپنیوں کا مخالف ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام نفسِ بیمہ ہی کا مخالف ہے۔ نہیں بلکہ اسلام طریقہ اور ذریعہ کا مخالف ہے۔ اگر بیمہ کے لیے دوسرے طریقے اختیار کیے جائیں جو اسلامی معاملات کے منافی نہ ہوں تو اسلام اس کا خیر مقدم کرے گا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام نے اسلام کے فرزندوں اور اس کی حکومت کے زیر سایہ رہنے والوں کو اجتماعی تکافل کے ذریعہ یا حکومت اور بیت المال کے ذریعہ بیمہ کی ضمانت دے دی ہے۔ اسلام کا بیت المال عوامی بیمہ کمپنی کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اس کے اقتدار کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہو۔

اسلامی شریعت حادثات اور مصائب میں افراد کی معاونت کرنے کی ذمہ داری قبول

کرتی ہے۔ جب کوئی شخص مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ صاحبِ امر کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کر سکتا ہے تاکہ وہ اس کی تلافی کا سامان کر سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد وارثوں کے لیے بھی ضمانت دی گئی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَنَا أَوْلَىٰ بِكُلِّ مُسْلِمٍ مِّنْ نَّفْسِهِ مَن تَرَكَ مَا لَا فَلَورَثَتِهِ وَ مَن تَرَكَ دِينًا أَوْ ضِيَاعًا فَالِيٍّ وَعَلَى)) ❁

”میں ہر مسلمان سے اس کے نفس سے زیادہ قریبی تعلق رکھتا ہوں جو مسلمان مال چھوڑ دے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جو قرض یا چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے تو قرض کی ادائیگی اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“

مزید برآں اسلام نے اپنے فرزندوں کے بیمہ کے لیے جو سب سے بڑی چیز مشروع کی وہ زکوٰۃ کے مصارف میں غارمین (مقروض) کا حصہ ہے۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ غارم وہ شخص ہے جس کا گھر جل گیا ہو یا جس کے مال یا کاروبار کو سیلاب بہا لے گیا ہو وغیرہ۔ اور بعض فقہا اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایسے شخص کو اتنا مال دیا جائے کہ اس کی سابقہ مالی پوزیشن بحال ہو جائے خواہ اسے ہزاروں کی رقم دینا پڑے۔

زراعتی زمین سے فائدہ اٹھانا

مسلمان جب زرعی زمین کا شرعی طریقہ پر مالک ہو تو اسے زمین کی کاشت کرنے یا درخت لگا کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ بغیر زراعت کے زمین کو بیکار چھوڑ دینا اسلام کے نزدیک ایک ناپسندیدہ بات ہے کیونکہ ایسی صورت میں نعمت

❁ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم، رقم الحدیث:

۴۷۸۱؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض باب من ترک ما لا فلورثتہ، رقم الحدیث: ۱۶۱۹ بلفظ

مختلف؛ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج باب فی ارزاق الزریۃ رقم الحدیث: ۲۹۵۴؛ سنن ابن

ماجد، کتاب الاحکام، ارضیاعاً، رقم الحدیث: ۲۴۱۶؛ ارواء الغلیل للألبانی، ۲۴۹/۵۔

خداوندی کی ناقدری ہوتی ہے۔ نیز یہ مال کا ضیاع بھی ہے جبکہ نبی ﷺ نے اضاعتِ مال سے منع فرمایا ہے۔ زمین کا مالک اس سے فائدہ اٹھانے کے مختلف طریقے اختیار کر سکتا ہے۔ ❁

زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے طریقے

۱۔ خود زراعت کرے یا درخت لگائے اور اس کی آب پاشی اور نگہداشت کا اہتمام کرے یہاں تک کہ وہ برگ و بار لائے۔ یہ ایک پسندیدہ کام ہے اور جو انسان، پرندے اور حیوانات اُس کھیتی سے فائدہ اٹھائیں گے اس کا ثواب اسے ملے گا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم خود زراعت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

دوسرا طریقہ

۲۔ خود زراعت نہ کر سکتا ہو تو اپنی زمین ایسے شخص کو عاریۃً دے دے جو اپنے آلات، مزدوروں، بیج اور جانوروں کے ذریعہ کاشت کر سکتا ہو اور اس سے وہ کچھ نہ لے۔ اس طرح عاریۃً زمین دینا اسلام میں مطلوب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ.)) ❁

”جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو (بلا اجرت

کاشت کے لیے) دے دے۔“

بعض سلف کا مسلک مذکورہ حدیث کے پیش نظر یہ ہے کہ زمین سے استفادہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ زمین کا مالک خود زراعت کرے اور دوسری یہ کہ بلا

❁ صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ما یکرہ من قیل و قال، رقم الحدیث: ۶۴۷۳۔

صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب النهی عن کثرة المسائل، رقم الحدیث: ۵۹۳/۱۴۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم، رقم

الحدیث: ۲۳۴۱؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض رقم الحدیث: ۱۵۴۴؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الاحکام، باب المزارعة بالثلث والرابع، رقم الحدیث: ۲۴۵۲۔

معاوضہ کسی شخص کو زراعت کے لیے دے دے۔ اس صورت میں زمین تو اپنے مالک ہی کی رہے گی لیکن اس کی پیداوار کاشت کرنے والے کو ملے گی۔

ابن حزم نے اوزاعی کی طرف منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ عطاء، مکحول، مجاہد اور حسن بصری کہتے تھے کہ زمین کو درہم و دینار کے عوض دے دینا درست نہیں ہے اور نہ کسی اور قسم کا معاملہ کرنا درست ہے بجز اس کے کہ زمین کا مالک خود کاشت کرے یا دوسرے شخص کو کاشت کے لیے بلا معاوضہ دے دے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان احادیث میں زمین کو بلا معاوضہ کاشت کے لیے دینے کی جو ہدایت کی گئی ہے وہ وجوب کا حکم نہیں رکھتی بلکہ مندوب اور مستحب ہے چنانچہ بخاری نے عمر بن دینار سے روایت بیان کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے طاؤس سے پوچھا اگر میں مخابره (بٹائی) ترک کر دوں تو کیسا رہے گا؟ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے کہا: سب سے بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بتلایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت نہیں کی بلکہ اس طرح فرمایا ہے:

((لَا نَ يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرَاجًا

مَعْلُومًا.)) ❁

”تمہارا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ تم اس

سے محصول وصول کرو۔“

مزارعت (بٹائی)

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب نمبر ۱۰، رقم الحدیث: ۲۳۳۰؛ صحیح

مسلم، کتاب البیوع، باب الأرض تمنع، رقم الحدیث: ۱۵۵۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع،

باب فی المزارعة، رقم الحدیث: ۳۳۸۹؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الرخصة فی

المزارعة بالثلث والرابع، رقم الحدیث: ۲۴۶۲، ۲۴۶۴۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کسی ایسے شخص کو دے دے جو اپنے آلات، بیج اور جانوروں کے ذریعہ اس کی کاشت اس شرط پر کرے کہ زمین کی پیداوار کا مقررہ حصہ جس پر وہ باہم متفق ہوں مثلاً نصف یا ایک تہائی اس کو ملے گا۔ زمیندار کا کاشتکار کو بیج، آلات اور جانور فراہم کرنا بھی جائز ہے۔ اس طریقہ کو مزارعت، مساقات اور مخابره کہتے ہیں۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ

کیا تھا۔ ❁

جو فقہاء اس قسم کی مزارعت کو جائز کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح اور مشہور بات ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک عمل درآمد فرمایا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے بعد والے بھی اس طریقہ پر عمل کرتے رہے۔ اور مدینہ کا تو کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس کے لوگوں نے اس طریقہ پر عمل نہ کیا ہو۔ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتی رہیں۔ ایسے ثابت شدہ معاملہ کو منسوخ قرار دینے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ ❁

فاسد مزارعت

مزارعت (بٹائی) کی ایک قسم وہ ہے جو عہد رسالت میں رائج تھی اور جس سے آپ ﷺ نے صحابہ کو منع فرمایا کیونکہ اس میں ایک طرح کی مجہولیت پائی جاتی تھی اور دھوکہ دہی کا پہلو بھی تھا جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہو سکتی تھی نیز یہ طریقہ صریحاً عدل کی روح کے خلاف تھا۔ چنانچہ زمیندار کاشتکاروں سے اس شرط پر معاملہ کرتے تھے کہ وہ زمین کے

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب المزارعة بالشرط ونحوہ، رقم الحدیث: ۲۳۲۸؛

صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب المساقاة، رقم الحدیث: ۱۵۵۱؛ السنن الكبرى للبيهقي،

۱۱۶/۶۔ ❁ المغنی، ج ۵، ص ۳۸۴۔

معینہ ایک چوتھائی حصہ کی پیداوار کے حق دار ہوں گے یا غلہ کی مقررہ مقدار ان کو ملے گی اور باقی حصہ یا تو کاشتکار کو پورا ملے گا یا دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا مثلاً نصف نصف۔

نبی ﷺ کی رائے میں عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جملہ پیداوار میں خواہ وہ کم ہو یا زیادہ دونوں فریق شریک ہوں اور یہ صورت صحیح نہیں تھی کہ ایک فریق کا حصہ متعین ہو اور وہ تنہا فائدہ میں رہے اور دوسرا نقصان اٹھائے کیونکہ ہو سکتا ہے زمین کے دوسرے حصہ میں پیداوار ہی نہ ہو ایسی صورت میں ضروری تھا کہ دونوں کو پیداوار میں طے شدہ تناسب کے مطابق حصہ ملے۔

بخاری نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جن کے پاس زمین تھی وہ اکثر مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ وہ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے کہ اس کے ایک گوشہ کی پیداوار زمین کے مالک کے لیے مخصوص ہوتی لیکن کبھی زمین کے مخصوص حصہ میں پیداوار نہ ہوتی بلکہ بقیہ زمین میں ہوتی اور کبھی مخصوص حصہ میں ہوتی اور بقیہ زمین میں نہ ہوتی۔ اس لیے ہمیں اس طرح معاملہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ❁

بخاری کی ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
 ”تم اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا، ہم بٹائی پر دیتے ہیں۔ یعنی ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر یا کھجور اور جو کی مقررہ مقدار پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔“ ❁

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ معاشرہ میں مکمل عدل قائم کرنے کے بے حد خواہش مند تھے اور اسے ان تمام باتوں سے دور رکھنا چاہتے تھے جو نزاع کا باعث بن سکتی ہوں۔ زمین کے مالک اور کسان دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب المزارعة باب نمبر ۷، رقم الحدیث: ۲۳۲۸؛ ارواء الغلیل للالبانی: ۳۰۲/۵، رقم الحدیث: ۱۴۷۹۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب ماکان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم، رقم الحدیث: ۲۳۳۹؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض بالطعام، رقم الحدیث: ۱۵۴۸۔

فیاضی کا معاملہ کریں اور نرمی برتیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ:

”نبی ﷺ نے مزارعت (بٹائی) کو حرام نہیں کیا ہے بلکہ ایک دوسرے کے

ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔“

اسی لیے جب طاؤس سے کہا گیا کہ ”اے عبدالرحمن! اگر اس مخا برہ (بٹائی) کو ترک کر دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا

ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا میں ان کی مدد کرتا ہوں اور انہیں دیتا ہوں۔“

ان کو صرف کمانے کی فکر نہیں تھی کہ خواہ محنت مزدوری کرنے والے بھوکے مرجائیں انہیں اس کی پروا نہ ہو بلکہ وہ ان کی مدد کرتے تھے اور انہیں عطا کرتے تھے۔ یہ تھا حقیقی مسلم معاشرہ۔

بعض اوقات زمیندار زمین کو بغیر زراعت کے بے کار چھوڑ دینا پسند کرتے لیکن کسی کاشت کرنے والے کو تھوڑے معاوضہ پر دینے کے لیے آمادہ نہ ہوتے۔ اسی لیے عمر بن عبدالعزیز نے امرا کو ہدایت کی تھی کہ زمین کو پیداوار کے چوتھائی یا تہائی یا پانچویں یا دسویں حصہ کی شرط پر دے دیں اور اس کو غیر آباد نہ چھوڑیں۔

زمین کو نقد کرایہ پر دینا

۴۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ زمین کاشت کرنے والے کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ مالک زمین کو نقد کی صورت میں طے شدہ کرایہ ادا کرے گا۔

اس طریقہ کو بہت سے مشہور فقہاء جائز کہتے ہیں لیکن دیگر فقہاء منع کرتے ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ روایت نبی ﷺ سے شیخین نے بیان کی ہے، اور رافع بن خدیج، جابر، ابوسعید، ابو ہریرہ، ابن عمر رضی اللہ عنہم سب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے زمین کو

1 جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب: ۴۲، من المزارعة، رقم الحدیث: ۱۳۸۵۔

2 سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب الرخصة فی المزارعة بالثلث والرابع، رقم الحدیث:

۲۴۶۲؛ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب نمبر ۱۰، رقم الحدیث: ۲۳۳۰۔

کرایہ پر دینے سے بالکل منع فرمایا ہے۔

کرایہ سے مستثنیٰ صورت مزارعت (بٹائی) کی ہے چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی مزارعت کا معاملہ ہوتا رہا۔

جس شخص کی نظر اس مسئلہ کے تشریحی پہلو پر ہو وہ ابن حزم کے اس بیان سے اتفاق کرے گا کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ اپنے کھیت کرایہ پر دیا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لہذا جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ منسوخ شدہ چیز یعنی کرایہ پر دینا مباح ہے وہ سراسر غلط بات کہتا ہے اور اسے ہرگز صحیح ثابت نہیں کر سکتا بجز اس بات کے کہ پیداوار کا طے شدہ حصہ دینا روا ہے کیونکہ نبی ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کرایہ پر دینے کی ممانعت کے بعد خیبر میں بٹائی کا معاملہ کیا اور اپنی وفات تک اس پر عمل درآمد فرمایا۔ ❁

سلف کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے چنانچہ طاؤس جو یمن کے فقیہ اور جلیل القدر تابعی تھے سونے چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا مکروہ خیال کرتے تھے لیکن بٹائی یعنی ایک تہائی یا ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر زمین دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ نبی ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے کہا: ”ہمارے پاس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تھے جنہیں نبی ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔ انہوں نے زمین کو ایک تہائی اور ایک چوتھائی پیداوار کی شرط پر (بٹائی پر) دیا تھا۔ اس وقت سے ہم یہ معاملہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔“ گویا حضرت طاؤس کے نزدیک ممانعت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ کرایہ سونے چاندی (نقدی) کی شکل میں لیا جائے۔ رہی بٹائی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب ما کان من اصحاب النبی ﷺ یواسی بعضهم، رقم

الحدیث: ۲۳۳۹، ۲۳۴۵؛ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب کراء الارض، الحدیث: ۱۵۳۶،

محمد بن سیرین، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بات منقول ہے۔ البتہ تابعین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ زمین کو کرایہ پر دینے کی ہر صورت ممنوع ہے خواہ نقد کی صورت میں ہو یا بٹائی کی صورت میں، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا موقف کمزور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بٹائی کا معاملہ کیا تھا جس سے بٹائی کا جواز ثابت ہے اور زمانہ سابق میں مسلمانوں کے لیے اسی کے مطابق عملاً قانون سازی کی جاتی رہی ہے البتہ زمین کو نقدی کی صورت میں کرایہ پر دینے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے اور یہ بات معقول بھی ہے۔

قیاس متقاضی ہے کہ زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی

اجازت نہیں ہونی چاہیے

اسلام کے اصول اور صحیح و صریح نصوص کے پیش نظر قیاس اس بات کا متقاضی ہے کہ خالی زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

(۱) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوار کے متعینہ حصہ مثلاً ایک قنطار یا دو قنطار کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے **❶** اور جائز صرف بٹائی کی صورت کو قرار دیا ہے یعنی پیداوار کا متناسب حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف یا ہماری تعبیر کے مطابق فی صد تناسب (percentage) مقرر کر کے معاملہ کیا جائے تاکہ پیداوار کے حصول کی صورت میں دونوں شرکاء فائدے میں رہیں، اور کسی آفت کی وجہ سے نقصان کی صورت میں دونوں شرکاء نقصان میں بھی شریک رہیں۔ اس کے برخلاف ایک فریق کے حصہ کی تعیین کرنا تاکہ وہ قطعی طور پر فائدہ میں رہے اور دوسرے فریق کو اس غیر یقینی صورت کے حوالہ کرنا کہ اس کے حصہ میں شاید پسینہ بہانے کے سوا کچھ نہ آئے سود اور جوئے کے معاملہ سے کس قدر مشابہ ہے!

❶ [صحیح] سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب الرخصة فی المزارعة بالثلث والرابع، رقم

اس کے پیش نظر جب ہم زمین کو نقدی کے عوض کرایہ پر دینے کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو اس میں اور مزارعت کی مذکورہ ممنوع شکل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے مالک کو کرایہ کی صورت میں اپنا نقد حصہ یقینی طور سے ملتا ہے لیکن مستاجر (کرایہ پر لینے والا) اپنی محنت و مشقت کو داؤں پر لگاتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ کمائے گا یا گھائے میں رہے گا اور پیداوار ہوگی بھی یا نہیں؟

(ب) مزید برآں جو شخص کرایہ پر کوئی چیز دیتا ہے وہ بالآخر اس کا مالک ہوتا ہے۔ اور کرایہ کا استحقاق اسے اس بنا پر حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے فائدہ اٹھانے کے قابل بنا کر مستاجر کے حوالہ کرتا ہے اور اس کو استعمال میں لانے سے جو گھس (Depreciation) ہوتی رہتی ہے اس کے معاوضہ کا اسے حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن زمین کو کرایہ پر دینے کے لیے کسی قسم کی تیاری نہیں کرنا پڑتی۔ زمین میں اگانے کی صلاحیت تو زمیندار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور زراعت کے کام میں لانے سے زمین کی گھس نہیں ہوتی، نہ اسے آلات کی طرح زنگ لگتا ہے اور نہ وہ عمارتوں کی طرح بوسیدہ ہوتی ہے۔

(ج) یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان مکان کرایہ پر لیتا ہے تو رہائش کے ذریعہ اس سے براہ راست فائدہ اٹھاتا ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب کوئی مشین کرایہ پر لیتا ہے تو اس سے بھی اسی طرح فائدہ اٹھاتا ہے لیکن زمین سے براہ راست استفادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا فائدہ اٹھانا یقینی ہوتا ہے۔ زمین کا معاملہ مکان کی طرح نہیں ہے کہ وہ یقینی طور سے فائدہ اٹھا سکے بلکہ جب وہ زمین کرایہ پر لیتا ہے تو فائدہ کی امید پر لیتا ہے اور کوشش اور محنت کر کے کبھی فائدہ اٹھاتا ہے اور کبھی نہیں اٹھاتا۔ لہذا زمین کے کرایہ کو مکان وغیرہ کے کرایہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

(د) صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو ان کے پختہ ہونے سے پہلے کھیتوں اور باغوں میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ ”جب اللہ نے پھلوں سے محروم کر دیا تو تم اپنے بھائی کا مال کس طرح اپنے لیے جائز کر

کے لے سکتے ہو؟“ ❁

یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ پھلوں کے پختہ ہونے کا آغاز ہو گیا ہو لیکن ابھی ان کے صحیح سالم ہونے کی طرف سے اطمینان نہ کیا جاسکتا ہو۔ ممکن ہے وہ کسی آفت کی زد میں آجائیں اور پک نہ سکیں۔ لہذا خالی زمین جس کو کلہاڑا تک نہ لگایا گیا ہو اور نہ اس میں بیج ڈالے گئے ہوں کرایہ پر دینا کیونکر ممنوع نہ ہوگا؟ اصل میں صحیح اور عادلانہ شکل مزارعت ہی ہے جس میں معاملہ کے دونوں فریق نفع میں بھی شریک ہوتے ہیں اور نقصان میں بھی۔ ❁

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ مزارعت ہی شریعت کے اصول اور طریقہ عدل سے مطابقت رکھنے والی چیز ہے اور کرایہ کے مقابلہ میں مزارعت (بٹائی) کا معاملہ مبنی بر عدل اور اصول شریعت کے مطابق ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں فریق نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں بخلاف کرایہ کے کہ اس شکل میں زمین کے مالک کو تو کرایہ مل جاتا ہے لیکن مستاجر کے حصہ میں کبھی پیدا اور آجاتی ہے اور کبھی اسے محروم رہنا پڑتا ہے۔ ❁

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اُس مزارعت پر جو مبنی بر عدل ہے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں عمل کرتے رہے ہیں۔ مہاجرین میں سے آل ابوبکر رضی اللہ عنہ، آل عمر رضی اللہ عنہ، آل عثمان رضی اللہ عنہ، آل علی رضی اللہ عنہ وغیرہ اس پر عمل کرتے رہے اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے قائل ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ اور یہی مسلک فقہائے حدیث احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، داؤد بن علی،

❁ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب اذا باع الثمار قبل ان یبدو صلاحها، رقم الحدیث: ۲۱۹۸، ۲۱۹۹؛ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب وضع الحوائج، رقم الحدیث: ۱۵۵۵، ۱۵۳۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل ان یدو صلاحها، رقم الحدیث: ۳۳۶۷۔ ❁ اس موضوع پر ملاحظہ ہو ابن حزم کی ”المحلی، ج ۸، ابن تیمیہ کی ”القواعد النورانیہ“ اور ابوالاعلیٰ مودودی کی ”ملکیۃ الارض فی الاسلام۔“

❁ الحسبۃ فی الاسلام، از ابن تیمیہ، ص ۲۱۔

ابن خزمیہ، ابوبکر بن منذر، محمد بن نصر مروزی رضی اللہ عنہم کا ہے۔ نیز مسلمانوں کے عام ائمہ مثلاً لیث بن سعد، ابن ابی لیلیٰ، ابو یوسف، محمد بن حسن رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پیداوار کی شرط پر معاملہ کیا تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک برقرار رکھا اور بعد میں بھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جلا وطن کیا۔ ان کے ساتھ معاملہ اس شرط پر طے ہوا تھا کہ وہ اس کی آباد کاری پر اپنا مال خرچ کریں گے اور بیج بھی ان ہی کے ذمہ ہوں گے۔ ❁

اسی لیے ان علما کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے جو بیج کے بارے میں دونوں صورتوں کو جائز کہتے ہیں۔ ایک صورت یہ کہ بیج کاشت کرنے والے کی طرف سے ہوں اور دوسری صورت یہ کہ کاشت کرنے والے اور مالک زمین دونوں کی طرف سے ہوں۔

مزارعت کے سلسلہ میں جتنی روایتیں آئی ہیں ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس میں زمین لگانے والے کا حصہ نصف سے کم بتلایا گیا ہو بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ لہذا جس بات پر دل کو اطمینان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زمین لگانے والے کا حصہ نصف سے کم نہیں ہونا چاہیے چنانچہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے اسی طرح معاملہ کیا تھا۔

اصل میں یہ بات کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ زمین جیسی جامد چیز کا حصہ انسان کے حصہ سے زیادہ قرار پائے۔

جانوروں کے پالنے میں شرکت

ہمارے ملک میں اور خاص طور سے دیہاتوں کی فضا میں ایک اور معاملہ کیا جاتا ہے اور وہ ہے جانوروں اور مویشیوں کو پالنے میں اشتراک۔ ایک فریق پوری قیمت یا اس کا

❁ صحیح البخاری، کتاب الحرث، باب المزارعة بالشطرنحوہ، رقم الحدیث: ۲۳۲۸؛

صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب المساقاة، رقم الحدیث: ۱۵۵۱۔

ایک جزء ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق نگرانی کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کے بعد دونوں فریق اس سے حاصل ہونے والی چیزوں اور منافع کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

شرکت کے اس معاملہ پر ہم اپنی رائے کے اظہار کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کی صورتوں کو بیان کریں۔

۱۔ پہلی صورت خالص تجارتی مقصد سے فریقین کا اشتراک مثلاً پھڑوں کو فروہ کرنے کے لیے پالنا یا گائے بھینس کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالنا وغیرہ۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک فریق روپیہ لگائے دوسرا فریق محنت یعنی نگرانی کا کام کرے ان کے چارہ وغیرہ پر جو خرچ ہو وہ دونوں برداشت کر لیں اور فروخت کرنے کی صورت میں جو قیمت وصول ہو اس میں سے اخراجات وضع کر لیے جائیں اور جو منافع بچ جائے اس کو دونوں آپس میں حسب معاہدہ تقسیم کر لیں۔

یہ بات منصفانہ نہیں ہے کہ اخراجات صرف ایک فریق کے ذمہ ہوں اور منافع کی تقسیم کے وقت اس کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔

۲۔ دوسری صورت ایک فریق قیمت ادا کرے اور دوسرا فریق نگرانی کے ساتھ اخراجات بھی کرے۔ ان اخراجات کے عوض وہ مویشیوں کا دودھ حاصل کرے اور ان سے کھیتی اور آب پاشی وغیرہ کی خدمت لے۔ اس میں استھاناً کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ جانور اتنا بڑا ہو کہ اس کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو اور اس سے کام لیا جاسکتا ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ دوسرا فریق جو اخراجات برداشت کرتا ہے اس کا ان اخراجات کے مقابلہ میں دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھانا مساوی حیثیت میں نہیں ہوتا اور اس میں نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا ہے لیکن ہم نے استھاناً اس کو جائز کہا ہے اور نقصان کے اس معمولی اندیشہ کو کوئی اہمیت نہیں دی کیونکہ اس قسم کی باتوں کو شریعت گوارا کرتی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں رہن کے سلسلہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفْقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبْنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ

بِنَفْقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ

النَّفَقَةُ (۱)

”رہن رکھے ہوئے جانور پر اس کے اخراجات کے عوض سواری کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ پیا جاسکتا ہے اور اخراجات سواری کرنے اور دودھ پینے والے کے ذمہ ہوں گے۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے جانور کے (چارہ وغیرہ کے) اخراجات کا معاوضہ اس کی سواری اور دودھ کو قرار دیا۔

جانور کے اخراجات اس کی سواری اور دودھ کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی، لیکن تعامل کے پیش نظر جب رہن کے معاملہ میں اس صورت کو جائز قرار دیا گیا تو جانوروں سے متعلق شرکت کی مذکورہ صورت کو بھی لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

مذکورہ حدیث سے ہم نے جو استنتاج کیا ہے وہ خاص ہماری رائے ہے۔ خدا کرے کہ یہ رائے صائب ہو۔

رہا چھوٹے بچھڑوں سے متعلق اشتراک جن سے نہ خدمت لی جاسکتی ہو اور نہ ان کا دودھ حاصل کیا جاسکتا ہو اور اس کی یہ صورت کہ ایک فریق قیمت ادا کرے گا اور دوسرا فریق اخراجات برداشت کرے گا تو اسلام کے قواعد اس کو مباح تسلیم نہیں کرتے کیونکہ جس فریق کے ذمہ اخراجات ہوں گے وہ گھائے میں رہے گا اور دوسرے فریق کا فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ مبنی برانصاف نہیں ہے جبکہ اسلام تمام معاملات میں انصاف کو جاری و ساری دیکھنا چاہتا ہے۔ ہاں اگر اخراجات برداشت کرنے والے فریق کے لیے انتفاع کی صورت پیدا ہونے تک دونوں فریق اخراجات باہم تقسیم کر لیں تو ہماری رائے میں جائز ہوگا۔

صحیح البخاری، کتاب الرهن، باب الرهن مرکوب و محلوب، رقم الحدیث: ۲۵۱۲؛ جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی الانتفاع بالرهن، رقم الحدیث: ۱۲۵۴؛ تلخیص الحبیر لابن حجر عسقلانی: ۳۵/۳۔

کھیل اور تفریح

اسلام واقعیت پسندانہ دین ہے۔ وہ انسان کو وہم و خیال کے دائرہ میں بند کر کے نہیں رکھتا بلکہ اسی زمین پر جو حقائق و واقعات کی زمین ہے رہنا سکھاتا ہے۔ وہ لوگوں کو آسمان میں پرواز کرنے والے فرشتے سمجھ کر معاملہ نہیں کرتا بلکہ کھانا کھانے والے اور بازار میں چلنے پھرنے والے انسان سمجھ کر معاملہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے لوگوں پر یہ فرض گراں عائد نہیں کیا ہے کہ اس کی ہر بات ذکر اور ہر خاموشی فکر ہو۔ سماعت وہ صرف قرآن کی کریں اور اپنے تمام فارغ اوقات مسجد میں گزاریں بلکہ وہ ان کی فطرت اور ان کے طبائع کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی اس طور سے فرمائی ہے کہ جس طرح کھانا اور پینا تقاضائے فطرت ہے اسی طرح شاداں و فرحاں رہنا اور ہنسنا اور کھیلنا بھی اس کی سرشت میں داخل ہے۔

ہر وقت یکساں کیفیت نہیں رہتی

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم روحانیت کے غلبہ کے نتیجہ میں یہ خیال کرنے لگے تھے کہ انہیں ہمیشہ عبادت میں سرگرم رہنا چاہیے اور دنیا کے فوائد و لذائذ سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے۔ کھیل اور تفریح سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں لینی چاہیے بلکہ تمام تر توجہ آخرت اور اس کے تقاضوں کی طرف مبذول ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ عنہ کا قصہ سننے کے قابل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے۔ موصوف فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے کہا، حنظلہ منافق ہو گیا۔ فرمایا سبحان اللہ! کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں رہتے تو عورتوں، بچوں اور کاروبار

میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو ہم بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، قسم بخدا! ہمارا بھی یہی حال ہے۔ حنظلہ کہتے ہیں پھر میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کاروبار میں دل لگ جاتا ہے اور جنت و دوزخ کو ہم بھول جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری صحبت میں تم جو کیفیت محسوس کرتے ہو اگر اسی پر قائم رہتے اور (جنت و دوزخ کو) اسی طرح یاد رکھتے تو فرشتے آ کر تم سے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کرتے۔ لیکن اے حنظلہ! ہمیشہ یکساں کیفیت نہیں رہتی۔ ❁

رسول انسان تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ انسانی زندگی کے لیے نہایت شاندار نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت میں خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر روم آ جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حق کے معاملہ میں یہ تھا کہ اللہ کی خاطر کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک انسان ہی کی زندگی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتے، خوش ہونا، مسکرانا اور ہنسی دل لگی کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک کی خصوصیات تھیں البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہ فرماتے جو خلاف

❁ صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فصل دوام الذکر والتفکر فی امور الآخرة، رقم الحدیث: ۲۷۵۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۷۸/۴، رقم الحدیث: ۱۷۶۰۹؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب والمداومة علی العمل، رقم الحدیث: ۲۴۳۹؛ سلسلہ الاحادیث الصحیحة للالبانی، ۵۹۲/۴، رقم الحدیث: ۱۹۴۸؛ جامع ترمذی، کتاب الزهد، باب حدیث حنظلہ۔۔۔، رقم الحدیث: ۲۵۱۴۔

حق ہوتی۔ ❁

نبی ﷺ خوشی اور مسرت کو پسند فرماتے اور غم اور تکلیف کو ناپسند کرتے اور دعا فرماتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ.)) ❁

”خدا یا میں تیری پناہ مانگتا ہوں پریشانی اور غم سے۔“

آپ ﷺ جس طرح خوش طبعی فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ ایک بڑھیا حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے جنت کی دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔ یہ سن کر وہ بڑھیا گھبرا گئی اور رونے لگی۔ آپ ﷺ نے اس کا یہ حال دیکھ کر فرمایا: بڑھیا جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اسے نئی خلقت عطا فرمائے گا اور وہ نوجوان کنواری بن کر داخل ہوگی۔ ❁

آپ ﷺ نے (اس کی تائید میں) یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّا أَنْشَأْنَهُنَّ إِنِشَاءً فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا﴾ ❁

”ہم ان کو خاص طور پر نئی خلقت عطا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے۔“

اپنے شوہروں کو محبوب رکھنے والیاں اور ہم عمر۔“

دل اکتا جاتے ہیں

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے پاکیزہ نفوس ہنتے کھیلتے اور دل لگی کی باتیں کرتے

❁ صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۳۰؛ صحیح

مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکتار الاعمال، رقم الحدیث: ۲۸۱۹، ۲۸۲۰۔

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، رقم الحدیث: ۱۵۵۵؛ لکن

اخرجه البخاری، بهذا اللفظ فی کتاب الدعوات، باب التعوذ من غلبۃ الرجال، رقم الحدیث:

۶۳۶۳؛ سنن النسائی، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من الدین، رقم الحدیث: ۵۴۸۹۔

❁ الدر المنثور للسيوطی، ۱۵۸/۶؛ تفسیر بغوی، ۱۹۲/۸؛ تفسیر ابن کثیر، ۶/۶، سورۃ

الواقعه آیت نمبر ۳۵، ۳۶؛ شمائل ترمذی، رقم الحدیث: ۲۴۱۔

❁ ۵۶/الواقعه: ۳۵، ۳۷۔

تھے۔ وہ اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے نفس کو محفوظ کرتے اور راحتِ قلب کا سامان کرتے تاکہ تازہ دم ہو کر اور سبک رفتاری کے ساتھ کام کر سکیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جسم کی طرح دل کو بھی تکان لاحق ہوتی ہے لہذا تکان کو ہلکا کرنے کے لیے عجائبِ حکمت بیان کرو۔“ نیز فرمایا: ”دلوں کو وقفہ وقفہ سے آرام دو کیونکہ دل کی ناخوشگوار سی اندھا بنا دیتی ہے۔“

اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے نفس کو کسی قدر باطل سے دل لگی کرنے دیتا ہوں تاکہ اس سے حق پر چلنے میں مدد ملے۔“

غرضیکہ ہنسی مذاق کی باتیں کرنے میں جس سے انبساط کی کیفیت پیدا ہو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور نہ اس بات میں کوئی حرج ہے کہ مباح کھیل کے ذریعہ اپنے دل کو اور اپنے ساتھیوں کے دل کو بہلانے کا سامان کیا جائے بشرطیکہ اسے مستقل عادت نہ بنا لیا جائے کہ صبح و شام کا مشغلہ یہی بن کر رہ جائے، اور جس کے نتیجہ میں آدمی اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے، نیز جہاں سنجیدگی اختیار کرنے کی ضرورت ہو وہاں ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے:

”بات چیت میں مذاق اسی قدر ہونا چاہیے جس قدر کہ کھانے میں نمک۔“

اسی طرح مسلمان کا یہ کام بھی نہیں کہ وہ لوگوں کی عزت اور ان کی قدر و منزلت کا خیال نہ کرے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ۱

”اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔“

اور نہ یہ بات روا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ سے کام لے۔ اس سے بچنے کی ہدایت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ مِنْهُ الْقَوْمُ فَيَكْذِبُ
وَيْلٌ لَهُ وَوَيْلٌ لَهُ)) ❁

”تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹی باتیں کرتا
ہے۔ اس کے لیے تباہی ہے، اس کے لیے تباہی ہے۔“

جائز کھیل کی قسمیں

تفریح کی کتنی ہی قسمیں اور کھیل کے کتنے ہی طور طریقے ایسے ہیں جن کو نبی ﷺ
نے مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے تاکہ ان کے بار خاطر کو ہلکا کرنے اور ان کے لیے
تفریح طبع کا سامان ہو۔ یہ کھیل ایسے ہیں جو عبادات اور واجبات کی ادائیگی پر بلکہ ان
کاموں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے پر آمادہ کرتے ہیں نیز ان ورزشی کھیلوں کے ذریعہ
ایسی ٹریننگ حاصل ہوتی ہے جو قوت میں اضافہ کا موجب ہے اور اس سے آدمی میدان
جہاد کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ درج ذیل کھیل اسی قبیل کے ہیں:

دوڑ میں مقابلہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے اور نبی ﷺ انہیں ایسا کرنے دیتے
روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوڑ لگانے میں بہت تیز تھے۔ ❁
نبی ﷺ خود اپنی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کو خوش کرنے کی خاطر اور
صحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
”رسول اللہ ﷺ نے دوڑ میں میرا مقابلہ کیا تو میں آگے نکل گئی۔ پھر جب

❁ [حسن] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، رقم الحدیث:

۴۹۹۰؛ جامع ترمذی، کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمة یضحک بہا الناس، رقم الحدیث:

۲۳۱۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۵، رقم الحدیث: ۲۰۰۲۱؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/۱۹۶۔

❁ [اسنادہ ضعیف] السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/۲۲، باب لاجلب ولا جنب فی الرهان؛

سنن دارقطنی، ۴/۳۰۵۔

میرا جسم بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے مسابقت میں مجھے ہرا دیا اور فرمایا، یہ اُس وقت کا بدلہ ہے۔” ❁

کشتی لڑنا

نبی ﷺ نے مشہور پہلوان رکانہ کے ساتھ کشتی لڑی اور اس کو کئی بار پچھاڑ دیا۔ ❁ فقہا نے ان احادیث سے یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کرنا جائز ہے خواہ مرد باہم دوڑ لگائیں یا محرم عورتوں یا اپنی بیویوں کے ساتھ لگائیں۔ دوڑ کا یہ مقابلہ اور کشتی لڑنا وغیرہ وقار و شرف، علم و فضل اور عمر کی بزرگی کے خلاف نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے تو آپ ﷺ کی عمر پچاس سے زیادہ تھی۔

تیر اندازی

ایک جائز فنی کھیل تیر اندازی اور نیزہ چلانا ہے۔ نبی ﷺ جب صحابہ کو تیر اندازی میں مشغول دیکھتے تو ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کہتے: ”تیر چلاؤ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ ❁ آپ ﷺ کے نزدیک تیر اندازی کھیل اور شوقیہ چیز نہیں تھی بلکہ یہ ایک قسم کی قوت تھی جس کی فراہمی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ ❁

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۲۶۴/۶، رقم الحدیث: ۲۶۲۷۷؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۱۸/۱۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی السبق علی الرجل، رقم الحدیث: ۲۵۷۸؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، رقم الحدیث: ۱۹۷۹، مختصراً جداً۔ ❁ [حسن] سنن ابن داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم، رقم الحدیث: ۴۰۷۸؛ جامع ترمذی، کتاب اللباس، باب العمائم علی القلائس، رقم الحدیث: ۱۷۸۴؛ مستدرک حاکم، ۴۵۲/۳۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب التحریض علی الرمی، رقم الحدیث: ۲۸۹۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۵۰/۴، رقم الحدیث: ۱۲۵۲۸؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۱۷/۱۰؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۳۲/۷، رقم الحدیث: ۶۲۹۲۔ ❁ ۸/الانفال: ۶۰۔

”اور جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلہ کے لیے قوت فراہم کرو۔“

چنانچہ آپ ﷺ فرماتے:

((أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمِيَّ)) ❁

”سنو! قوت تیر اندازی میں ہے۔ سنو! قوت تیر اندازی میں ہے۔ سنو!

قوت تیر اندازی میں ہے۔“

نیز فرماتے:

((عَلَيْكُمْ بِالرَّمِيِّ فَإِنَّهُ مِنْ خَيْرِ لَهْوِكُمْ)) ❁

”تم تیر اندازی ضرور سیکھو یہ بہترین کھیل ہے۔“

البتہ آپ ﷺ نے پالتو جانوروں وغیرہ کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ بعض

عرب زمانہ جاہلیت میں اس کے عادی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو اس

قسم کی حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”نبی ﷺ نے اُس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی

ذی روح کو ہدف بنالے۔“ ❁

آپ ﷺ نے اس وجہ سے لعنت فرمائی ہے کہ اس سے حیوان کو تکلیف پہنچتی ہے

اور اس کی جان ضائع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ مال کا ضیاع ہے اور انسان کو یہ زیب نہیں

دیتا کہ کسی ذی روح کو تکلیف پہنچا کر اپنی تفریح کا سامان کرے۔

اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

عرب دو مینڈھوں یا دو بیلوں کو اشتعال دلا کر باہم سینگوں سے لڑاتے یہاں تک کہ وہ

❁ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ، رقم الحدیث: ۱۹۱۷؛ سنن

ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرمی، رقم الحدیث: ۲۵۱۴؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد،

باب الرمی فی سبیل اللہ، رقم الحدیث: ۲۸۱۳؛ مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۵۷، رقم الحدیث:

۱۷۴۳۲۔ ❁ [صحیح] مجمع الزوائد للہیثمی، ۲۶۸/۵؛ المعجم الأوسط للطبرانی،

۳۹/۳، رقم الحدیث: ۶۰۷۰؛ کشف الأستار للہیثمی، ۲۷۹/۳، رقم الحدیث: ۷۰۱۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب ما یکرہ من المثلۃ والمصبورة، رقم الحدیث:

۵۵۱۵؛ صحیح مسلم، کتاب الصيد، باب النهی عن صبر البہائم، رقم الحدیث: ۱۹۵۸؛ مسند

احمد بن حنبل، ۸۶/۲، رقم الحدیث: ۵۵۸۷۔

ہلاک ہو جاتے لیکن انہیں یہ تماشا دیکھ کر خوشی ہوتی۔ علما کہتے ہیں نبی ﷺ نے اس لیے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے نیز یہ ایک بے فائدہ کام ہے۔ ❁

نیزہ چلانا

تیر اندازی کی طرح ایک کھیل نیزہ چلانا بھی ہے۔ نبی ﷺ نے حبشیوں کو مسجد میں نیزہ کا کھیل کھیلنے کی اجازت دی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اجازت دی تھی کہ ان کا کھیل دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حبشیوں کو اس سے روکنا چاہا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ”عمر انہیں چھوڑ دو۔“ ❁ مسجد میں اس کھیل کی اجازت دے کر آپ ﷺ نے بڑی فراخی کا ثبوت دیا تاکہ دین اور دنیا دونوں کو جمع کیا جاسکے۔ یہ محض کھیل نہیں تھا بلکہ ورزش بھی تھی اور ٹریننگ بھی۔ مذکورہ حدیث کے پیش نظر علما کہتے ہیں کہ مسجد جماعتِ مسلمین کے معاملات کا مرکز ہے لہذا جو کام دین اور اہل دین کی منفعت کے ہوں ان کو اس میں انجام دینا جائز ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ان کی مسجدیں کس طرح زندگی کے حقائق اور قوت سے خالی ہو گئی ہیں!

گھڑ سواری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ ❁

- ❁ [ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی التمریش بین البہائم، رقم الحدیث: ۲۵۶۲؛ جامع ترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی کراہیۃ، التمریش بین البہائم، رقم الحدیث: ۱۷۰۸؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/۲۲۔
- ❁ صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الہو بالحراب ونحوہا، رقم الحدیث: ۲۹۰۱؛ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لامعصیۃ فیہ، رقم الحدیث: ۸۹۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۰۸، رقم الحدیث: ۸۰۸۰۔ ❁ ۱۶/النحل: ۸۔

”اس نے گھوڑے اور نچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور رونق کا کام دیں۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((الْخَيْلَ مَعْقُودَةٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ.))
”گھوڑوں کی پیشانیاں خیر سے بندھی ہوئی ہیں۔“

نیز فرمایا:

((ارْمُوا وَاَرَكُبُوا.))

”تیر چلاؤ اور سواری کرو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنی اولاد کو تیرا کی اور تیر اندازی سکھاؤ اور ان سے کہو کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہو جائیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”نبی ﷺ نے گھوڑوں کا مقابلہ کرایا اور

آگے نکل جانے والے کو انعام دیا۔“

یہ گھوڑ دوڑ کی حوصلہ افزائی کے لیے تھا، کیونکہ یہ ورزش بھی ہے اور ٹریننگ بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ حضرات عہد رسالت میں بازی لگاتے

تھے اور کیا رسول اللہ ﷺ بازی لگاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں! قسم بخدا!

آپ ﷺ نے ایک گھوڑے کی بازی لگائی تھی جس کا نام سبحہ تھا چنانچہ وہ لوگوں پر سبقت

1 صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر، رقم الحدیث:

۲۸۵۰؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الخیل، رقم الحدیث: ۱۸۷۳؛ جامع ترمذی،

کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء من ارتبط فرسا فی سبیل اللہ، رقم الحدیث: ۱۶۳۶۔

2 [اسنادہ ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۱۴۸/۴، رقم الحدیث: ۱۷۳۳۷؛ جامع ترمذی،

کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ، رقم الحدیث: ۱۶۳۷؛ سنن ابن

ماجہ، کتاب الجہاد، باب الرمی فی سبیل اللہ: ۲۸۱۱۔

3 [صحیح بشواہدہ] مسند احمد بن حنبل، ۹۱/۲، رقم الحدیث: ۵۰۵۶؛ السنن الکبریٰ

للبیہقی، ۲۰/۱۰؛ ارواء الغلیل، ۳۳۶/۵، رقم الحدیث: ۱۵۰۷۔

لے گیا اور یہ دیکھ کر آپ ﷺ خوش ہو گئے۔ ❁

مباح بازی یہ ہے کہ انعام دوڑ میں حصہ لینے والے فریقین کی جانب سے نہ ہو بلکہ کسی اور کی جانب سے ہو یا صرف ایک فریق کی جانب سے ہو۔ لیکن اگر فریقین کی جانب سے انعام ہو کہ جو سبقت لے جائے گا اس کو انعام ملے گا تو یہ جو ہے جو ممنوع ہے۔ اور اس قسم کے گھوڑے کو جو جوئے کے لیے استعمال کیا جائے آپ ﷺ نے شیطانی گھوڑے سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی قیمت وغیرہ کو گناہ قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رحمن کے لیے، دوسرا انسان کے لیے اور تیسرا شیطان کے لیے۔ تو جو گھوڑا رحمن کے لیے ہوتا ہے وہ اللہ کی راہ میں باندھا جاتا ہے اور جو شیطان کے لیے ہوتا ہے وہ جوئے (ریس) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جو انسان کے لیے ہوتا ہے اسے آدمی افزائش نسل کے لیے پالتا ہے اور وہ اس کی محتاجی کو دور کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ❁

شکار کرنا

ایک مفید تفریح جس کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے شکار کرنا ہے۔ اس سے آدمی فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور ورزش بھی ہوتی ہے نیز یہ کمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ شکار خواہ تیر، نیزہ وغیرہ کسی آلہ کے ذریعہ کیا جائے یا شکاری کتوں اور پرندوں کے ذریعہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ رہے شرائط تو ان کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا۔

اسلام نے شکار صرف دو حالتوں میں ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں اور دوسرے حرم مکہ کے اندر، کیونکہ اسلام نے اس کو امن و سلامتی کا علاقہ

❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۱۶۰/۳، رقم الحدیث: ۱۶۲۷؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۱/۱۰؛ سنن الدارمی، ۲۱۲/۲، ۲۱۳، رقم الحدیث: ۲۴۳۰۔

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱/۳۹۵، ۴/۲۹، ۵/۳۸۱، نحوه المغنی، رقم الحدیث بالترتیب، ۳۷۵۶، ۱۶۶۴۵، ۲۳۲۳۰؛ السنن الكبرى للبيهقي، ۲۱/۱۰؛ مجمع الزوائد للهيثمی، ۵/۲۶۱، رقم الحدیث: ۹۳۳۵، ۹۳۳۸۔

قرار دیا ہے۔

چوسر کا کھیل

ہر وہ کھیل جس میں جُوا ہو حرام ہے اور جُوا ہر وہ کھیل ہے جو نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔ یہی وہ ”میسر“ ہے جس کا ذکر قرآن نے شراب، تھانوں اور پانسوں کے ساتھ کیا ہے۔ حدیث نبوی ہے۔ ”جو اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ ہم جوا کھیلیں اسے چاہیے کہ صدقہ کرے۔“ ❁

یعنی جوئے کی طرف مجرد بلانا بھی گناہ ہے جس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ صدقہ کرے۔ چوسر کا کھیل اسی قبیل سے ہے۔ جب اس کے ساتھ جُوا لگا ہوا ہو تو باتفاق رائے حرام ہے۔ اور اگر اس میں جُوا شامل نہ ہو تو علما کے ایک گروہ کے نزدیک حرام ہے لیکن بعض اسے حرام نہیں بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔ جو علما حرمت کے قائل ہیں ان کی دلیل بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شَيْرٍ فَكَأَنَّما صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خنزِيرٍ وَدَمِهِ.)) ❁

”جس نے نرد شیر (چوسر) کا کھیل کھیلا اس نے گویا اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیے۔“

اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ.)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب لا یحلف باللات والعزی، رقم الحدیث: ۶۶۵۰؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزی، رقم الحدیث: ۱۶۴۷؛ السنن الکبری للبیہقی، ۳۰/۱۰۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب الشعر، باب تحريم اللعب بالنرد، رقم الحدیث: ۲۲۶۰؛ تلخیص الحبیر لا بن حجر عسقلانی، ۴/۱۹۹، رقم الحدیث: ۲۱۱۲؛ نصب الرایة للزیلعی، ۴/۲۷۵؛ شرح السنة للبغوی، ۱۲/۳۸۵، رقم الحدیث: ۳۴۱۵۔ ❁ [حسن] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب النهی عن اللعب بالنرد، رقم الحدیث: ۴۹۳۸؛ سنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب اللعب بالنرد رقم الحدیث: ۳۷۶۲؛ مسند احمد بن حنبل، ۴/۳۹۴، رقم الحدیث: ۱۹۵۲۱۔

”جس نے چوسر کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔“
یہ دونوں حدیثیں صریح ہیں اور ہر چوسر کھیلنے والے پر منطبق ہوتی ہیں خواہ اس میں
جُوئے کا عنصر شامل ہو یا نہ ہو۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: منقول ہے کہ ابن مغفل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ
نے چوسر کے کھیل کو جو جُوئے سے خالی ہو جائز کہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے
مذکورہ احادیث کو جُوئے کے کھیل پر محمول کیا ہے۔

شطرنج کا کھیل

کھیل کی ایک مشہور قسم شطرنج ہے جس کے حکم کے بارے میں فقہاء کے درمیان
اختلاف ہے۔ کوئی جواز کا قائل ہے تو کوئی کراہت کا اور کسی کے نزدیک حرام ہے۔
جو فقہاء حرمت کے قائل ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں،
لیکن ناقدین حدیث نے ان احادیث کو رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شطرنج کا وجود صحابہ کے
زمانہ سے پہلے نہ تھا اس لیے جو حدیثیں بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں وہ باطل ہیں۔
صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس معاملہ میں مختلف رائے تھے۔ ❁

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ چوسر سے بدتر ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ
جُوئے کی ایک قسم ہے۔ (غالباً آپ کی مراد اس شطرنج سے ہے جس میں جُو شامل ہو) اور
بعض صحابہ سے کراہت منقول ہے۔

لیکن بعض صحابہ اور تابعین سے اس کا جواز منقول ہے مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ،
ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ۔

راقم السطور کی رائے بھی ان اصحاب ہی کے مسلک کے مطابق ہے یعنی اس معاملہ
میں اصل جواز ہے اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جو حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ علاوہ
ازیں اس میں ذہنی ورزش اور فکری تربیت کا سامان بھی ہے۔ اس لیے اس کو چوسر سے

مختلف سمجھنا چاہیے اور اسی بنا پر ان اصحاب کا کہنا ہے کہ چوسر کی خصوصیت محفوظ ہونا ہے اس لیے وہ پانسوں سے مشابہ ہے، لیکن شطرنج کی خصوصیت ذہانت و تدبیر ہے اس لیے وہ تیر اندازی سے مشابہ ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ تین شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں:

۱۔ اس کی وجہ سے نماز اپنے وقت سے مؤخر نہ ہونے پائے، کیونکہ اس میں سب سے بڑا خطرہ نماز کے اوقات کی پابندی نہ کرنے ہی کا ہے۔

۲۔ اس میں جو اشیا شامل نہ ہو۔ ❁

۳۔ کھیلنے والا کھیل کے دوران اپنی زبان کو فحش اور بدکلامی سے محفوظ رکھے۔

اگر ان میں کسی ایک شرط کی بھی پابندی نہ کی جائے تو یہ کھیل حرام ہوگا۔

گانا اور موسیقی

کھیل کی ایک قسم ایسی ہے جو نفس کے لیے باعث سکون، دل کے لیے خوش کن اور کانوں میں رس گھولنے والی ہے اور وہ ہے گانا۔ اسلام نے اس کو مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ فحش، بدکلامی یا گناہ پر ابھارنے والی باتوں پر مشتمل نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ ایسی موسیقی

❁ مصنف کا شطرنج کو جائز قرار دینا اور اس کے لئے کچھ شروط عائد کرنا محل نظر ہے۔ فرض محال ہم مصنف کی بات کو تسلیم کر بھی لیں تو اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ شطرنج کھیلنے والے ان باتوں کا قطعاً خیال نہیں رکھتے۔ اس صورت میں شطرنج حرام میں واقع ہونے کا وسیلہ ہوگا۔ اس لئے اس پر حرام ہونے کا قول لازمی طور پر صادق آئے گا۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے ”ان تمام باتوں سے قطع نظر شطرنج اس لئے حرام ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شطرنج کھیلنے والوں کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا: یہ کیسے بت ہیں جن پر تم گرے پڑے ہو۔“

وہ مزید فرماتے ہیں: ”ائمہ کرام نے بھی اسے حرام قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ کہا ہے۔ اور یہ کہ شطرنج اور اس سے ملتے جلتے کھیلوں میں ایسی خرابیاں ہیں جن کا شمار اور ان کے نقصان کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔“ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اسے ذہنی ورزش کا نام دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی بلکہ اس کے حرام ہونے پر ان کا اتفاق ہے۔ دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ [۲۱۶/۳۲-۲۵۴]، اس کے علاوہ ابن قیم امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نامور محققین علمائے کرام نے اس کی لامحدود خرابیوں کی بنا پر اسے حرام کہا ہے، دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام للفرزان: ص ۷۳]

ہے جس سے جذبات برا بیچختہ نہ ہوتے ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ❁
خوشی کے مواقع پر اظہارِ مسرت کے لیے یہ چیزیں پسندیدہ ہیں مثلاً عید، شادی،
مہمان کی آمد، ولیمہ، عقیقہ اور بچوں کی ولادت وغیرہ کے موقع پر۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں کہ ایک عورت کی انصار کے ایک شخص سے شادی ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

❁ مصنف نے موسیقی کے لئے جو اصول وضع کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ ہم چند امور کی طرف قارئین کی توجہ
دلانا چاہتے ہیں۔ نمبر (۱) مصنف کا یہ کہنا موسیقی اور گانا کھیل کی ایک قسم ہے جو نفس کے لئے باعث سکون، دل کے
لئے خوش کن اور کانوں میں رس والی چیز ہے اس لئے یہ جائز ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں دین اسلام میں جائز ناجائز کا معیار باعث سکون دل ہونا نہیں اور نہ ہی نفس کی
راحت کا باعث ہونا معیار ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ دل کو اچھی لگنے والی اکثر چیزیں خرابی اور مفاسد کا باعث ہیں،
کیا ہم ان کے حلال ہونے کا فتویٰ دیں گے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کسی چیز کا باعث لذت ہونا حلال
حرام یا مکروہ ہونے کا معیار نہیں ہے۔ کیا زنا کرنے والا اس قبیح فعل میں لذت محسوس نہیں کرتا۔ کیا وہ بھی حلال ہے
اور مزید یہ کہ لذت دینے والی چیزیں حرام ہیں۔ دیکھئے مدارج السالکین [۱/۳۹۱]

(۲) مصنف کی یہ بات بھی محل نظر ہے کہ اگر گانا نقش کلامی اور گناہ پر ابھارنے کا باعث نہ ہو تو وہ جائز ہے، یہ
دعویٰ بالکل باطل ہے اور اس کو دین اسلام کی طرف منسوب کرنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ
پر بغیر علم کے بات ہے اسلام نے قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل کی بنیاد پر موسیقی، غنی اور گانے کو حرام قرار دیا
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾
”لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو لہو الحدیث خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رستے سے بغیر علم کے
بھٹکائیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے لئے صحابہ کرام اور تابعین کی تفسیر کافی ہے انہوں نے ”لہو الحدیث“
کی تفسیر غنی (موسیقی) سے کی ہے۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابو صہباء کہتے
ہیں میں نے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے کیا مراد ہے؟
تو انہوں نے کہا۔ ”مجھے اس ذات کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس سے مراد غنی (موسیقی) ہے۔“ نبی ﷺ
نے فرمایا: ”میری امت میں سے کچھ لوگ ایسے ہونگے جو ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔“..... [صحیح
بخاری] علمائے اسلام نے اپنے اقوال میں غنی (موسیقی) کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ”
ہمارے ہاں تو فاسق لوگ ہی غنی سنتے ہیں۔ مالک بن انس نے موسیقی اور اس کو سننے سے منع فرمایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر
کوئی انسان ایسی لونڈی خریدے جو گانا گاتی ہو تو اس کو واپس کر دے کیونکہ اس میں یہ عیب ہے۔ ابو حنیفہ نے بھی اس کو مکروہ
جانا ہے۔ ابراہیم نخعی عامر شعمی، حماد اور امام ثوری نے متفقہ طور پر اسے حرام قرار دیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے [اعلام
بنقد کتاب الحلال والحرام لل فوزان ص: ۸۰]

(۳) مصنف کا یہ کہنا کہ گانے کے ساتھ ایسی موسیقی جس سے جذبات برا بیچختہ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❁❁❁

((يَا عَائِشَةُ، مَا كَانَ مَعَهُمْ مِنْ لَهْوٍ؟ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ
الْلَهْوَ.)) ❁

”اے عائشہ! ان کے ساتھ لہو (تفریح و طبع) کا کوئی سامان نہیں ہے؟ کیونکہ
انصار لہو کو پسند کرتے ہیں“

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک قرابت دار انصاریہ کی
شادی کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: دلہن کو تم نے روانہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا: جی
ہاں! فرمایا: اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو نہیں بھیجا جو گائے؟ عرض کیا: نہیں فرمایا:
((إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ: اتَيْنَاكُمْ
اتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ.)) ❁

❁❁❁ گزشتہ سے پیوستہ..... نہ ہوں، بالکل باطل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آلات موسیقی کو بھی حرام قرار
دیا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ائمہ اربعہ کا موقف یہ ہے کہ لہو و لعب کے تمام آلات حرام ہیں اور اس کا
ثبوت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ [فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱/۵۷۶] ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”تمام آلات لہو
اور موسیقی حرام ہیں (اس کے بعد انہوں نے احادیث کا تذکرہ کیا ہے جو اس موقف پر دلالت کرتی ہیں) [اغاثۃ
اللفہان: ۱/۲۷۷-۲۷۸] (۴) مصنف کا یہ کہنا کہ ”خوشی کے مواقع پر اظہار مسرت کے لئے مطلق طور پر (گانا
موسیقی) وغیرہ جائز ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ مصنف نے یہ قول کہاں سے اخذ کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا
ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر بچوں کو دف بجانے کے ساتھ اچھے اشعار کی اجازت ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی بیاہ کے موقع پر دف وغیرہ بجانے کی اجازت دی ہے جبکہ مردوں میں سے کوئی ایسا نہیں تھا
جو دف یا تالی بجانے والا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تالی عورتوں اور تہج مردوں کے لئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی وغیرہ کے موقع پر اس کی اجازت دی ہے۔ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف بجانے والی
بچیوں کو روکنے کی کوشش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابو بکر! نہیں چھوڑ دو ہر قوم کے لئے خوشی کا دن ہوتا ہے اور
آج اہل اسلام کی عید ہے۔ اور آپ نے فرمایا: ”تا کہ مشرکوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔“ فتاویٰ
ابن تیمیہ: ۱۱/۵۶۵ حدیث جاریہ میں کہیں بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیقی کو سنا ہے۔ دیکھئے

[اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۸۰، ۹۰۔] ❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب

نسوة التي يهدين المرأة، رقم الحديث: ۵۱۶۲؛ اتحاف السادة المتقين للزبيدي، ۶/۴۹۳۔

❁ [حسن] سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الغناء والدف، رقم الحديث: ۱۹۰۰؛ السنن

الكبرى للبيهقي ۷/۲۸۹؛ مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۹۱، رقم الحديث: ۱۵۲۰۹۔

”انصار کو گانے کا شوق ہے اس لیے اگر تم اس کے ساتھ کسی ایسی لڑکی کو بھیج دیتے جو یہ گاتی ”ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے اللہ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمہیں بھی۔“ تو اچھا ہوتا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے تو دو لڑکیاں ایام منیٰ میں گاجا رہی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے لیٹ گئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹا لیا اور فرمایا: ”ابو بکر انہیں چھوڑ دو، کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔“¹

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء علوم الدین میں مذکورہ حدیث اور حبشیوں کے مسجد میں کھیل والی حدیث نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں کے کھیلنے کی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب حدیثیں صحیحین کی ہیں اور اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے اور یہ جواز پر دلالت کرتی ہیں:

- ۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ کھیل تھا اور حبشی رقص و لعب کے عادی ہوتے ہیں۔
- ۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس فعل کا صدور مسجد میں ہوا۔
- ۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے بنی رافدہ! اپنا کھیل جاری رکھو۔“

¹ صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید، رقم الحدیث: ۹۴۹؛ صحیح مسلم، کتاب صلوة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لامعصیة فیہ، رقم الحدیث: ۸۹۲؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۹۲/۷۔ ۲۲۴/۱۰؛ مسند احمد بن حنبل، ۸۴، ۳۳/۶، رقم الحدیث: ۲۴۰۴۹۔² مصنف نے غزالی کی بات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گانا اور کھیل صریح احادیث (حبشہ کی حدیث وغیرہ) کی بنیاد پر جائز ہے۔ کیا مصنف یہ بات بھول گئے ہیں کہ مذکورہ احادیث سے غنی (موسیقی) کے جواز پر کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس میں فقط کھیل کا ذکر ہے گانے کے الفاظ نہیں ہیں۔ آلات حرب اور جہادی مشق غنی موسیقی نہیں کہلاتی ہے یہ اپنی تیاری اور دشمن پر رعب کے لئے جہادی اشعار ہیں موسیقی نہیں۔ یہ کلام امام نووی کا ہے۔ دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۹۰] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اس حدیث کی تصریح خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ وحشی کھیل کے دوران بے ڈھنگم آوازیں بلند کر رہے تھے، لہذا ثابت ہوا کہ یہ موسیقی نہیں تھی فتح الباری: ۴۴۲/۲، معلوم ہوتا ہے کہ غزالی کو حدیث حبشہ سے موسیقی کے جواز کی زبردست غلطی لگی ہے: [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۹۲]

ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: گانے کی حرمت سے متعلق کوئی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس سلسلہ کی تمام روایتیں باطل اور موضوع ہیں۔ اکثر گانے اور موسیقی کا استعمال عیش و عشرت کے موقع پر، شراب کی محفلوں اور شب بیداری کی مجلسوں میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے بہت سے علما سے حرام یا مکروہ کہتے ہیں۔ اور بعض علما کہتے ہیں کہ گانا ”لَهُوَ الْحَدِيثُ“ میں شامل ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہوا ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَتَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ [۳۱/ لقمان: ۶]

”اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو ”لہو الحدیث“ خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بغیر علم کے بھٹکا دیں اور اس راستہ کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔“

ابن حزم کہتے ہیں: جو شخص ”لہو الحدیث“ کا مرتکب ہو اس کا وصف آیت نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ کافر ہے بلا اختلاف جبکہ وہ اللہ کی راہ کو مذاق بنالے۔ اور اگر وہ کوئی

مصنف کا یہ قول سراسر باطل ہے کہ بہت سے علما نے گانے کو اس لئے حرام یا مکروہ کہتے ہیں کہ گانے اور موسیقی کا استعمال عیش و عشرت کے مواقع پر شراب کی محفلوں اور شب بیداری کی مجلسوں میں ہوتا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ موسیقی کا حرام ہونا ان اشیاء کے ملنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی حرمت تو مستقل دلائل کی بنا پر ثابت ہے۔ مصنف کا دعویٰ بلا دلیل اور بے بنیاد ہے۔ کتاب و سنت کے بے شمار دلائل غنی اور موسیقی کو حرام ثابت کرتے ہیں۔ اگر غنی کے ساتھ کوئی اور حرام چیز شامل نہ ہو تب بھی یہ حرام ہے جیسا کہ شراب نوشی حرام ہے اگرچہ اس کے ساتھ کسی اور حرام چیز کو شامل نہ بھی کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی ایک دعویٰ کا جواب دیتے ہوئے اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ”ریشم، موسیقی، غنی وغیرہ اس لئے حرام نہیں کہ انکے ساتھ شراب کا ذکر ہے“ [نیل الاوطار: ۸/ ۱۰۷] مذکورہ چیزیں حرام ہیں چاہے ان کے ساتھ شراب نوشی کی جائے یا نہیں دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۱۱۰] مصنف نے ”لہو الحدیث“ کی تفسیر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض علما گانے کو لہو الحدیث میں شمار کرتے ہیں اور پھر انہوں نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ کافر ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ کو مذاق بنائے۔ ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ مصنف کا یہ قول کہ بعض علما گانے کو لہو الحدیث میں شامل کرتے ہیں یہ تو اس گناہ کے حجم کو کم کرنے والی بات ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے۔ مصنف اکابر صحابہ کرام کے موقف اور ان کی تفسیر سے بالکل ناواقف ہیں۔ ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ اور مجاہد..... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کتاب خرید کر لوگوں کو گمراہ کرے اور اللہ کی راہ کا مذاق اڑائے تو وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی مذمت کی ہے اس شخص کی ہرگز مذمت نہیں کی ہے جو ”لہو الحدیث“ کو گمراہ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ کھیلنے کی غرض سے خریدے اور اس سے خوش طبعی کا سامان کرے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو تردید میں جو کہتے ہیں کہ گانا جب حق نہیں ہے تو وہ لازماً گمراہی ہے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔“^❶ لہذا جس نے گانا اس نیت سے سنا کہ اس سے گناہ کے کام میں مدد ملے تو وہ فاسق ہے اور جس نے خوش طبعی کی نیت سے سنا تا کہ اطاعت الہی کے کاموں کو تقویت پہنچے اور نیکی کے کاموں سے دلچسپی پیدا ہو تو اس کا یہ فعل حق ہے ❶ اور جو شخص نہ اطاعت کی نیت سے سنے

❶❶❶ گزشتہ سے پیوستہ..... حسن، سعید بن جبیر اور نخعی رضی اللہ عنہم جیسے نامور تابعین نے موسیقی کو (لہو الحدیث) کہا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین بار قسم اٹھا کر کہا کہ یہ لہو الحدیث ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار محققین علمائے کرام نے اسے لہو الحدیث کہا ہے۔ پھر مصنف نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ اجاگر کرنے کے بعد ان کا قول نقل کیا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مرتبہ اظہر من الشمس ہے، ہم ان کی علمی خدمات کا دل و جان سے اعتراف کرتے ہیں لیکن نہ ہی تو ہم ان کی غلطیوں کے پیچھے چلیں گے اور نہ ہی ان کے قول کو ان حضرات کے قول پر ترجیح دیں گے جو ان سے ہر لحاظ سے افضل ہیں۔ ویسے بھی ابن حزم ہی نے تو یہ بات لکھی ہے کہ لہو الحدیث کی تفسیر میں ہمارے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی یہی بات کافی ہے کہ یہ غنی (موسیقی) ہے۔ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور وہ نزول وحی کا بھی گواہ ہے۔

دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام: ۱۰۲] ❶ صحیح البخاری، کتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۱؛ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الأعمال بالنية، رقم الحدیث: ۱۹۰۷؛ جامع ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فیمن یقاتل رباء وللدنیا، رقم الحدیث: ۱۶۴۷۔

❶❶❶ مصنف نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا کہ اگر گانا خوش طبعی کے لئے سنا جائے تا کہ اطاعت الہی کے کاموں میں تقویت پیدا ہو اور نیکی میں دلچسپی ہو تو ٹھیک ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان کے اس مذہب کی بنیاد پر ہے کہ غنی مباح ہے۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب باطل ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل اس موقف کی تردید کرتے ہیں۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے حقائق کو الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ غنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکنے کا سبب ہے۔ وہ سماع جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر انسان کا مددگار ہے وہ قرآن مجید کا سماع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قرآن سننے کا حکم دیا ہے کہیں پہ بھی موسیقی، اشعار یا گانا سننے کا حکم نہیں دیا ہے۔ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور مالک کائنات کے غصہ کا سبب ہے وہ اطاعت الہی پر کیسے

معاون ہو سکتی ہے؟ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شاید یہ..... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ❶❶❶

اور نہ معصیت کی نیت سے تو وہ لغو کے حکم میں ہے جو معاف ہے۔ ایسے شخص کا معاملہ اس شخص کا سا ہے جو تفریحاً باغ کی سیر کے لیے نکل پڑے یا اپنے دروازہ کے پاس تماشاً بین بن کر بیٹھ جائے۔ ❁

تاہم گانے کے معاملہ میں درج ذیل قیود کو لازماً ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۱۔ گانے کا موضوع اسلام کی تہذیب اور اس کی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر گانے میں شراب کی تعریف کی گئی ہو یا اس کے پینے کی ترغیب موجود ہو تو ایسے گانے کو گانا بھی حرام ہوگا اور سننا بھی۔

۲۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گانے کا موضوع اسلام کی ہدایت کے خلاف نہیں ہوتا لیکن گانے کا طریقہ ایسا ہوتا ہے جو اس کو دائرہ حلت سے نکال کر دائرہ حرمت میں لے آتا ہے مثلاً ناز و ادا کے ساتھ گانا، غیر اخلاقی انداز اختیار کرنا نیز جذبات میں ہيجان پیدا کرنے والے، فتنہ پرور اور شہوت انگیز طور طریقے اختیار کرنا وغیرہ۔

۳۔ جس طرح دین ہر چیز میں غلو اور زیادتی کا مخالف ہے حتیٰ کہ عبادت کے معاملہ میں بھی، اسی طرح لہو کے معاملہ میں بھی وہ زیادتی کا مخالف ہے۔ اس میں زیادہ وقت صرف کرنا صحیح نہیں جبکہ وقت سرمایہ حیات ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جائز چیزوں میں اسراف کرنے سے واجبات کی ادائیگی کے

گزشتہ سے پیوستہ.....، لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور نہیں کرتے ((وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ)) ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ نبی ﷺ بھی کلام الہی سنا کرتے تھے۔ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ وہ انسان جو موسیقی اور گانے کا رسیا ہے وہ اس کو بڑے غور سے سنتا ہے اور خوش ہوتا ہے مگر قرآن مجید کو وہ بہت بے دلی کے ساتھ سنتا ہے، اس کو اشعار تو یاد ہوتے ہیں مگر آیات قرآنی یاد کرنا اس کے لئے ناممکن ہے۔ دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام : ۱۰۵] ❁ مصنف نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جو شخص اطاعت یا معصیت کی غرض سے موسیقی نہ سنے تو اس کا یہ کام لغو ہے اور معاف ہے۔ اس کا معاملہ اس شخص کا ہے جو تفریحاً باغ کی سیر..... قارئین ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ ابن حزم نے کہا کہ یہ قیاس سرے سے ہی باطل ہے کیونکہ وہ حرام چیز کو مباح پر قیاس کر رہے ہیں۔ مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ ابن حزم قیاس کے قائل ہی نہیں ہیں اور اس مقام پر خود قیاس کر رہے ہیں اور وہ بھی قیاس فاسد۔ دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام ص نمبر ۱۰۸]

لیے وقت کا حرج ہو جاتا ہے، اس لیے بجا طور پر کہا گیا ہے: ”میں نے اسراف کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے پاس حق ضائع ہو رہا تھا۔“

۴۔ بعض گانے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سننے والا خود اپنے نفس سے فتویٰ پوچھ سکتا ہے۔ اگر گانا ایسا ہو کہ جس سے اس کے جذبات برا بیچتے ہو رہے ہوں اور اس کو فتنہ پر ابھارا جا رہا ہو نیز روحانیت کے مقابلہ میں حیوانیت کا غلبہ ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس دروازہ کو بند کرنا چاہیے جس سے فتنہ کی ہوا اس کے دل، دین اور اخلاق کی طرف چلے۔

۵۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گانے کے ساتھ اگر کوئی حرام چیز شامل ہو جائے مثلاً مخمل شراب یا عیاشی اور بد اخلاقی کے قسم کی کوئی چیز تو ایسی صورت میں گانا حرام ہوگا۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

((لَيْشْرِبَنَّ اَنَاسٌ مِنْ اُمَّتِي الْخَمْرَ يُسْمَوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْرَفُ عَلٰى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَارِزِ وَالْمُغْنِيَّاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ)) ❁

”میری امت کے کچھ لوگ شراب پیئیں گے اور اس کا نام تبدیل کر دیں گے ان کے سروں پر ساز بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گانا گائیں گی۔ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور خنزیر بنائے گا۔“

ضروری نہیں کہ یہ مسخ شکل و صورت ہی کا ہو بلکہ یہ نفس اور روح کا بھی ہو سکتا ہے یعنی انسان کے قالب میں بندر کا نفس اور سور کی روح ہوگی۔

❁ [صحیح] سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات، رقم الحدیث: ۴۰۲۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأشربة، باب فی الداذی، رقم الحدیث: ۳۶۸۸، ۳۶۸۹ مختصراً؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۹۵/۸۔ ۲۲۱/۱۰؛ الدر المنثور للسیوطی، ۱۲۵/۳؛ سورة المائدہ رقم الایة: ۹۱، ۹۰۔

جُوا شراب کا ساتھی ہے

اسلام نے جہاں مختلف قسم کے کھیل جائز ٹھہرائے ہیں وہاں ہر ایسے کھیل کو حرام قرار دیا ہے جس میں جُوا شامل ہو یعنی کھیل نفع یا نقصان سے خالی نہ ہو۔
جوئے کو جس طرح کسبِ مال کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اس کو کھیل اور تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ بنایا جائے۔

اس حرمت کی پشت پر حکمتِ بالغہ اور عظیم مقاصد کا رفرما ہیں:-

۱۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اکتسابِ مال کے سلسلہ میں سننِ الہی کا تتبع ہو اور نتائج کو اسباب کے ذریعہ حاصل کرے۔

جوا جس کی ایک قسم لاٹری ہے۔ انسان کو بخت و اتفاق اور خالی آرزوؤں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے۔ عمل، جدوجہد اور ان اسباب پر بھروسہ کرنا نہیں سکھاتا جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے اور ان کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲۔ اسلام انسان کے مال کو محترم ٹھہراتا ہے اور اس کو لینے کی جائز صورت یہ ہے کہ یا تو جائز طریقہ پر لین دین ہو یا کوئی شخص اپنی رضامندی سے ہبہ یا صدقہ کرے۔ رہا قمار کے ذریعہ مال حاصل کرنا تو وہ باطل طریقہ پر مال کھانے کے مترادف ہے۔

۳۔ اس سے جوا کھیلنے والوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے اگرچہ کہ وہ زبانی طور سے رضامندی کا اظہار کرتے ہوں، کیونکہ ان کا معاملہ ہمیشہ غالب اور مغلوب کے درمیان رہتا ہے اور جب مغلوب خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کی خاموشی غیظ و غضب لیے ہوئے ہوتی ہے، کیونکہ وہ نقصان اٹھا چکا ہوتا ہے۔

۴۔ بازی ہار جانے کی صورت میں مغلوب دوبارہ جوا کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس امید پر کہ شاید اب کی بار نقصان کی تلافی ہوگی۔ اسی طرح غالب کو غلبہ کی لذت دوبارہ بازی لگانے اور مزید نفع بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور دونوں جُوا کھیلنے والے ایک دوسرے سے الگ

نہیں ہو پاتے۔ جوئے بازوں کی دوامی مصیبت کا راز یہی ہے۔

۵۔ بنا بریں یہ شوق جس طرح فرد کے لیے خطرہ کا باعث ہے اسی طرح سماج کے لیے بھی شدید خطرہ کا باعث ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس میں وقت اور محنت کی بربادی ہے غرض یہ کھیل جوئے بازوں کو بالکل معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ زندگی کی نعمت سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے۔ قمار باز ہمیشہ اپنے رب کی عائد کردہ ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہیں، نیز اپنے نفس، اپنے خاندان اور اپنی ملی ذمہ داریوں سے بھی بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے دین، اپنی عزت اور اپنے وطن کو بھی اپنے مفاد کی خاطر بیچ دیں۔

قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں جمع کر کے کس قدر حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ دونوں چیزیں فرد، خاندان، وطن اور اخلاق سب کے لیے یکساں طور سے مضر ہیں۔ قمار باز کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جاتا ہو۔ قرآن کا یہ بیان کتنا حقیقت افروز ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے۔ قرآن نے اس کا ذکر تھانوں اور پانسوں کے ساتھ کیا ہے اور اسے گندگی قرار دے کر اس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥
إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ
مُنْتَهُونَ ٥﴾

”اے ایمان والو! شراب، جوا، تھان اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام

ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہیں مبتلا کر کے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟“

لاٹری ایک قسم کا جو ہے

جسے لاٹری کہا جاتا ہے وہ بھی جوئے ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کو معمولی خیال کرنا اور ”رفاہی انجمنوں“ اور ”انسانی اغراض“ کے نام پر اسے جائز قرار دینا صحیح نہیں۔ جو لوگ لاٹری کو اس قسم کے مقاصد کے لیے جائز قرار دیتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حرام رقص اور حرام آرٹ کے ذریعہ مذکورہ مقاصد کے لیے عطیات جمع کرے۔ ہم تو ان لوگوں سے یہی کہیں گے کہ:

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا)) ❁

”اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔“

جو لوگ اس قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ معاشرہ میں خیر اور ہمدردی کے محرکات کا خاتمہ ہو گیا ہے اور نیکی کی حقیقت باقی نہیں رہی، لہذا مال جمع کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے کہ جوئے اور ممنوع قسم کے کھیل تماشہ کو ذریعہ بنایا جائے۔ لیکن اسلام معاشرہ کے لیے ایسے طریقے تجویز نہیں کرتا بلکہ انسان کے معاملہ میں وہ خیر کا پہلو اختیار کرتا ہے اور پاکیزہ مقصد (Noble Cause) کے لیے وہ ذریعہ بھی پاکیزہ ہی اختیار کرتا ہے۔ وہ نیکی کی دعوت، انسانیت کی ترغیب اور اللہ اور آخرت پر ایمان کے داعیات کا ذریعہ ہے۔

❁ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، رقم الحديث: ۱۰۱۵؛

مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۲۸؛ تلخیص الحبير لا بن حجر عسقلانی، ۲/۹۶؛ مصنف

عبدالرزاق، ۵/۱۹، رقم الحديث: ۸۸۳۹۔

سینما بینی

بہت سے مسلمان پوچھتے ہیں کہ سینما اور تھیٹر وغیرہ کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ سینما جانا مسلمان کے لیے جائز ہے یا حرام؟

اس میں شک نہیں کہ سینما اور اس قسم کی دوسری چیزیں تفریح کا نہایت اہم ذریعہ ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دوسرے ذرائع کی طرح ان کو بھی خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سینما فی نفسہ کوئی حرج کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا حکم اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہماری رائے میں سینما حلال اور طیب ہے بلکہ درج ذیل شرائط کی تکمیل کی صورت میں پسندیدہ اور مطلوب بھی ہو سکتا ہے۔

اولاً: وہ مقاصد جن کی نمائش کی جاتی ہے بے حیائی اور فسق سے پاک ہوں نیز یہ مقاصد اسلام کے عقائد، شریعت اور اس کے آداب کے منافی نہ ہوں۔ اگر پیش کی جانے والی کہانیاں سفلی جذبات کو ابھارنے والی یا گناہ کی ترغیب دینے والے یا جرم پر آمادہ کرنے والی یا غلط افکار کی اشاعت کرنے والی یا باطل عقائد کی ترویج کرنے والی ہوں تو ایسی فلمیں حرام ہوں گی۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہ ہوگا کہ ان کو دیکھے یا ان کی ترغیب دے۔

۱ مصنف نے بعض شروط کی بنیاد پر سینما بینی کو جائز اور طیب و پاک لکھا ہے۔ ہم اس کے جواب میں عرض کرنا چاہیں گے کہ مصنف کی بیان کردہ شروط پر دنیا کا کوئی سینما پورا نہیں اترتا ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر سینما پر مذکورہ شروط لاگو کر دی جائیں تو کوئی انسان فلم دیکھنے ہی نہ آئے۔ فلم بنانے والے مادی وسائل کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے فحاشی بے حیائی اور عریانی کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ بالفرض ہم مان بھی لیں کہ سینما والے ان شروط کا لحاظ رکھیں تو پھر بھی سینما بینی حرام ہے۔ کیونکہ متحرک تصاویر کی شکل میں بھی غیر محرم عورتوں کو دیکھنا اسی طرح صحیح نہیں، جس طرح غیر محرم عورت کو عام حالت میں دیکھنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح اس کی فوٹو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ غور کریں اگر تصاویر کعبۃ اللہ میں ہوں تو نبی ﷺ نے اندر جانا گوارا نہیں کیا بلکہ ان کو پہلے مٹایا گیا اور بیت اللہ کو ان خرافات سے پاک کیا گیا پھر آپ ﷺ نے اس مقدس گھر میں داخل ہونا گوارا کیا جبکہ سینما میں فحش مناظر، عورتوں کے جسم کی نمائش اور بے حیائی کے مناظر پردہ سکرین پر دکھائے جاتے ہیں۔ جب غیر محرم عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں تو پردہ سکرین پر ان کی عریاں تصاویر کو ملاحظہ کرنا کیسے جائز ہے؟ پھر عورتیں ان حرکات، سکناات و لہجہ اور لباس کی پیروی کرتی ہیں جو وہ فلم میں دیکھتی ہیں۔ اس لئے سینما بینی کسی بھی لحاظ سے جائز نہیں۔ دیکھئے [اعلام بقصد کتاب الحلال والحرام: ۱۰۸-۱۰۹]

ثانیاً: کسی دینی یا دنیوی ذمہ داری سے غفلت نہ برتی جائے۔ خاص طور سے پنج وقتہ نماز کا خیال رکھا جائے جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پکچر دیکھنے کی غرض سے کسی فرض کو۔ مثلاً مغرب کی نماز کو۔ ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ.﴾

”بتا ہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔“

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ نماز سے غافل ہونا اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کے ہم معنی ہے یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ قرآن نے شراب اور جوئے کی حرمت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ چیزیں ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہیں۔

ثالثاً: سینما جانے والے کو چاہیے کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کرے تا کہ فتنہ اور شبہات سے اپنا دامن بچا سکے۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ وہ تاریکی کے پردہ میں پکچر دیکھ رہا ہو۔ اس سے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ:

((لَا يُطْعَنُ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمُخِيطٍ مِنْ حَدِيدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ

يَمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ.))

”تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی کا چبھو یا جانا اس سے بہتر ہے کہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔“



۱۰۷/الماعون: ۵، ۴۔ [حسن] المعجم الكبير للطبرانی، ۲۰/۲۱۱، ۲۱۲، رقم

الحدیث: ۲۸۶؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۴/۳۲۶، رقم الحدیث: ۷۷۱۸؛ سلسلۃ الاحادیث

الصحیحة للألبانی، ۱/۴۴۷، رقم الحدیث: ۲۲۶۔

اجتماعی روابط

اسلام نے معاشرہ کے افراد کے درمیان تعلقات کو دو بنیادوں پر قائم کیا ہے۔ ایک باہمی اخوت جو ایک دوسرے کے درمیان مضبوط بندھن کی حیثیت رکھتی ہے اور دوسرے حقوق اور حرمتیں جن کا اسلام تحفظ کرتا ہے یعنی ہر فرد کے خون، آبرو اور مال کا احترام۔ اسلام ہر اس قول، عمل اور برتاؤ کو حرام قرار دیتا ہے جو ان بنیادی چیزوں کو نقصان پہنچانے والی یا ان کو متاثر کرنے والی ہوں۔ اور نقصان خواہ مادی ہو یا تہذیبی جس درجہ کا ہوگا اسی کی مناسبت سے حرمت کا درجہ بھی متعین ہوگا۔ درج ذیل آیات میں مثلاً ان حرام چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جو باہمی اخوت اور انسانی حرمتوں کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ، وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بئس الظالمون ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ، أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴿١﴾

”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ

عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔
 نہ ایک دوسرے پر طعن کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔
 ایمان لانے کے بعد بدترین نام فسق ہے اور جو باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔
 اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ تجسس نہ کرو
 اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا
 گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن ہی کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ
 اختیار کرو۔ یقین جانو کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
 ان کے اندر انسانی اخوت کے ساتھ دینی اخوت بھی جمع ہو گئی ہے۔ اس اخوت کا تقاضا
 ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن کر نہ رہیں بلکہ باہم متعارف ہوں، ایک
 دوسرے سے کٹیں نہیں بلکہ جڑیں، آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں بلکہ مل جل کر رہیں باہم
 بغض و عداوت نہ رکھیں، بلکہ محبت کریں اور اختلاف نہ کریں بلکہ متحد ہو کر رہیں۔ حدیث
 میں آتا ہے:

((لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ
 إِخْوَانًا)) ❁

”باہم حسد نہ کرو، نہ ایک دوسرے سے پیٹھ موڑو، نہ آپس میں بغض رکھو بلکہ
 اللہ کے بند و آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔“

کسی مسلمان سے ترک تعلق جائز نہیں

اسی بنا پر اسلام نے مسلمان بھائی کے ساتھ سنگدلانہ برتاؤ کرنا، اس کا بائیکاٹ کرنا یا

❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابیر، رقم الحدیث: ۶۰۶۴؛

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس، رقم الحدیث: ۲۵۶۳؛ سنن ابی

داؤد، کتاب الأدب، باب فی هجرة الرجل أخاه، رقم الحدیث: ۴۹۱۰۔

اس سے بے رخی برتنا حرام ٹھہرایا ہے۔ اگر دو مسلمانوں کے درمیان بغض پیدا ہو جائے تو ان کو اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تین دن کی مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کو لازماً صلح صفائی کی کوشش کرنا چاہیے۔ چنانچہ قرآن نے مومنین کے جو اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں ان میں سے ایک وصف یہ ہے:

﴿أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ❁

”جو مومنوں پر نرم ہوں گے۔“

اور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَإِنْ مَرَّتْ بِهِ ثَلَاثٌ فَلْيُلِقْهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدْ اشْتَرَكََا فِي الْأَجْرِ وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْإِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهَجْرَةِ.)) ❁

”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔ اس کے بعد اسے چاہیے کہ ملاقات کرے اور اسے سلام کرے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں اجر میں شریک ہوں گے اور اگر وہ جواب نہ دے تو گناہ کا مستحق ہوگا اور سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے بری ہوگا۔“

اگر کسی قرابت دار سے جس کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے قطع رحمی کی جائے تو اس کی حرمت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

❁ ۵/المائدہ: ۵۴۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی ہجرۃ

الرجل أخاه، رقم الحدیث: ۴۹۱۲؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الہجر فوق

ثلاث بلا عذر شرعی، رقم الحدیث: ۲۵۶۰ مختصراً؛ الأدب المفرد للبخاری، باب ان السلام

یجزئ من الصرم، ص ۱۴۹، رقم الحدیث: ۴۱۴۔

رَقِيْبًا ﴿١﴾

”اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو۔ یقین جانو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صلہ رحمی کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

((الرَّحْمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللَّهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللَّهُ.)) ﴿٢﴾

”رحم عرش میں معلق ہو کر کہتا ہے: جس نے مجھے جوڑا اس کو اللہ جوڑے گا اور جس نے مجھے کاٹا اللہ اس کو کاٹے گا۔“

نیز فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ.)) ﴿٣﴾

”قاطع (قطع رحمی کرنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

بعض علماء نے قاطع سے قطع رحمی کرنے والا اور دیگر علماء نے قاطع الطريق (رہزن) مراد لیا ہے اور دونوں تقریباً یکساں ہیں۔

صلہ رحمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک قرابت دار دوسرے قرابت دار کے ساتھ برابری کا معاملہ کرے وہ جڑے تو جڑے اور وہ اچھا سلوک کرے تو یہ اچھا سلوک کرے۔ یہ تو امر طبعی ہے بلکہ جو چیز واجب ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں کو وہ جوڑے اگرچہ کہ وہ اس سے ترک تعلق کریں۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے:

﴿١﴾ ٤/النساء: ١۔ صحیح البخاری، کتاب الأدب باب من وصل وصله الله، رقم الحدیث: ٥٩٨٨، ٥٩٨٩؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم، رقم الحدیث: ٢٥٥٥۔

﴿٢﴾ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب اثم القاطع، رقم الحدیث: ٥٩٨٤؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم، رقم الحدیث: ٢٥٥٦؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صلۃ الرحم، رقم الحدیث: ١٩٠٩۔

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحْمُهُ وَصَلَهَا.)) ❁

”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابری کا معاملہ کرتا ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو قطع رحمی کرنے والے کو جوڑتا ہے۔“

یہ اس صورت میں ہے جب کہ ترکِ تعلق اور بایکٹ اللہ کے لیے، اس کی راہ میں اور حق کی خاطر نہ ہو۔ ورنہ ایمان کی مضبوطی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ محبت بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور بغض بھی اللہ ہی کے لیے۔

چنانچہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے تین ساتھیوں سے جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی پچاس دنوں تک ترکِ تعلق کیا۔ ان سے سلام کلام کا سلسلہ بند رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت بخشا۔ ❁

اسی طرح نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات سے چالیس دن تک علیحدگی اختیار فرمائی۔ ❁

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے سے ترکِ تعلق کیا یہاں تک کہ انتقال ہو گیا، کیونکہ وہ ایک حدیثِ رسول ﷺ کو خاطر میں نہیں لایا جس میں مردوں کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو مسجد جانے سے روکیں۔ ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافی، رقم الحدیث: ۵۹۹۱؛ الأدب المفرد للبخاری، رقم الحدیث: ۶۳؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صلۃ الرحم، رقم الحدیث: ۱۹۰۸؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب فی صلۃ الرحم، رقم الحدیث: ۱۶۹۷۔

❁ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، رقم الحدیث: ۴۴۱۸؛ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب بن مالک، رقم الحدیث: ۲۷۶۹۔

❁ صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ہجرۃ النبی ﷺ نساء ۵، رقم الحدیث: ۵۲۰۲؛ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب الشهر یكون تسعا وعشرين، رقم الحدیث: ۱۰۸۳، ۱۰۸۵؛ مسند احمد

بن حنبل، ۳/۳۲۹، رقم الحدیث: ۴۹۹۳۲۔ ❁ مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۶، رقم الحدیث: ۴۹۳۲؛ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، رقم الحدیث: ۴۴۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی خروج النساء إلى المسجد، رقم الحدیث: ۵۶۶۔

لیکن اگر ترک تعلق اور بغض دنیوی اغراض کے لیے ہو تو یہ نہایت حقیر چیز ہے۔ ایک مسلمان کس طرح اپنے مسلمان بھائی سے بغض رکھ سکتا ہے، جبکہ اس کے نتیجے میں اسے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت سے محروم ہونا پڑے۔ صحیح حدیث میں ہے:

((تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَيَغْفِرُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيَقُولُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا.)) ❁

”جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہر ایسے بندے کی مغفرت فرماتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو سوائے اس شخص کے جس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔“

اور جس کا حق ہو اس کے پاس اس کے بھائی کا معذرت کرنا کافی ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کی معذرت قبول کر لے اور جھگڑا ختم کر دے۔ معذرت قبول نہ کرنا اور اسے رد کر دینا حرام ہے۔ نبی ﷺ نے متنبہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ قیامت کے دن آپ ﷺ کے پاس حوض پر نہ پہنچ سکے گا۔ ❁

باہم صلح صفائی

جن کے درمیان ناچاقی ہو ان کو آپس میں صلح صفائی کر لینا چاہیے کہ یہ اخوت کا

❁ صحیح مسلم، کتاب البر والصلوة، باب النهی عن الشحناء، رقم الحدیث: ۲۵۶۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی ہجرة الرجل أخاه، رقم الحدیث: ۴۹۱۶؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۴۶۵، رقم الحدیث: ۱۰۰۰۶۔ ❁ [اسنادہ ضعیف] مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/۸۱، رقم الحدیث: ۱۳۰۶۱؛ المعجم الأوسط للطبرانی، ۲/۲۱، رقم الحدیث: ۱۰۳۳؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب من قام عن مجلس فرجع فهو أحق به، رقم الحدیث: ۳۷۱۸۔

تقاضا ہے۔ اس کی ذمہ داری معاشرہ پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ اسلامی معاشرہ ایک دوسرے کا کفیل اور معاون ہوتا ہے۔ لہذا اس کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ تماش بین بن کر اپنے بعض فرزندوں کو اس حال میں چھوڑ دے کہ وہ باہم لڑتے جھگڑتے رہیں اور ان کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکتی رہے یا عداوت کی خلیج وسیع ہوتی رہے۔ معاشرہ کے اصحاب الرائے اور اہل لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خالصہ حق کے لیے اور خواہشات نفس سے بچتے ہوئے اس معاملہ میں مداخلت کریں اور تعلقات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ❁

”لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

نبی ﷺ نے حدیث میں اس طرح اصلاح کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور بغض و خصومت کے خطرناک ہونے سے آگاہ فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟
قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ
ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ إِنَّهَا تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلَكِنْ
تَحْلِقُ الدِّينَ.)) ❁

”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ نماز، روزہ اور صدقہ سے بڑھ کر فضیلت والا کام کون سا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ! فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرنا، کیونکہ تعلقات کا بگاڑ مونڈنے والی چیز ہے۔ بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ دین کو مونڈنے والی ہے۔“

❁ ۴۹/الحجرات: ۱۰۔ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی اصلاح

ذات البین، رقم الحدیث: ۴۹۱۹؛ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب: ۵۶، رقم

الحدیث ۲۵۰۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۴۴۴، رقم الحدیث: ۲۷۵۰۸۔

دوسروں کا مذاق نہ اڑایا جائے

سورۃ حجرات کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو حرام قرار دیا ہے جو برادرانہ تعلقات اور انسانی حرمت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

۱۔ اس سلسلہ کی پہلی چیز لوگوں کا مذاق اڑانا ہے۔ کسی مومن کے لیے جو اللہ اور آخرت کا امیدوار ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کا مذاق اڑائے یا اس کی تضحیک کرے یا اسے ہدفِ ملامت بنالے۔ اس میں کبرِ خفی، غرور اور لوگوں کی تحقیر کا جذبہ شامل ہوتا ہے اور یہ حرکت اس معیارِ خیر سے جو اللہ کے پاس ہے جہالت برتنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ

مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ﴿۱﴾

”نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور

نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی خوبی ایمان و اخلاص اور تعلق باللہ میں ہے نہ کہ شکل و

صورت اور جاہ و مال میں۔ حدیث میں آیا ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُورِكُمْ وَلَا إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ

إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ)) ﴿۲﴾

”اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور

اعمال کو دیکھتا ہے۔“

لہذا کسی مرد یا عورت کا اس بنا پر مذاق اڑانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ جسم یا

خلقت کی کسی خرابی میں یا مالی افلاس میں مبتلا ہے؟

﴿۱﴾ ۴۹/الحجرات: ۱۱۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم

المسلم، رقم الحدیث: ۲۵۶۴؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب القناعۃ، رقم الحدیث:

۴۱۴۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۲۸۵، رقم الحدیث: ۷۸۲۷۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کھل گئی۔ اُن کی پنڈلیاں بہت دہلی پتلی تھیں۔ بعض لوگ دیکھ کر ہنس پڑے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اتضحكون من دقة ساقیه؟ والذی نفسی بیدہ لهما اثقل فی

المیزان من جبل احد)) ❁

”کیا تم ان پنڈلیوں کے دبلا ہونے پر ہنستے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس

کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ میزان میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی

ہوں گی۔“

قرآن نے بیان کیا ہے کہ کس طرح مجرم مشرکین صالح مومنین کا اور خاص طور سے کمزور مسلمانوں مثلاً بلال رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذاق اڑاتے تھے اور قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ کس طرح حساب کے دن معیار بدل جائیں گے۔ جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں اُن ہی کا مذاق اڑایا جائے گا۔

آیت میں صراحت کے ساتھ عورتوں کو مذاق اڑانے کی ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ عام طور سے عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑانے کی عادی ہوتی ہیں۔

طعن و تشنیع کرنا

۲۔ اس سلسلہ کی دوسری حرام چیز طعن و تشنیع ہے۔ جو شخص لوگوں میں عیب نکالتا ہے وہ گویا نیزہ سے انہیں زخمی کرتا ہے بلکہ کبھی تو طعن و تشنیع نیزہ کے طعن (زخمی کرنے) سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے، کیونکہ نیزہ کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ”یعنی ایک دوسرے کو طعن نہ کرو۔“ لیکن قرآن نے انفسکم کہہ کر مومنوں کی جماعت کو نفس واحد سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ سب ایک دوسرے کے کفیل اور معاون ہیں لہذا جس نے اپنے بھائی کو طعن

❁ [صحیح لغیرہ] مسند احمد بن حنبل، ۱/۴۲۰، ۴۲۱، رقم الحدیث: ۳۹۹۱؛ مسند الطیالسی، رقم الحدیث: ۳۵۵؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۷۸/۹، رقم الحدیث: ۸۴۵۲، ۸۴۵۳؛ طبقات ابن سعد، ۱۵۵/۳۔

کیا اس نے درحقیقت اپنے ہی نفس کو طعن کیا۔

بُرے لقب سے پکارنا

۳۔ بُرے لقب سے پکارنا بھی طعن و تشنیع ہی کی ایک قسم ہے جو حرام ہے یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناپسند ہو اور جس کے ذریعہ اس کا مذاق اڑایا جائے اور اس پر طعن کیا جائے۔ انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے بھائی کو ایسے لقب سے پکارے جو اس کے لیے باعثِ اذیت ہو۔ یہ سراسر زیادتی ہے اور آداب اور ذوقِ سلیم کے خلاف ہے۔

بدگمانی

۴۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ کے اندر قلوب کی صفائی اور باہمی اعتماد ہو۔ شکوک و شبہات اور وہم و گمان کی فضا نہ ہو۔ اسی لیے مذکورہ آیت میں جو چوتھی حرام چیز بیان کی گئی ہے۔ وہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ، إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

إِثْمٌ.﴾

”اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔“

یہ ظن جو باعثِ گناہ ہے بدگمانی ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کسی وجہ جواز اور کسی واضح دلیل کے بغیر بدگمان ہو جائے۔ لوگوں کو اصلاً بے قصور سمجھنا چاہیے اور بدگمانی کے وسوسوں میں پڑ کر ان پر تہمت لگانے کا موقع نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ.))

۱/۴۹ الحجرات: ۱۲۔ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب یاہا الذین امنوا جتنبوا

کثیراً من الظن، رقم الحدیث: ۶۶، ۶۰؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن

والتحسس، رقم الحدیث: ۲۵۶۳؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ظن السوء،

رقم الحدیث: ۱۹۸۸۔

”بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔“

انسان بشری کمزوری کے باعث لوگوں کے سلسلہ میں شک و گمان سے اپنے کو بالکل بچا نہیں سکتا خاص طور سے ان لوگوں کے بارے میں جن سے تعلقات کشیدہ ہوں لیکن اسے ان خیالات کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ ان کے پیچھے چلنا چاہیے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ:

((اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تَحْقِقْ)) ❁

”جب بدگمانی پیدا ہو تو اسے صحیح خیال نہ کرو۔“

تجسس

۵۔ دوسروں کے بارے میں بد اعتمادی کے نتیجہ میں باطنی طور پر آدمی بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ظاہری طور پر تجسس کرنے لگتا ہے لیکن اسلام معاشرہ کے ظاہر اور باطن دونوں کو پاک صاف رکھنا چاہتا ہے اس لیے بدگمانی کی ممانعت کے ساتھ تجسس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اکثر ایک چیز دوسری چیز کا سبب بنتی ہے۔

لوگوں کی حرمت کو تجسس کے ذریعہ زائل کرنا اور ان کی مخفی باتوں کے پیچھے پڑنا ہرگز جائز نہیں اگرچہ کہ وہ ذاتی طور پر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہوں جب تک کہ وہ اسے چھپاتے رہیں اور کھلے بندوں کا ارتکاب نہ کریں۔

ابو ہیشم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پڑوسی شراب پیتے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کراؤں۔ انہوں نے کہا: ایسا نہ کرو بلکہ انہیں نصیحت اور تنبیہ کرو۔ ابو ہیشم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے انہیں منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتے اس لیے میں انہیں پولیس کے حوالہ کرنا چاہتا ہوں۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

❁ [ضعیف] اتحاف السادة المتقين للزبيدي، ۵۵۲/۷؛ الدر المنثور للسيوطي، ۹۲/۶؛

فتح الباری لابن حجر عسقلانی، ۲۱۳/۱۰؛ التمهيد لابن عبد البر، ۱۲۵/۶۔

((مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ فَكَأَنَّمَا اسْتَحْيَا مَوْءُودَةً فِي قَبْرِهَا.)) ❁

”جس نے کسی کی عیب پوشی کی اس نے گویا زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندگی بخشی۔“

نبی ﷺ نے لوگوں کے عیب ٹٹولنے کو منافقین کی خصلت قرار دیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر بآواز بلند فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ اسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضِ الْإِيمَانَ إِلَى قَلْبِهِ لَا

تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ

الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يُفْضِحْهُ وَلَوْ فِي

جَوْفِ رَحْلِهِ.)) ❁

”اے لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ابھی جن کے دلوں میں ایمان

داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیب کے

درپے ہوگا اور اللہ کسی کے عیب کے درپے ہو تو اسے رسوا کر کے رہے گا

اگرچہ کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔“

لوگوں کی حرمتوں کے تحفظ ہی کی غرض سے آپ ﷺ نے کسی کے گھر میں اس کی

اجازت کے بغیر جھانکنے کی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے:

((مَنْ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقُؤُوا

عَيْنُهُ.)) ❁

❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الستر علی المسلم، رقم

الحديث: ۴۸۹۱، ۴۸۹۲؛ صحیح ابن حبان، ۱/۳۶۷؛ مستدرک حاکم، ۴/۳۸۴۔

❁ [حسن] جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، رقم الحديث:

۲۰۳۲۔ صحیح ابن حبان، بترتیب ابن بلیبان: ۱۳/۷۵، رقم الحديث: ۵۷۶۳؛ مسند احمد بن

حنبل، ۴/۴۲۱، رقم الحديث: ۱۹۷۷۶۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الديات، باب من اطلع

فی بیت قوم، رقم الحديث: ۲۹۰۲؛ صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب تحريم النظر فی بیت

غيره، رقم الحديث: ۲۱۵۸؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۳۸۵، رقم الحديث: ۸۹۹۷۔

”جس نے کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکا اس کے گھر والوں کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔“

اسی طرح لوگوں کی باتیں ان کی مرضی کے بغیر اور ان سے چھپا کر سننا بھی حرام قرار دیا ہے:

((مَنْ اسْتَمَعَ اِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ كَارِهُونَ صُبَّ فِي اُذُنَيْهِ الْاِنِّكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.)) ❁

”جس نے لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنیں درآنحالیکہ وہ اسے ناپسند کرتے

ہوں اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ انڈیل دیا جائے گا۔“

قرآن نے واجب قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی سے ملنا چاہتا ہو وہ اس کے گھر میں

داخل نہ ہو جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے اور سلام نہ کرے۔

تجسس کرنے اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑنے کی ممانعت کا حکم عام ہے جو حکام اور

محلوم دونوں کو شامل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّكَ اِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْ كَدَّتْ

تُفْسِدُهُمْ.)) ❁

”اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو ان میں بگاڑ پیدا کرو گے۔“

اور ابوامامہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الْاَمِيْرَ اِذَا ابْتَغَى الرَّيْبَةَ فِي النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ.)) ❁

❁ صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ، رقم الحدیث: ۷۰۴۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرؤیا، رقم الحدیث: ۵۰۲۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۴۶، رقم الحدیث: ۲۲۱۳۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التجسس، رقم الحدیث: ۴۸۸۸؛ صحیح ابن حبان، بترتیب ابن بلیبان: ۷۳/۱۳، رقم الحدیث: ۵۷۶۰؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۸/۳۳۳۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۴/۶، رقم الحدیث: ۲۳۸۱۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التجسس، رقم الحدیث: ۴۸۸۹؛ مستدرک حاکم، ۴/۳۷۸؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۸/۳۳۳۔

”امیر جب لوگوں میں شک و شبہ کی باتیں تلاش کرنے لگتا ہے تو ان کے اندر بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔“

غیبت

۶۔ چھٹی چیز جس کی سورہ حجرات کی مذکورہ آیت میں ممانعت کر دی گئی ہے، غیبت ہے۔ آپ ﷺ نے غیبت کی تعریف یہ بیان فرمائی ہے:

((اتَدْرُونَ مَا الْغَيْبَةُ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ. قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ.))

”جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: یہ کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناگوار ہو۔ عرض کیا گیا: اگر اس میں وہ بات موجود ہو تو؟ فرمایا: اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی ورنہ تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔“

انسان کو عام طور سے جو باتیں ناگوار ہوتی ہیں وہ عموماً اس کی خلقت، اخلاق اور نسب وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ ﷺ کے لیے صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہونا کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ.))

”تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر میں ملایا جائے تو اس کا پانی متغیر ہو

صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ، رقم الحدیث: ۲۵۸۹؛ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الغیبۃ، رقم الحدیث: ۴۸۷۴؛ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الغیبۃ، رقم الحدیث: ۱۹۳۴۔ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الغیبۃ، رقم الحدیث: ۴۸۷۵؛ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة باب ۵۱، رقم الحدیث: ۲۵۰۲؛ مسند احمد بن حنبل، ۱۸۹/۶، رقم الحدیث: ۲۵۵۶۰۔

جائے۔“

غیبت دوسروں کو گرانے کی خواہش اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کو مجروح کرنا ہے۔ یہ حسرت اور بزدلی کی علامت ہے، کیونکہ یہ پیچھے سے حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ غیبت ایک منفی نوعیت کا کام ہے، کیونکہ جس کو کوئی کام نہیں ہوتا وہ دوسروں کی غیبت کرتا ہے۔ اس بنا پر قرآن نے غیبت کی جو شناخت بیان کی ہے اور جس بلوغ انداز میں اس سے نفرت دلائی ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

﴿وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ

مَيْتًا فَكِرْهُتُمْوهُ.﴾ [۴۹/ الحجرات: ۱۲]

”اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھسن ہی کرتے ہو۔“

انسان کسی بھی انسان کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت کرتا ہے لہذا جب اپنے بھائی کا گوشت ہو اور وہ بھی مردہ بھائی کا تو اس سے کس قدر گھسن آئے گی؟

نبی ﷺ اس قرآنی تصویر کو ذہنوں میں اتارنے کی برابر کوشش کرتے رہے چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دوسرے شخص نے اس کے بارے میں توہین آمیز بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خلال کر لو۔ اس نے عرض کیا: خلال کس وجہ سے کروں؟ میں نے گوشت تو کھایا نہیں ہے۔ فرمایا:

((إِنَّكَ أَكَلْتَ لَحْمَ أَخِيكَ.)) ❁

”تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بدبودار ہوا چلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

❁ [صحیح] المعجم الكبير للطبرانی، ۱۰/۱۰۲، رقم الحدیث: ۱۰۰۹۲؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۸/۲۷۷، رقم الحدیث: ۱۳۱۴۵؛ الترغیب للمندری، ۳/۵۰۶۔

((أَتَدْرُونَ مَا هَذِهِ الرِّيحُ؟ هَذِهِ رِيحُ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ

الْمُؤْمِنِينَ.)) ❁

”جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مومنوں کی غیبت

کرتے ہیں۔“

غیبت کے سلسلہ میں رخصت کے حدود

ان نصوص سے ثابت ہے کہ اسلام میں فرد کی ذاتی حرمت نہایت مقدس ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جن کو علمائے اسلام نے حرام غیبت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس استثناء سے بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس سلسلہ کی ایک بات یہ ہے کہ مظلوم کو ظالم کی شکایت کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ط وَكَانَ

اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ ❁

”اللہ بدگوئی پر زبان کھولنے کو پسند نہیں کرتا، الا یہ کہ کوئی شخص مظلوم ہو۔ اور

اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص متعین شخص کے بارے میں کاروبار میں شرکت یا

اپنی بیٹی کے نکاح یا کوئی اہم ذمہ داری اس کے سپرد کرنے کی غرض سے سوال کرے۔ ایسے

موقع پر دو متعارض باتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ دین میں خیر خواہی واجب ہے اور

دوسرے یہ کہ غیر موجود شخص کی عزت کا تحفظ بھی واجب ہے، لیکن چونکہ پہلی چیز اہم اور

مقدس ہے اس لیے اس کو دوسری چیز پر ترجیح دی جانی چاہیے۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے

❁ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۵۱، رقم الحدیث: ۴۱۷۸۴؛ الادب المفرد

للبخاری، رقم الحدیث: ۷۳۲ باب ۳۰۵؛ مساوی الأخلاق للخرائطی، رقم الحدیث: ۱۹۱،

صفحہ نمبر ۱۰۲؛ شعب الایمان للبیہقی، ۳/۵، رقم الحدیث: ۶۷۳۲۔

❁ ۴/النساء: ۱۴۸۔

نبی ﷺ سے دو پیغام دینے والوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ایک کے بارے میں فرمایا کہ ”وہ مفلس ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں“ اور دوسرے کے بارے میں فرمایا: ”وہ عورتوں کو بہت مارتا ہے۔“^❶

اسی طرح استفتا کے لیے اس کا جواز ہے اور منکر کے ازالہ کے لیے کسی کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے بھی۔

اگر کسی شخص کا نام یا لقب یا وصف ایسا ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو لیکن وہ اسی نام سے مشہور ہو مثلاً اعرج (لنگڑا)، اعمش (کمزور نگاہ والا) ابن فلانہ وغیرہ تو ایسی صورت میں اسے اس نام سے پکارنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح گواہوں اور حدیث کے راویوں پر جرح کرنا بھی جائز ہے۔

ان صورتوں کے جواز کے سلسلہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ایک ضرورت اور دوسرے نیت۔

۱۔ جب تک غیر موجود شخص کے سلسلہ میں ناگوار بات کا تذکرہ کرنے کی شدید ضرورت محسوس نہ ہو اس وقت تک اس دائرہ میں قدم رکھنا صحیح نہیں اور جب تک اشارہ کنایہ سے کام چلتا ہو تصریح نہ کی جائے۔ اسی طرح جب تک عمومیت اختیار کی جاسکتی ہو تخصیص نہ کی جائے، اور کوئی ایسی بات ہرگز نہ کی جائے جو فی الواقع اس شخص میں موجود نہ ہو ورنہ بہتان ہوگا جو حرام ہے۔

۲۔ ان تمام باتوں کے سلسلہ میں فیصلہ کن چیز نیت ہے۔ انسان خود دوسروں کے مقابلہ میں محرکات کو بہتر طور پر جانتا ہے۔ نیت ہی کے ذریعہ غیبت و تنقید اور نصیحت و برائی کی تشہیر وغیرہ کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مومن اپنے نفس کا نہایت سختی کے ساتھ محاسبہ کرتا ہے۔

❶ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها رقم الحدیث: ۱۴۸۰؛ ارواء الغلیل للالبانی، ۲۰۹/۶، ۲۱۰، رقم الحدیث: ۱۸۰۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۴۱۴/۶، رقم الحدیث: ۶۷۳۳۶؛ مستدرک حاکم، ۵۵/۴۔

اسلام کے نزدیک غیبت سننے والا بھی گناہ میں شریک ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی مدد کرے اور اس کی طرف سے مدافعت کرے۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عَرَضِ أَخِيهِ الْغَيْبَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتَقَهُ

مِنَ النَّارِ.)) ❁

”جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ نہ ہونے دے اللہ پر حق ہے کہ اسے آگ سے نجات بخشنے۔“

((مَنْ رَدَّ عَنْ عَرَضِ أَخِيهِ فِي الدُّنْيَا رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ.)) ❁

”جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کی عزت کو بچائے گا اللہ قیامت کے دن اس کے چہرہ کو آگ سے بچائے گا۔“

لیکن جو شخص یہ حوصلہ نہ رکھتا ہو اور اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے والی زبانوں کو روک نہ سکتا ہو اسے چاہیے کہ ایسی مجلس سے نکل جائے اور ایسے لوگوں سے اعراض کرے جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ نہیں جاتے، ورنہ عجب نہیں کہ اس کا شمار بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ﴾ ”ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو۔“ کے مطابق ان غیبت کرنے والوں میں ہو جائے۔

چغتل خوری

۷۔ غیبت سے مشابہت رکھنے والی ایک عادت چغتل خوری ہے جسے اسلام نے شدید

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۶/۴۶۱، رقم الحدیث: ۲۷۶۰۹؛ حلیۃ الأولیاء لابی نعیم: ۶/۶۸، رقم الحدیث: ۸۷۱۲؛ شرح السنۃ للبقوی، ۱۳/۱۰۷، رقم الحدیث: ۳۵۲۹؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/۹۵۔ ❁ [حسن] جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الذب عن عرض المسلم، رقم الحدیث: ۹۱۳۱؛ مسند احمد بن حنبل، ۶/۴۴۹، رقم الحدیث: ۲۷۵۳۶؛ شرح السنۃ للبقوی، ۱۳/۱۰۶، رقم الحدیث: ۳۵۲۸، کتاب الصمت لابن ابی الدنیا، ص ۱۴۸، رقم الحدیث: ۲۴۰۔

طور پر حرام ٹھہرایا ہے۔ چغل خوری یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی بات سنے تو باہمی تعلقات کو خراب کرنے اور فساد پیدا کرنے کی غرض سے وہ بات اس شخص تک پہنچا دے۔ قرآن نے مکی دور کے اوائل ہی میں اس بُری خصلت کی مذمت کی تھی۔

﴿وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَلَاْفٍ مَّهِيْنٍ، هَمَّاَزٍ مَّشَاءٍ بِنَمِيْمٍ﴾ ❁

”ایسے شخص کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا اور بے وقعت ہے جو

طعنے دیتا اور چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ﴾ ❁

”جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔“

نیز فرمایا:

﴿شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَاءُ وَنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفْرَقُونَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ

الْبَاغُونَ لِلْبُرَاءِ الْعَيْبِ﴾ ❁

”اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں۔ دوستوں کے

درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں اور بے قصوروں میں عیب کے خواہاں ہوتے ہیں۔“

اسلام جھگڑوں کے تصفیہ اور باہم صلح صفائی کی غرض سے اس بات کو جائز قرار دیتا

ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے بارے میں بدگوئی کی ہو تو اصلاح کرنے والا شخص

اسے چھپائے اور اپنی طرف سے اچھی بات کا اضافہ کرے۔ حدیث میں ہے:

﴿لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا اَوْ نَمِيًّا

❁ ۶۸/القلم: ۱۱، ۱۰۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما یکرہ من النمیمۃ،

رقم الحدیث: ۶۰۵۶؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ، رقم

الحدیث: ۱۰۵ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی القتات، رقم الحدیث: ۴۸۷۱۔

❁ [حسن بشواہدہ] مسند احمد بن حنبل، ۴/۲۲۷، رقم الحدیث: ۱۷۹۹۸؛ مساوی

الأخلاق للخرائطی، ص ۱۱۹، رقم الحدیث: ۲۳۵؛ مسند بزار، ۷/۱۵۸، رقم

الحدیث: ۲۷۱۹۔

خَيْرًا.))

”وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے اچھی بات کہے یا اچھی بات (ان میں سے کسی کی طرف) منسوب کرے۔“

اسلام ان لوگوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جو بُری بات سن کر مکر و فساد کی غرض سے فوراً اسے ادھر سے ادھر پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ انہوں نے جو کچھ سنا ہے اسے بیان کر دیں بلکہ اسے نمک مرچ لگا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی طرف سے مزید باتیں گھڑ کر بھی پیش کرنے لگتے ہیں۔

ایک شخص عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوسرے شخص کی برائی کرنے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم چاہو تو ہم تمہارے معاملہ میں غور کریں گے۔ اگر تم جھوٹے ہو تو آیت ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کرو) میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان میں سے ہو اور اگر سچے ہو تو آیت ﴿هَمَّازٍ مَّشَاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ (جو طعنے دیتا ہے اور چغل خوری کرتا ہے) میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان میں سے ہو اور اگر تم چاہو تو ہم تم سے درگزر کریں گے۔ اس شخص نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ درگزر ہی کیجیے۔ میں اب دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

عزت کی حرمت

۸۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ کس طرح لوگوں کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے بلکہ کس طرح اس کو درجہ تقدیس تک پہنچایا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا: ”تیری عظمت اور تیری حرمت

صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس، رقم الحدیث: ۲۶۹۲؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الکذب و بیان ما یباح منه، رقم الحدیث: ۲۶۰۵؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/۱۹۷؛ فتح الباری لابن حجر عسقلانی، ۲۹۹/۵۔

کا کیا کہنا لیکن مومن کی حرمت تجھ سے بھی بڑھ کر ہے۔“ ❁

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جم غفیر میں خطبہ دیتے ہوئے

ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَدِمَاءَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ

يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا)) ❁

”تمہارے مال، تمہاری عزت اور تمہارے خون تم پر اسی طرح حرام ہیں جس

طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔“

اسلام کی نظر میں فرد کی عزت اس قدر عزیز ہے کہ جو بات اس کو ناگوار ہو سکتی ہو اس کا

ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ کہ وہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح

ہو۔ اور جب وہ ایسی بات کو گوارا نہیں کرتا تو بے بنیاد باتوں اور افتراء پر دازیوں کو کیونکر گوارا

کرے گا؟ ایسی صورت میں تو وہ گناہ کبیرہ بن جائے گا۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ ذَكَرَ امْرَأً بِشَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ لِيُعَيْبَهُ بِهِ حَبْسَهُ اللَّهُ فِي

نَارِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَأْتِيَ بِنَفَادٍ مَا قَالَ فِيهِ)) ❁

”جس نے کسی شخص کے بارے میں ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تاکہ

اس میں عیب نکالا جائے تو اللہ اسے جہنم کی آگ میں روکے گا یہاں تک کہ

وہ اپنی بات صحیح ثابت کر دکھائے۔“

❁ [اسنادہ ضعیف] جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماء جاء فی تعظیم المؤمن، رقم

الحدیث: ۲۰۳۲؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، رقم الحدیث:

۳۹۳۲؛ اتحاف السادة المتقين للزبيدي، ۱۷۹/۹۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب

المغازی، باب حجة الوداع، رقم الحدیث: ۴۴۰۶؛ صحیح مسلم، کتاب القيامة باب تغليظ

تحريم الدماء والأعراض والأموال، رقم الحدیث: ۱۶۷۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۴۱/۵، رقم

الحدیث: ۲۰۴۱۹۔ ❁ [اسناد ضعیف] المعجم الصغير للطبرانی، ۴۳۲/۹، رقم الحدیث:

۸۹۳۱؛ مجمع الزوائد للهيثمي، ۱۷۸/۸، رقم الحدیث: ۱۳۱۴۷، کتاب الزهد لابن المبارك،

رقم الحدیث: ۶۸۸۶۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

((أَتَدْرُونَ أَرْبَى الرَّبَا عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ:

فَإِنَّ أَرْبَى الرَّبَا عِنْدَ اللَّهِ اسْتِحْلَالُ عِرْضِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ.)) ❁

”جانتے ہو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا سود کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا:

اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سب سے بڑا سود اللہ کے

زدیک مسلمان کی عزت کو حلال کر لینا ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ

احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا.﴾ ❁

”جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو جبکہ وہ بے قصور ہوں اذیت دیتے ہیں

وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔“

عزت پر حملہ کرنے کی بدترین صورت یہ ہے کہ عفت مآب مومن عورتوں پر بے

حیائی کے ارتکاب کی تہمت لگائی جائے جس سے ان کو اور ان کے خاندان والوں کو سخت

تکلیف پہنچتی ہے اور ان کا مستقبل خطرہ میں پڑ جاتا ہے نیز اس سے مسلمانوں کے معاشرہ

میں بے حیائی کی اشاعت ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کا شمار سات مہلک کبیرہ

گناہوں میں کیا ہے اور قرآن نے اس پر سخت وعید سنائی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ

وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.﴾ ❁

❁ [صحیح] مسند ابی یعلیٰ الموصلی، ۱۸۹/۴، رقم الحدیث: ۴۶۷۰؛ الدر المنثور

للسیوطی، ۲۲۱/۵؛ شعب الایمان للبیہقی، ۲۹۸/۵، رقم الحدیث: ۶۷۱۱؛ مجمع الزوائد

للہیثمی، ۱۷۴۸، رقم الحدیث: ۱۳۱۳۲؛ ولہ شاهد من سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی

الغیبة، رقم الحدیث: ۴۷۸۶، ❁ ۳۳/الاحزاب: ۵۸۔ ❁ ۲۴/النور: ۲۳، ۲۴۔

”جو لوگ پاکدامن، غافل، مومن، عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ دن جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔“

خون کی حرمت

۹۔ اسلام نے انسانی زندگی کو مقدس اور انسانی جانوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ انسانی جان پر زیادتی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

﴿أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ❁

”کہ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔“

یہ اس لیے کہ پوری نوع انسانی ایک خاندان کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک شخص پر زیادتی درحقیقت نوع انسانی پر زیادتی ہے۔ یہ حرمت اس صورت میں شدید ہو جاتی ہے جبکہ مقتول مومن ہو۔

﴿وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ

اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ ❁

”اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ

ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس نے اس

کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

❁ ۱/۵ المائدہ: ۳۲۔

❁ ۲/۴ النساء: ۹۳۔

((لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ)) ❁
 ”دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں کمتر درجہ کا ہے۔“

اور فرمایا:

((لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا)) ❁
 ”مومن دین کی گنجائشوں کے اندر رہتا ہے جب تک کہ قتلِ حرام کا مرتکب نہیں ہوتا۔“

نیز فرمایا:

((كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا الرَّجُلُ يَمُوتُ مُشْرِكًا
 أَوْ الرَّجُلُ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا)) ❁

”ہر گناہ کے بارے میں اللہ سے مغفرت کی توقع کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کے جس کی موت شرک پر ہو یا وہ شخص جس نے مومن کو عمداً قتل کیا ہو۔“

مذکورہ آیات و احادیث کے پیش نظر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی، غالباً ان کے نزدیک توبہ کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ افراد کے حقوق لوٹائے جائیں، یا انہیں راضی کر لیا جائے۔ لیکن مقتول کے حق کو لوٹانے یا اس کو راضی کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

اور دیگر علما کا کہنا ہے کہ سچی توبہ مقبول ہے اور وہ شرک تک کو مٹا دیتی ہے، لہذا جو گناہ

❁ [صحیح] جامع ترمذی، کتاب الديات، باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن، رقم الحدیث: ۱۳۹۵؛ سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب تعظیم الدم، رقم الحدیث: ۳۹۹۲؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الديات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلماً، رقم الحدیث: ۲۶۱۹۔

❁ صحیح بخاری، کتاب الديات، باب نمبر ۱، رقم الحدیث: ۶۷۶۲؛ مسند احمد بن حنبل، ۹۴/۲، رقم الحدیث: ۵۶۸۱؛ مستدرک حاکم، ۳۵۱/۴۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، باب فی تعظیم قتل المؤمن، رقم الحدیث: ۴۲۷۰؛ صحیح ابن حبان، ۳۱۸/۱۳، رقم الحدیث: ۵۹۸۰؛ مستدرک حاکم، ۳۵۱/۴۔

شُرک سے کم درجہ کا ہو اس سے توبہ کر لی جائے تو وہ کیونکر قبول نہ ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا. يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا. إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا.﴾

”جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو الہ نہیں پکارتے اور نہ کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ بجز اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کیا تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے

نبی ﷺ نے مسلمان کے قتال کو ایک قسم کا کفر اور جاہلیت کا کام قرار دیا ہے۔ اہل جاہلیت ایک اونٹنی یا ایک گھوڑے کی خاطر جنگ اور خونریزی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((سَبَابُ الْمُسْلِمِ فَسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ))

”مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔“

❦ ۲۵/الفرقان: ۶۸، ۷۰۔ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، رقم الحديث: ۲۰۴۴؛ صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق، رقم الحديث: ۲۴؛ جامع ترمذی، کتاب الايمان، باب ما جاء في سباب المسلم فسوق، رقم الحديث: ۲۶۳۵۔

((لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) ﴿١﴾
 ”میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔“

نیز فرمایا:

”جب دو مسلمان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھاتے ہیں تو وہ جہنم کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے تو دونوں جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا: یا رسول اللہ! قاتل کا معاملہ تو سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن مقتول کیوں جہنم میں داخل ہوگا؟ فرمایا: وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔“ ﴿٢﴾

اسی لیے نبی ﷺ نے ہر ایسے کام سے منع فرمایا ہے جو موجب قتل یا باعث جنگ ہو خواہ یہ صورت ہتھیار کے ذریعہ اشارہ کرنے سے کیوں نہ پیدا ہوتی ہو:

((لَا يُشْرَ أَحَدُكُمْ إِلَىٰ أَخِيهِ بِالسَّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ)) ﴿٣﴾
 ”تم میں سے کوئی شخص ہتھیار سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے۔ کیا معلوم شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“

نیز فرمایا:

”جس نے اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا اس پر فرشتے لعنت

﴿١﴾ صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب (ومن أحيها)، رقم الحدیث: ۶۸۶۸، ۶۸۶۹؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفاراً، رقم الحدیث: ۶۶، ۶۵؛ مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۳۰، رقم الحدیث: ۲۰۳۶۔

﴿٢﴾ صحیح بخاری، کتاب الدیات باب (ومن أحيها)، رقم الحدیث: ۶۸۷۵؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب إذا التقى المسلمان بسيفهما، رقم الحدیث: ۳۹۶۵۔ ﴿٣﴾ صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ من حمل علينا السلاح، رقم الحدیث: ۷۰۷۲؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلوة، باب النهی عن الاشارة بالسلاح، رقم الحدیث: ۲۶۱۷؛ مسند احمد بن حنبل، ۵/۴۱، رقم الحدیث: ۲۰۶۲۴۔ [بلفظ مختلف]

بھیجتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس سے باز آ جائے خواہ وہ اس کا سگ بھائی ہی

کیوں نہ ہو۔“ ❁

بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرے۔“ ❁

گناہ کا مستحق صرف قاتل ہی نہیں ہوگا بلکہ وہ شخص بھی ہوگا جو قول یا فعل سے اس میں شریک ہو۔ وہ اپنی شرکت کے بقدر اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا حتیٰ کہ جو شخص قتل کے موقع پر موجود ہو وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ حدیث میں ہے: ”کوئی شخص ایسی جگہ موجود نہ رہے جہاں کسی شخص کو قتل کیا جا رہا ہو، کیونکہ جو لوگ اس موقع پر موجود ہوں اور اس کو بچانے کی کوشش نہ کریں ان پر لعنت نازل ہوتی ہے۔“ ❁

معاهد اور ذمی کے خون کی حرمت

جن نصوص میں مسلمان کے قتل و قتال کی حرمت بیان کی گئی ہے وہ ایک اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کے لیے قانون اور ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کا خون حلال ہے۔

درحقیقت ہر انسانی جان محترم ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے اس کا تحفظ ضروری ہے، بشرطیکہ غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ برسرِ جنگ نہ ہوں۔ اور اگر وہ معاهد یا ذمی ہوں تو ان کی جان کا تحفظ بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ ان پر زیادتی

❁ صحیح البخاری، کتاب البر والصلة، باب لا ینھی عن الاشارة بالسلاح، رقم الحدیث: ۲۶۱۶؛ الدر المنثور للسیوطی، ۳/۴۸۵؛ کنز العمال للمتقی الہندی، رقم الحدیث: ۳۹۸۸۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۲/۲۵۶، رقم الحدیث: ۷۴۷۶۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب من یاخذ الشئ من مزاج، رقم الحدیث: ۵۰۰۴؛ مسند احمد بن حنبل، ۵/۳۶۲، رقم الحدیث: ۷۴۷۶۔ ❁ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۱/۲۰۷، رقم الحدیث: ۱۱۶۷۵؛ حلیۃ الأولیاء لابی نعیم الأصبہانی، ۳/۳۹۵، رقم الحدیث: ۴۳۹۴؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۶/۴۴۳، رقم الحدیث: ۱۰۷۱۰۔

کرے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرُحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ

مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا.)) ❁

”جس نے کسی معاہدہ (جس سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا وہ

جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت

تک پھیلی ہوئی ہوگی۔“

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ.)) ❁

”جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔“

خون کی حرمت کب زائل ہوتی ہے؟

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ.﴾ ❁

”اور کسی نفس کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔“

یہ حق درج ذیل جرائم میں سے کسی جرم کے ارتکاب کی صورت میں قائم ہوتا ہے:

۱۔ ظلماً قتل کرنے کی صورت میں جس شخص کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ قتل

کے جرم کا مرتکب ہوا ہے اس سے قصاص لینا واجب ہے یعنی جان کے بدلہ جان

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ﴾ ❁ (تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔)

❁ صحیح البخاری، کتاب الجزية، باب اثم من قتل معاهداً، رقم الحديث: ۳۱۶۶؛ سنن ابن

ماجة، کتاب الدیات، باب من قتل معاهداً، رقم الحديث: ۲۶۸۶؛ سنن نسائی، کتاب القيامة،

باب تعظیم قتل المعاهد، رقم الحديث: ۴۷۵۱، ۴۷۵۲ [صحیح] [سنن النسائی، کتاب

القيامة، باب تعظیم قتل المعاهد، رقم الحديث: ۴۷۵۳؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۳۷/۴، رقم

الحديث: ۱۸۰۷۲؛ الجامع الأحكام القرآن للقرطبي، ۱۳۴/۷؛ كنز العمال للمتقى هندی،

رقم الحديث: ۱۰۹۲۸۔ ❁ ۶۰/الانعام: ۱۵۱۔ ❁ ۲/البقرة: ۱۷۹۔

۲۔ کھلے بندوں زنا کا ارتکاب اس طور سے کہ چار صالح اشخاص عیانا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لیں اور اس کی گواہی دیں، بشرطیکہ وہ نکاح کے جائز طریقہ سے واقف ہو۔ اگر وہ خود حاکم کے سامنے چار مرتبہ اس کا اقرار کر لے تو وہ گواہی کے قائم مقام ہوگا۔

۳۔ دین اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے نکل جانا اور اس خروج کے ذریعہ علانیہ اسلامی جماعت کو چیلنج کرنا۔ اسلام کسی کو اس دین میں داخل ہونے کے لیے مجبور نہیں کرتا لیکن وہ اس بات کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ آدمی دین کے ساتھ کھینے لگے۔

حدیث میں ہے:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِأَحَدٍ ثَلَاثٍ: النَّفْسِ بِالنَّفْسِ

وَالثَّيْبِ الزَّانِي وَالْتَّارِكِ لِدِينِهِ الْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ.)) ❁

”مسلمان کا خون حلال نہیں بجز تین صورتوں کے: جان کے بدلہ جان، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب اور دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہونے والا۔“

لیکن ان صورتوں میں اس حق کے نفاذ کی ذمہ داری صاحب امر کی ہے۔ افراد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ خود اس حق کو نافذ کریں تاکہ امن کو خطرہ لاحق نہ ہو اور لاقانونیت پیدا نہ ہو جائے نیز ہر شخص اپنے کو قاضی اور قانون کے نفاذ کا ذمہ دار نہ سمجھ لے۔ البتہ قتل عمد کی صورت میں جبکہ قصاص لینا واجب ہے اسلام نے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ حاکم کی موجودگی میں اپنے ہاتھ سے قصاص لے سکتے ہیں تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور

❁ صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس، رقم

الحدیث: ۶۸۷۸؛ صحیح مسلم، کتاب القیامۃ، باب ما یباح بہ دم المسلم، رقم الحدیث: ۱۶۷۶؛

سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، رقم الحدیث: ۴۳۵۲؛ سنن ابن ماجہ،

کتاب الحدود، باب لا یحل دم امرئ مسلم إلا فی ثلاث، رقم الحدیث: ۲۵۳۴؛ ارواء الغلیل

للألبانی، ۲۵۳/۷، رقم الحدیث: ۲۱۹۶۔

انتقام کی آگ بجھ جائے اور اس ارشاد الہی کی تعمیل ہو:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي

الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾ ❁

”جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے لہذا وہ قتل میں

حد سے تجاوز نہ کرے اس کی مدد کی گئی ہے۔“

خودکشی

قتل کے سلسلہ میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں ان کے پیش نظر اس جرم میں خودکشی بھی شامل ہے۔ لہذا جس نے خودکشی کی خواہ کسی ذریعہ سے کی ہو اس نے ایک نفس کو قتل کر دیا جس کا ناحق قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔

انسان اپنی زندگی کا آپ مالک نہیں ہے، کیونکہ وہ زندگی کے ایک خلیہ کا بھی خالق نہیں ہے۔ زندگی تو اللہ کی امانت ہے لہذا اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس معاملہ میں کسی زیادتی کا مرتکب ہو کجا کہ وہ اس کا خاتمہ کر دے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ ❁

”اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔“

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان شدائد کا مقابلہ مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ کرے۔ کسی مصیبت سے گھبرا کر یا کسی امید کے بر نہ آنے کی صورت میں زندگی سے فرار کی راہ اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مومن مجاہدہ کے لیے پیدا ہوا ہے بیٹھ رہنے کے لیے نہیں اور اس کی تخلیق کشمکش کے لیے ہوئی ہے فرار کے لیے نہیں۔ اس کا ایمان اور اس کا اخلاق کا رگاہ حیات سے فرار اختیار کرنے سے ابا (انکار) کرتے ہیں۔ اس کے پاس ایسا ہتھیار ہے جو کبھی خراب نہیں ہوتا اور ایسا ذخیرہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہتھیار ایمانِ محکم ہے اور وہ ذخیرہ اخلاق کی پختگی کا ہے۔

جو شخص اس جرمِ شنیع کا مرتکب ہو اس کو رسول اللہ ﷺ نے وعید سنائی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم اور اس کے غضب کا مستحق ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان میں ایک شخص تھا جو زخمی ہو گیا اور جزع فزع کرنے لگا۔ اسی حالت میں اس نے چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا جس سے اس قدر خون بہہ پڑا کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنے نفس کے معاملہ میں جلد بازی کی لہذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔“ ❁

یہ مثال ہے ایسے شخص کی جو زخم کی تاب نہ لا کر خودکشی کر بیٹھا اور جنت کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو جو لوگ کاروبار میں تھوڑے بہت نقصان یا امتحان میں ناکام ہو جانے کی بناء پر خودکشی کر بیٹھتے ہیں ان کا معاملہ کس قدر شدید ہوگا؟ کمزور ارادہ کے لوگوں کو یہ وعید سن لینی چاہیے جو حدیث نبوی میں بیان ہوئی ہے:

((مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سَمًا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا)) ❁

”جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرتا رہے گا، اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی وہ جہنم

❁ صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث: ۳۴۶۳؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسه، رقم الحدیث: ۱۱۳؛ مسند احمد بن حنبل: ۳۱۲/۴، رقم الحدیث: ۱۸۸۰۰؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۶۱/۲، رقم الحدیث: ۱۶۶۴۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الطب باب شرب السم والدواء به، رقم الحدیث: ۵۷۷۸؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان نفسه، رقم الحدیث: ۱۰۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۲۵۴/۲، رقم الحدیث: ۷۴۴۸۔

کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھ سے زہر کھاتا رہے گا۔ اور جس نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوہے کی اس چیز سے اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا۔“

مال کی حرمت

۱۰۔ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان جس قدر چاہے مال جمع کرے، بشرطیکہ یہ جمع کرنا جائز طریقہ پر ہو اور آمدنی میں اضافہ کے ذرائع بھی جائز ہی اختیار کیے جائیں۔ بعض مذاہب میں یہ جو کہا گیا ہے کہ:

”دولت مند آسمان کی بادشاہی میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔“

تو اس کے مقابلہ میں اسلام کہتا ہے:

((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ)) ❁

”صالح مال، صالح آدمی کے لیے بہترین چیز ہے۔“

اسلام جہاں فرد کے لیے جائز ملکیت کا قائل ہے وہاں وہ بذریعہ قانون اس کی حفاظت کا سامان بھی کرتا ہے، نیز اخلاقی ہدایات کے ذریعہ بھی غصب، چوری اور مکرو فریب کے ذریعہ دوسروں کے مال میں زیادتی کرنے سے روکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جان، مال اور آبرو کی حرمت ایک ہی سیاق میں بیان فرمائی ہے اور چوری کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔ فرمایا: ”چور مومن ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا۔“ ❁

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱۹۷/۴، رقم الحدیث: ۱۷۷۶۳؛ المعجم الأوسط للطبرانی، ۱۳۰/۴، رقم الحدیث: ۳۲۱۳؛ مستدرک حاکم، ۲/۲، رقم الحدیث: ۲۱۷۵؛ شرح السنة للبقوی، ۹۱/۱۰، رقم الحدیث: ۲۴۹۵۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، رقم الحدیث: ۴۴۰۶؛ صحیح مسلم، کتاب القيامة باب تغليظ تحريم الدماء والاعراض والاموال، رقم الحدیث: ۱۶۷۹؛ مسند احمد بن حنبل، ۳۱۷/۲، رقم الحدیث: ۸۲۰۲۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً ابِمَا كَسَبَا نَكَالًا
مِّنَ اللَّهِ﴾ ❁

”اور چور مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کیے کا بدلہ اور
اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کی رضا کے بغیر اس کا
ایک عصا بھی لے لے۔“ ❁

اور ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ
تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ❁

”اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ
لیں دین ہو آپس کی رضامندی سے۔“

رشوت حرام ہے

رشوت بھی لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کی ایک صورت ہے۔ رشوت یہ
ہے کہ مال صاحب اقتدار یا سرکاری ملازم کو پیش کیا جائے تاکہ وہ اس کے حق میں یا اس
کے حریف کے خلاف فیصلہ کرے یا اس کا کام کر دے یا اس کے حریف کے کام کو مؤخر کر
دے وغیرہ۔

اسلام نے حکام اور ان کے معاونین کے لیے رشوت ستانی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ نہ
رشوت دینا جائز ہے اور نہ اس کا قبول کرنا۔ اسی طرح دونوں کے درمیان واسطہ بننا بھی

❁ ۵/المائدہ: ۳۸۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ما يحذر من الحدود، رقم
الحديث: ۶۷۷۲؛ صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب بيان نقصان الايمان بالمعاصي، رقم
الحديث: ۵۷؛ صحیح ابن حبان، ۱۳/۳۱۶، رقم الحديث: ۵۹۷۸؛ مسند احمد بن حنبل،
۵/۴۲۵، رقم الحديث: ۲۳۶۰۵۔ ❁ ۴/النساء: ۲۹۔

ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ❁

”آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ ان

کو حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا

کوئی حصہ قصداً حق تلفی کر کے کھانے کا موقع مل جائے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ)) ❁

”اللہ کی لعنت ہے حکومت کے معاملات میں رشوت دینے والے پر بھی اور

رشوت لینے والے پر بھی۔“

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي وَالرَّائِشَ)) ❁

”رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور دونوں

کے درمیان واسطہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔“

رشوت لینے والا اگر ظلم کرنے کی غرض سے رشوت لیتا ہے تو اس کے جرم کی سنگینی ظاہر

ہی ہے۔ اور اگر عدل کرنے کی غرض سے لیتا ہے تو عدل کرنا اس کی ذمہ داری ہے اس کے

عوض مال قبول کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کی طرف بھیجا تا کہ وہ

خراج کی مقدار مقرر کریں۔ یہود نے کچھ مال کی ان کے لیے بھی پیش کش کر دی لیکن انہوں

❁ ۲/البقرة: ۱۸۸۔ [حسن] مسند احمد بن حنبل، ۳۸۷/۲، رقم الحدیث: ۹۰۲۳؛

جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، رقم الحدیث:

۱۳۳۶؛ مستدرک حاکم، ۱۰۳/۴؛ صحیح ابن حبان، ۴۶۷/۱۱، رقم الحدیث: ۵۰۷۶۔

❁ [ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۲۷۹/۵، رقم الحدیث: ۲۲۳۹۹؛ مستدرک حاکم،

۱۰۳/۴؛ کشف الاستار، [مسند البزار]: ۱۲۴/۲، رقم الحدیث: ۱۳۵۳۔

نے کہا: ”تم نے رشوت کی جو پیشکش کی ہے وہ حرام ہے۔ ہم رشوت نہیں کھاتے۔“^❶

رشوت ستانی کی یہ حرمت اور اس گناہ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں اسلام کے سخت احکام قابلِ تعجب نہیں ہیں، کیونکہ کسی بھی سماج میں رشوت کا عام ہونا ظلم و فساد کے عام ہونے کے مترادف ہے۔ رشوت لے کر خلافِ حق فیصلے کیے جاتے ہیں اور جس کا کام بعد میں ہونا چاہیے اس کا پہلے اور جس کا پہلے ہونا چاہیے اس کا بعد میں کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ سماج میں فرائض کی انجام دہی کی اسپرٹ پیدا ہونے کے بجائے مفاد پرستی کی اسپرٹ (روح) پیدا ہو جاتی ہے۔

حکام کے آگے ہدیے پیش کرنا

اسلام رشوت کو حرام قرار دیتا ہے خواہ اس کی کوئی صورت اور کوئی نام ہو۔ رشوت کو ہدیہ کے نام سے پیش کرنے سے اس کی حرمتِ حلت میں تبدیلی نہیں ہو جاتی حدیث میں ہے:

((مَنْ اسْتَعْمَلَنَا عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اخَذَهُ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ))^❷

”جس کو ہم نے کسی کام پر مقرر کر دیا اور اس کے معاش کا بھی انتظام کر دیا اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہوگی۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے تو انہوں نے جواب دیا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ تھا اور ہمارے لیے رشوت ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والی کو قبیلہ ازد کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔

❶ [اسنادہ مرسل صحیح] مؤطا امام مالک، کتاب المساقاة، باب ماجاء فی المساقاة، رقم الحدیث: ۲؛ مسند احمد بن حنبل، ۳/۳۶۷، رقم الحدیث: ۱۴۹۵۳؛ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الخرص، رقم الحدیث: ۳۴۱۳، ۳۴۱۴۔ ❷ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی أرزاق العمال، رقم الحدیث: ۲۹۴۳؛ مستدرک حاکم، ۱/۴۰۶، السنن الکبریٰ للبیہقی، ۶/۳۵۵۔

جب وہ واپس آیا تو اس نے کچھ مال اپنے لیے روک رکھا اور کہا: یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔ نبی ﷺ اس پر برہم ہوئے اور فرمایا: ”اگر تم سچے ہو تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھے رہتے اور پھر دیکھ لیتے کہ ہدیہ تمہارے پاس آتا ہے یا نہیں“ پھر فرمایا:

((مَالِي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ وَهَذَا لِي هَدِيَّةً. أَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أُمِّهِ لِيُهْدَى لَهُ. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بَغَيْرِ حَقِّ إِلَّا آتَى اللَّهَ يَحْمِلُهُ، فَلَا يَأْتِيَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِبَعِيرٍ لَهُ رِغَاءٌ أَوْ بَقْرَةٌ لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةٌ تَيْعَرُ. ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَى بَيَاضَ إِبْطِيهِ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ.))

”کیا بات ہے کہ جس شخص کو میں عامل مقرر کرتا ہوں وہ کہتا ہے: یہ تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ ہے۔ وہ اپنی ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا کہ ہدیہ اس کے پاس آجاتا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز بغیر حق کے لے گا وہ اللہ کے ہاں اس مال کو اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا تو دیکھو تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن اپنی گردن پر اونٹ، گائے یا بکری کو اٹھائے ہوئے نہ آئے اس حال میں کہ یہ جانور چیخ رہے ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا: اے اللہ! میں پہنچا چکا۔“

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب ہدایا العمال، رقم الحدیث: ۷۱۷۴؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب تحریم ہدایا العمال، رقم الحدیث: ۱۸۳۲؛ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی ہدایا العمال، رقم الحدیث: ۲۹۳۶؛ السنن الکبریٰ للبیہقی،

”ان شدید احکام کے پیش نظر قاضی اور والی کو چاہیے کہ وہ خود کو اپنے ماں باپ کے گھر میں فرض کر لے۔ منصب سے معزولی کی صورت میں اسے اپنی ماں کے گھر میں رہتے ہوئے جو کچھ ملتا اس کو منصب پر رہتے ہوئے حاصل کرنا جائز ہوگا اور جس کے بارے میں اسے یہ معلوم ہو کہ یہ منصب کی بناء پر مل رہا ہے تو اس کا لینا حرام ہوگا۔ رہے احباب کے وہ ہدیے جن کے بارے میں اشکال محسوس ہو کہ معزولی کی صورت میں اسے ملتے یا نہیں تو وہ مشتبہ ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔“ [احیاء علوم الدین، کتاب الحلال، ص ۱۳۷]

رفع ظلم کے لیے رشوت

جس شخص کی حق تلفی ہو رہی ہو اور بجز رشوت کے کوئی صورت اس کے حصول کی نہ ہو یا اس پر ظلم کیا جا رہا ہو اور سوائے رشوت کے اس کا دفعیہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے رفع ظلم اور حصول حق کی بہتر صورت پیدا فرمائے، لیکن اگر اس مجبوری کی بناء پر اسے رشوت دینا پڑے تو گناہ رشوت لینے والے کے سر ہوگا، دینے والے پر نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس نے دوسرے تمام ذرائع سے کام لیا ہو اور وہ بے سود رہے ہوں نیز وہ رشوت دے کر ظلم کو دور کرنا یا اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہونہ کہ دوسروں کی حق تلفی کرنا۔

بعض علما اس سلسلہ میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے

فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص میرے پاس سے اپنے بغل میں صدقہ کا مال دبائے نکل جاتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے آگ ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ جب اس کے لیے آگ ہے تو آپ اسے کس طرح دیتے ہیں؟ فرمایا: ”کیا کروں، وہ اس طرح مانگتے ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے اور اللہ عزوجل کو یہ بات پسند نہیں کہ میں بغل

سے کام لوں۔“ ❁

جب اصرار کے دباؤ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سائل کو مال دیا کرتے تھے اور یہ جانتے ہوئے دیا کرتے تھے کہ یہ لینے والے کے حق میں آگ ہے تو ظلم کو دفع کرنے اور اپنا تلف شدہ حق وصول کرنے کی ضرورت کا دباؤ قبول کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا؟

اپنے مال میں اسراف کرنا حرام ہے

جس طرح دوسروں کے مال کی حرمت ہے اسی طرح انسان کے اپنے مال کی بھی حرمت ہے۔ اسے نہ ضائع کرنا چاہیے اور نہ اسراف سے کام لے کر ادھر ادھر بکھیر دینا چاہیے افراد کے مال میں امت کا حق ہے اور تمام مالکوں کے بعد وہی اس کی مالک ہے۔ اسی لیے اسلام نے امت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ نادان لوگوں کے مال کو روکے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ ❁

”اور اپنے مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نادانوں کے حوالہ نہ کرنا البتہ اس سے انہیں کھلاؤ، پہناؤ اور ان سے بھلے طریقہ پر بات کرتے رہو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت سے مخاطب ہو کر کہا ہے اَمْوَالِكُمْ (تمہارے مال) حالانکہ بظاہر یہ ان کے مال نہیں ہیں لیکن چونکہ حقیقاً افراد کا مال مجموعی طور پر امت کا مال ہے اس لیے اَمْوَالِكُمْ فرمایا۔

اسلام انصاف اور اعتدال کا دین ہے اور امت مسلمہ امتِ وسط ہے اور مسلمان ہر معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسراف اور تبذیر سے منع فرمایا ہے۔ نیز بخل اور تنگی کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۴/۳-۱۶۶، رقم الحدیث: ۱۱۱۲۳، ۱۱۱۰۴؛ مستدرک حاکم، ۱/۴۶؛ صحیح ابن حبان، ۸/۲۰۳، رقم الحدیث: ۳۴۱۴؛ مجمع الزوائد للہیثمی، ۳/۹۴۔ ❁ ۴/النساء: ۵۔

﴿يَبْنِي آدَمَ خُدُوًا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ﴿١﴾

”اے بنی آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اسراف یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ نے حرام ٹھہرائی ہیں ان میں خرچ کیا جائے خواہ کم خرچ کیا جائے یا زیادہ۔ مثلاً شراب، مخدراتِ عقل، سونے چاندی کے برتن وغیرہ۔ یا اپنے نفس اور دیگر لوگوں پر مال اڑایا جائے حالانکہ نبی ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یا جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس میں بے دریغ اتنا خرچ کیا جائے کہ ہاتھ خالی ہو جائے۔ ﴿٢﴾

امام رازی رحمہ اللہ آیت ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ ﴿٣﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خرچ کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے چنانچہ نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا: ”رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔“ ﴿٤﴾ اور فرمایا: ”نہ تو اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو۔“ ﴿٥﴾ نیز فرمایا: جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تنگی سے۔“ ﴿٦﴾

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

”جب تم میں سے کسی شخص کے پاس مال ہو تو وہ اپنے نفس سے ابتداء کرے

﴿١﴾ ۷/الاعراف: ۳۱۔ صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ما یکرہ من قیل وقال، رقم

الحدیث: ۶۴۷۳؛ صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب النهی عن کثرة المسائل، رقم

الحدیث: ۵۹۳۔ ﴿٢﴾ ۲/البقرة: ۲۱۹۔ ﴿٣﴾ ۱۷/اسراء: ۲۵۔

﴿٤﴾ ۱۷/اسراء: ۲۹۔ ﴿٥﴾ ۲۵/فرقان: ۶۷۔

پھر جو اس کے زیر کفالت ہوں ان پر اور ان کے بعد دوسرے لوگوں پر خرچ کرے۔“¹

نیز فرمایا:

”بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی کو غنی رہنے دے۔“²

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک شخص انڈے کے بقدر سونا لے آیا۔ اور عرض کیا: اسے صدقہ میں قبول فرمائیے۔ تم بخدا! میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا، لیکن وہ شخص پھر سامنے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ اور اس کو غصہ کی حالت میں لے کر اسکی طرف اس طرح پھینک دیا کہ اگر کسی کے لگ جاتا تو اس کے چوٹ آ جاتی۔ پھر فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آ جاتا ہے اور پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے بیٹھ جاتا ہے۔ صدقہ وہ ہے جو غنی کی حالت کو برقرار رکھتے ہوئے کیا جائے۔ اسے لے لو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔“³

- ¹ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب الابتداء فی النفقة با لنفس ثم أهله، رقم الحدیث: ۹۹۷؛ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی بیع لمدبر، رقم الحدیث: ۳۹۵۷؛ مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۰۵؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب الرجل ینخرج من ماله، رقم الحدیث: ۱۶۷۶۔
- ² مسند احمد بن حنبل، ۳/۴۳۴، رقم الحدیث: ۱۵۵۷۷؛ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی، رقم الحدیث: ۱۰۳۴؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴/۱۸۰؛ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب الرجل ینخرج من ماله، رقم الحدیث: ۱۶۷۶۔
- ³ [اسناد ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب الرجل ینخرج من ماله، رقم الحدیث: ۱۶۷۳؛ مستدرک حاکم: ۱/۴۱۳؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴/۱۸۱؛ ارواء الغلیل للألبانی، ۳/۴۱۶،

رقم الحدیث: ۸۹۸]

”نبی ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی خوراک ذخیرہ کر کے رکھتے تھے۔“¹

دانثور کہتے ہیں:

”فضیلت افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے اور بہت کم خرچ کرنا نخل ہے اور بہترین صورت اعتدال کی ہے اور یہی مطلب ہے قُلِ الْعَفْوَ کا۔ اس دقیق نکتہ کو ملحوظ رکھنے پر شریعت محمدیہ کا دار و مدار ہے، کیونکہ یہود کی شریعت پوری طرح سخت گیری پر مبنی ہے اور نصاریٰ کی شریعت پوری طرح سہل انگاری پر۔ شریعت محمدیہ ہی ان تمام امور میں متوسط ہے۔ اسی لیے وہ ان سب کے مقابلہ میں کامل ترین شریعت ہے۔“²



¹ صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة على أهله، رقم الحدیث:

۵۶۵۷؛ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب حکم الفی، رقم الحدیث: ۱۷۵۷۔

² تفسیر رازی، ج ۶، ص ۵۱۔

غیر مسلمین سے تعلقات

دین کے مخالفین کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اگر ہم اسلام کی تعلیمات کو اجمالاً بیان کرنا چاہیں تو قرآن کریم کی دو آیتیں ہی کافی ہیں جو اس معاملہ میں ایک جامع دستور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ آیتیں یہ ہیں:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الدّٰىنِ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدّٰىنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبْرُوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ . اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الدّٰىنِ قَاتِلُوْكُمْ فِى الدّٰىنِ وَاَخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوْا عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلّٰوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلّٰهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

”اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ ایسے لوگوں سے جو دوستی کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔“

پہلی آیت میں ان غیر مسلمین کے ساتھ جو مسلمانوں کے دشمن یا ان سے برسرِ جنگ نہیں ہیں نہ صرف عدل و انصاف کی بلکہ حسن سلوک اور ”بر“ کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ ”بر“ ایک جامع لفظ ہے جو ہر قسم کے خیر اور بھلائی کو شامل ہے۔ گویا ”بر“ عدل سے زائد چیز ہے۔

آیت کے الفاظ ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ﴾ (اللہ تمہیں نہیں روکتا) سے حسن سلوک کے

مطلوب ہونے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اسلوب اس بنا پر اختیار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ دین کے مخالفین حسن سلوک اور عدل وغیرہ کے مستحق نہیں ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے واضح کر دیا گیا کہ اللہ مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، دوستی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے روکتا ہے جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ ہوں اور ان کے خلاف جارحیت اختیار کریں۔

اہل کتاب کے ساتھ خصوصی رعایت

اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتا ہے خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر۔ چنانچہ قرآن یَا أَهْلَ الْكِتَابِ (اے اہل کتاب!) اور یَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی) کہہ کر ان سے خطاب کرتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلاً آسمانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں لہذا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان رشتہ اور قرابت ہے یعنی اس دین واحد کے اصولوں میں اتفاق ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین رہا ہے۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا
تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ ﴿١٣﴾

”اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس کو تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کی تھی کہ اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔“

اور مسلمانوں سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں۔ اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے۔ اہل کتاب جب قرآن پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی کتابوں اور ان کے پیغمبروں کی اس میں کس قدر تعریف کی گئی ہے۔ مسلمان جب اہل کتاب سے بحث کریں تو انہیں ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے جن سے نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہوں:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَاللَّهُنَا وَاللَّهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ ❁

”اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔ اور کہو ہم ایمان لائے اُس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی۔ ہمارا الہ اور تمہارا الہ ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے مسلم ہیں۔“

اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے میں شرکت اور ان کا ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ زوجیت کا رشتہ سکون و موڈت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہے عام اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا روادارانہ سلوک اور خاص طور سے نصاریٰ کو تو اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں قریبی جگہ دی ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي﴾

ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ❁

”تم ایمان لانے والوں کی دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“

ذِمِّي (اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہری)

مذکورہ ہدایات تمام اہل کتاب کے سلسلہ میں ہیں خواہ وہ کہیں رہتے ہوں لیکن جو اہل کتاب اسلامی حکومت کے زیر سایہ مقیم ہوں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ اصطلاحاً ان کو ”ذِمِّي“ کہا جاتا ہے۔ ذِمَّة یعنی عہد۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے ساتھ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت کا یہ عہد ہے کہ وہ اسلام کے زیر سایہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ جدید اصطلاح میں اسلامی حکومت کے ”شہری“ ہیں اور قرن اول سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔ بجز ان امور کے جو عقیدہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ اسلام ان کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی آزادی دیتا ہے۔ ذمیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے:

((مَنْ اذَى ذِمِّيًّا فَقَدْ اذَانِي وَمَنْ اذَانِي فَقَدْ اذَى اللّٰهَ)) ❁

”جس نے ذمی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے

اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔“

((مَنْ اذَى ذِمِّيًّا فَاَنَا خَصْمُهُ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمُهُ خَصْمَتُهُ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ)) ❁

”جس نے ذمی کو اذیت دی اس کے خلاف میں مقدمہ لڑوں گا اور جس کے

❁ (قال الالبانی: لا أضلّ له بهذا للفظ) المعجم الصغير للطبرانی، ص ۲۰۳، رقم الحديث:

۴۶۹؛ المعجم الأوسط للطبرانی، ۴/۳۷۳، رقم الحديث: ۳۶۳۲؛ مجمع الزوائد للهيثمی،

۱۷۹/۲، رقم الحديث: ۳۰۹۲۔ ❁ [اسنادہ منکر] تاریخ بغداد للخطیب البغدادی،

۳۷۰/۸، رقم الحديث: ۴۴۷۲؛ تنزیہ الشریعة المرفوعة لابن عراق الکنانی، ۱۸۲/۲، رقم

الحديث: ۲۰؛ کتاب الموضوعات لابن الجوزی، ۲/۲۳۳، رقم الحديث: ۱۲۰۷؛ وله شاهد

من سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمة، رقم الحديث: ۳۰۵۴۔

خلاف میں مقدمہ لڑوں گا وہ قیامت کے دن ضرور مغلوب ہوگا۔“
 ((مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ حَقًّا أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بَغَيْرِ طَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَإِنَّا حَاجِبُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.))
 ”جس نے معاہدہ (جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو) پر ظلم کیا یا اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر ڈال دیا یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا۔“

ان غیر مسلم شہریوں کے حقوق اور حرمتوں کا لحاظ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء برابر کرتے رہے اور فقہائے اسلام نے فقہی اختلافات کے باوجود ان حقوق اور حرمتوں سے پورا پورا اتفاق کیا ہے۔

مالکی فقہ کے عالم شہاب الدین قرافی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ذمیوں کے عہد نے ہم پر کچھ حقوق عائد کیے ہیں، کیونکہ وہ ہماری ہمسائیگی حفاظت اور امان میں آگئے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دین اسلام نے امان عطا کی ہے لہذا جو شخص ان پر کسی قسم کی زیادتی کرے گا خواہ وہ معمولی حد تک ہو، مثلاً ان سے بُری بات کہنا یا ان میں سے کسی کی غیبت کرنا یا انہیں کسی قسم کی اذیت پہنچانا یا اس طرح کی باتوں میں تعاون کرنا تو وہ اللہ، اس کے رسول اور دین اسلام کے عطا کردہ امان کو تلف کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔“

ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جو ذمی ہو اور اہل حرب ہمارے ملک میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا چاہیں تو ہم پر واجب ہے کہ مسلح ہو کر ان کا مقابلہ کریں اور جو شخص اللہ اور اس کے

1 [حسن] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمة، رقم الحدیث: ۳۰۵۲؛

السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۰۵/۹؛ تنزیہ السریعة المرفوعة: ۱۸۲/۲ بحوالہ ابو داؤد۔

2 کتاب الفروق للقرافی۔

رسول کی امان میں ہے اس کی حفاظت کرتے ہوئے مرجانا پسند کریں لیکن اس کو دشمنوں کے حوالہ نہ کریں کہ یہ ذمی بنالینے کے معاہدہ سے بے اعتنائی برتنے کے مترادف ہے۔ ❁

غیر مسلمین سے موالات کے تعلقات اور اس کا مطلب

ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ غیر مسلمین کے ساتھ نیکی، دوستی اور حسن معاشرت کے تعلقات کس طرح پیدا کیے جاسکتے ہیں جبکہ قرآن خود کفار کے ساتھ دوستی کا تعلق پیدا کرنے اور انہیں اپنا حلیف اور دوست بنانے کی ممانعت کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصْرَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ ۖ﴾ ❁

”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو اپنا دوست بنائے گا تو اس کا شمار بھی ان ہی میں ہے اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ان ہی میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ ہر یہودی، نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو، ورنہ یہ بات ان آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی جن میں خیر پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور اہل کتاب کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ اور کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ زوجیت کا تعلق قرآن کے نزدیک باعث موڈت و رحمت ہے۔ اور نصاریٰ

کے بارے میں قرآن کا بیان ہے کہ تم انہیں اپنا قریبی دوست پاؤ گے۔

جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا، انہیں راز دار بنانا اور ملی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس کی صراحت دوسری آیتوں میں کی گئی ہے۔ ﴿

مثلاً سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةَ مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۗ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ ۗ أَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَٰئِنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ ۗ﴾ ﴿

”اے ایمان والو! اہل ایمان کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہیں

﴿

مصنف نے یہاں اس بات کا دعویٰ کیا ہے اہل کتاب کے ساتھ نیکی اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کیا جائے بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف جدوجہد میں شریک نہ ہوں۔ ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ۔ سورہ ممتحنہ کی وہ آیات جن میں اہل کتاب کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا گیا ہے وہ کئی مفسرین کے ہاں منسوخ ہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں جو کفار کے ساتھ محبت و حسن و سلوک اور ان سے نہ لڑنے کا حکم ہے، اسلام کے شروع میں تھا پھر اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کو اس آیت نے منسوخ قرار دے دیا ہے۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ ان سے لڑائی کرو۔ اور یہ کہا کہ یہ حکم (دوستی) صلح حدیبیہ کے لئے تھا جب مکہ فتح ہو گیا تو حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سورہ ممتحنہ کی اس آیت کا مطلب کفار کے ساتھ حسن سلوک نتیجتاً ہوگا۔ اس سے دلی دوستی کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نیکی حسن سلوک اور احسان سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے لئے دوستی کے جذبات رکھے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ آپکو کوئی قوم ایسی نہیں ملے گی جو اللہ، یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی ہو اور پھر ان سے دوستی رکھے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔ یہ آیت لڑنے والوں اور نہ لڑنے والوں سب کے لئے عام ہے۔ امام شوکانی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی موقف ہے۔ دیکھئے [اعلام بنقد کتاب الحلال والحرام، ص ۱۶]

یہ بحث [فتح الباری، ۵/۲۳۳] اور نیل الأوطار، ۶/۴ میں ہے۔ ﴿

۳/ آل عمران: ۱۱۸، ۱۱۹۔

نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے۔ جو بات تمہارے لیے باعثِ زحمت ہو وہ ان کو محبوب ہے۔ ان کا بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے اپنے احکام واضح کر دیئے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ یہ تم ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔“

اس آیت میں ایسے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں سے نفرت و عداوت کو دل میں چھپاتے ہیں لیکن ان کی گفتگو سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ ﴿١﴾

”جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے کبھی نہ پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، ان کے بھائی ہوں یا اہلِ خاندان۔“

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا مطلب محض کفر کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ﴾ ﴿٢﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اس سے وہ انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور تم کو اس بناء پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔“

یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی تھی اور مسلمانوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا تھا محض اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ موالات کے تعلقات کسی حال میں جائز نہ تھے۔ اس کے باوجود قرآن نے ان لوگوں سے دوستی کی امید منقطع کرنے کے لیے نہیں کہا اور نہ ان سے قطعی طور پر مایوسی کا اعلان کیا، بلکہ مسلمانوں سے کہا کہ وہ حالات کی تبدیلی اور دلوں کی صفائی کے لیے پر امید رہیں۔ چنانچہ اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا ہے:

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ط

وَاللَّهُ قَدِيرٌ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١﴾

”عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن

سے تمہاری دشمنی ہے۔ اللہ بڑی قدرت والا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔“

قرآن کی اس تشبیہ کے نتیجے میں دشمنی کی حدت کم ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((أَبْغَضُ عَدُوِّكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا.)) ﴿٢﴾

”اپنے دشمن سے بغض کسی قدر کم رکھو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست

بن جائے۔“

البتہ دشمنوں سے موالات کی حرمت اس صورت میں مؤکد ہو جاتی ہے جبکہ وہ ایسے

قوی ہوں کہ ان سے لوگ تعلقات رکھتے ہوں اور ڈرتے بھی ہوں۔ منافق اور دل کے

مریض ایسے لوگوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ان کے کام آتے ہیں اس امید پر کہ

کل کو یہ بات ان کے حق میں سود مند ثابت ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ

نَحْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ط فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ

١ ٦٠ / الممتحنة: ٧ - [صحیح] جامع ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی

الاقتصاد فی الحب والبغض، رقم الحدیث: ١٩٩٧؛ شعب الایمان للبیہقی، ٥ / ٢٦٠، رقم

الحدیث: ٢٥٩٣؛ الکامل لابن عدی: ٢ / ٥٩٣۔

عِنْدِهِ فَيُضْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنفُسِهِمْ نَدِيمِينَ ﴿١﴾

”تم دیکھتے ہو کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ ان ہی لوگوں میں دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔ مگر بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہیں فتح بخشے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر نادام ہوں گے۔“

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِيْنَ يَتَّخِذُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَيْتَعُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

جَمِيْعًا﴾ ﴿٢﴾

”منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ ان کے نزدیک عزت کے خواہاں ہیں؟۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔“

مسلمان حکام ہوں یا رعایا۔ فنی امور میں جو دین سے متعلق نہیں ہیں مثلاً طب، صنعت، زراعت وغیرہ میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں اگرچہ کہ ان کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ ان تمام امور میں خود کفیل ہوں۔

سیرت نبوی میں ہمیں یہ واقعہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عبد اللہ بن اریقط کی خدمات ہجرت کے موقع پر رہبری کے لیے حاصل کی تھیں۔ ﴿٣﴾ علماء کہتے ہیں: رہبری سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ خاص طور سے مدینہ کی ہجرت کا معاملہ تو بڑا ہی خطرناک تھا لیکن جب آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ایک کافر کی خدمات حاصل کر لیں تو اس سے واضح ہوا کہ کسی کے کافر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر کسی معاملہ میں بھی

﴿١﴾ ۵/ المائدة: ۵۲۔ ﴿٢﴾ ۴/ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹۔ ﴿٣﴾ [سندہ حسن] سیرة ابن ہشام،

۱۱۲/۲؛ مستدرک حاکم، ۸/۳، رقم الحدیث: ۴۳۳۱؛ البدایة والنہایة لابن کثیر، ۳/۱۸۹؛

بدون تعیین اسم الہادی فی صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرة النبی ﷺ إلى المدينة، رقم الحدیث: ۳۹۰۵۔

بھروسہ نہ کیا جائے۔ جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں سے اکثر کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام غیر مسلمین اور خاص طور سے اہل کتاب کا تعاون جنگی معاملات میں حاصل کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں مسلمانوں کی طرح ان کا حصہ بھی مالِ غنیمت میں مقرر کر سکتا ہے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض یہودیوں سے جنگ کے موقع پر تعاون حاصل کیا تھا اور ان کے لیے مالِ غنیمت میں حصہ مقرر کیا تھا اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے حالانکہ اس وقت وہ مشرک تھے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کا تعاون حاصل کیا جائے اس کے بارے میں مسلمانوں کی رائے اچھی ہو۔ اگر مسلمانوں کو اس پر بھروسہ نہ ہو تو ایسے شخص کا تعاون حاصل کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ جب ہم کسی ایسے مسلمان کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرتے ہیں جو لوگوں کو خوفزدہ کرتا ہو یا افواہیں پھیلاتا ہو تو کافر سے بدرجہ اولیٰ احتراز کرنا چاہیے۔ ❁

مسلمان کا غیر مسلم کو ہدیہ دینا، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے بدلہ میں ہدیہ دینا جائز ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے تھے۔ ❁

حدیث کے حفاظ کہتے ہیں: ایسی حدیثیں بہ کثرت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کا ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”نجاشی نے مجھے کپڑے کا جوڑا اور ریشم بھیجا ہے۔“ ❁

اسلام انسان کا انسان ہونے کی حیثیت سے احترام کرتا ہے اور اگر وہ اہل کتاب میں سے ہو نیز معاہدہ یا ذمی بھی ہو تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں کہیں زیادہ لائق احترام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے

❁ مغنی، ج ۸، ص ۴۱۔ ❁ [صحیح] مسند احمد بن حنبل، ۱/۹۲، ۱۴۵؛ جامع

ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین، رقم الحدیث: ۱۵۷۶؛ مسند بزار،

رقم الحدیث: ۷۷۸؛ ولہ شواہد عند البخاری فی کتاب الہبۃ، باب قبول الہدیۃ من المشرکین،

رقم الحدیث: ۲۲۱۵، ۲۶۱۶۔ ❁ [اسناد ضعیف] مسند احمد بن حنبل، ۶/۴۰۴، رقم

الحدیث: ۲۷۲۷۶؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ۸/۹۵؛ ارواء الغلیل للالبانی، ۶/۶۲؛

المعجم الکبیر للطبرانی، ۲۵/۸۱، رقم الحدیث: ۲۰۵؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۶/۲۶۔

کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا: ”کیا وہ انسان نہیں ہے؟“ ❁

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر انسان لائق احترام ہے اور ہر ایک کا ایک مقام ہے۔

اسلام کی رحمتِ عامہ جانوروں کو بھی شامل ہے

غیر مسلموں کے ساتھ بدسلوکی اور اذیت دہی کس طرح جائز ہو سکتی ہے جبکہ، اسلام ہر ذی روح پر رحم کرنے کی ہدایت کرتا ہے یہاں تک کہ بے زبان جانور کے ساتھ بھی سنگدلانہ برتاؤ اسے ناپسند ہے۔

اسلام نے تیرہ سو سال پہلے جانوروں کے ساتھ نرمی برتنے کی تعلیم دی تھی۔ اس کے نزدیک جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ایمان کی ایک شاخ ہے اور ان کو اذیت پہنچانا اور سنگدلی برتنا آدمی کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک واقعہ سنایا کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت سے بے دم ہو رہا تھا۔ وہ کنویں میں اتر گیا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر لایا اور اس کتے کو پلا دیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے اس کی اس خدمت کی قدر کی اور اسکی مغفرت فرمائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اجر ہے؟ فرمایا:

((فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٌ أَجْرٌ)) ❁

”ہر تڑجگر (جاندار) کے ساتھ سلوک کرنا باعثِ اجر ہے۔“

اس روشن پہلو کے ساتھ جو مغفرت اور رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ ہے

❁ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من قام للحنازة يهودی، رقم الحدیث: ۱۳۱۲؛

صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب القيام للحنازة، رقم الحدیث: ۹۶۱؛ سنن النسائی، کتاب

الجنائز، باب القيام الجنازة أهل الشرك، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۔ ❁ صحیح البخاری، کتاب

المساقاة، باب فضل سقى الماء، رقم الحدیث: ۲۳۶۳؛ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل

سقى البهائم المحترمة، رقم الحدیث: ۲۲۴۴۔

نبی ﷺ نے دوسرے پہلو کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جو اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا موجب ہے۔ فرمایا:

((دَخَلَتْ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ حَبِسَتْهَا فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ

تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ)) ❁

”ایک عورت کو اس وجہ سے آگ میں داخل کر دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو

بند کر رکھا تھا۔ نہ اسے کچھ کھلاتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے

مکوڑے ہی کھالے۔“

حیوان کی حیوانیت کا احترام بھی آپ ﷺ اس درجہ فرماتے تھے کہ گدھے کے چہرہ

پر داغ دینا بھی آپ ﷺ نے گوارا نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک گدھے کو

دیکھا جس کے چہرہ پر داغ دیا گیا تھا تو بڑی ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:

((وَاللَّهِ لَا أَسْمُهُ إِلَّا فِي أَقْصَى شَيْءٍ مِنَ الْوَجْهِ)) ❁

”اللہ کی قسم!، میں تو چہرہ کو چھوڑ کر بہت دور داغ دیتا ہوں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک گدھا آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا جس کے

چہرہ پر داغ دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا بَلَّغَكُمْ أَنِّي لَعْنْتُ مَنْ وَسَمَ الْبَهِيمَةَ فِي وَجْهِهَا أَوْ ضَرَبَهَا

فِي وَجْهِهَا)) ❁

”تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے چہرہ پر

داغ دے یا اس کے چہرہ پر مارے۔“

❁ صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقى الماء رقم الحديث: ۲۳۶۵؛ صحیح

مسلم، کتاب السلام، باب تحريم قتل الهرة، رقم الحديث: ۲۲۴۲؛ مسند احمد بن حنبل:

۲/۲۶۱، رقم الحديث: ۷۵۴۷۔ ❁ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النهی عن ضرب

الحيوان في وجهه، رقم الحديث: ۲۱۱۸۔ ❁ [صحیح] سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب النهی

عين الوسم في الوجه، رقم الحديث: ۲۵۶۴؛ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النهی عن ضرب

الحيوان في وجهه، رقم الحديث: ۲۱۱۷؛ موارد الظمان للهيثمی، ۳۱۶/۶، رقم الحديث: ۲۰۰۳۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے تیر اندازی سیکھنے کے لیے مرغی کو ہدف بنا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنْ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا.)) ❁

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی ذی روح کو ہدف بنائے۔“

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ.)) ❁

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔“

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ إِخْصَاءِ الْبَهَائِمِ نَهْيًا شَدِيدًا.)) ❁

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو خصی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔“

اہل جاہلیت جانوروں کے کان چیرا کرتے تھے۔ قرآن نے اس کی مذمت کی اور

اسے وحی شیطانی سے تعبیر کیا۔

ذبیحہ کی بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسلام اس بات کا کس قدر خواہش مند ہے

کہ ذبح کرنے کا سب سے زیادہ راحت رساں طریقہ اختیار کر کے ذبیحہ کو آرام پہنچایا

جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے تیز چھری کو استعمال کرنے، اس کو جانور کی نظر سے

چھپانے اور دوسرے جانوروں کے سامنے اس کو ذبح نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔

جانور پر اسلام کی اس درجہ عنایت جو تصویر سے بالاتر ہے، ایک ایسی روشن حقیقت

ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

❁ صحیح البخاری، کتاب الذبائح، باب ما یکرہ من المثلۃ والمصبورۃ، رقم الحدیث: ۵۵۱۵؛

صحیح مسلم، کتاب الصيد، باب النهی عن صبر البہائم، رقم الحدیث ۲۵۶۲ واللفظ لہ۔

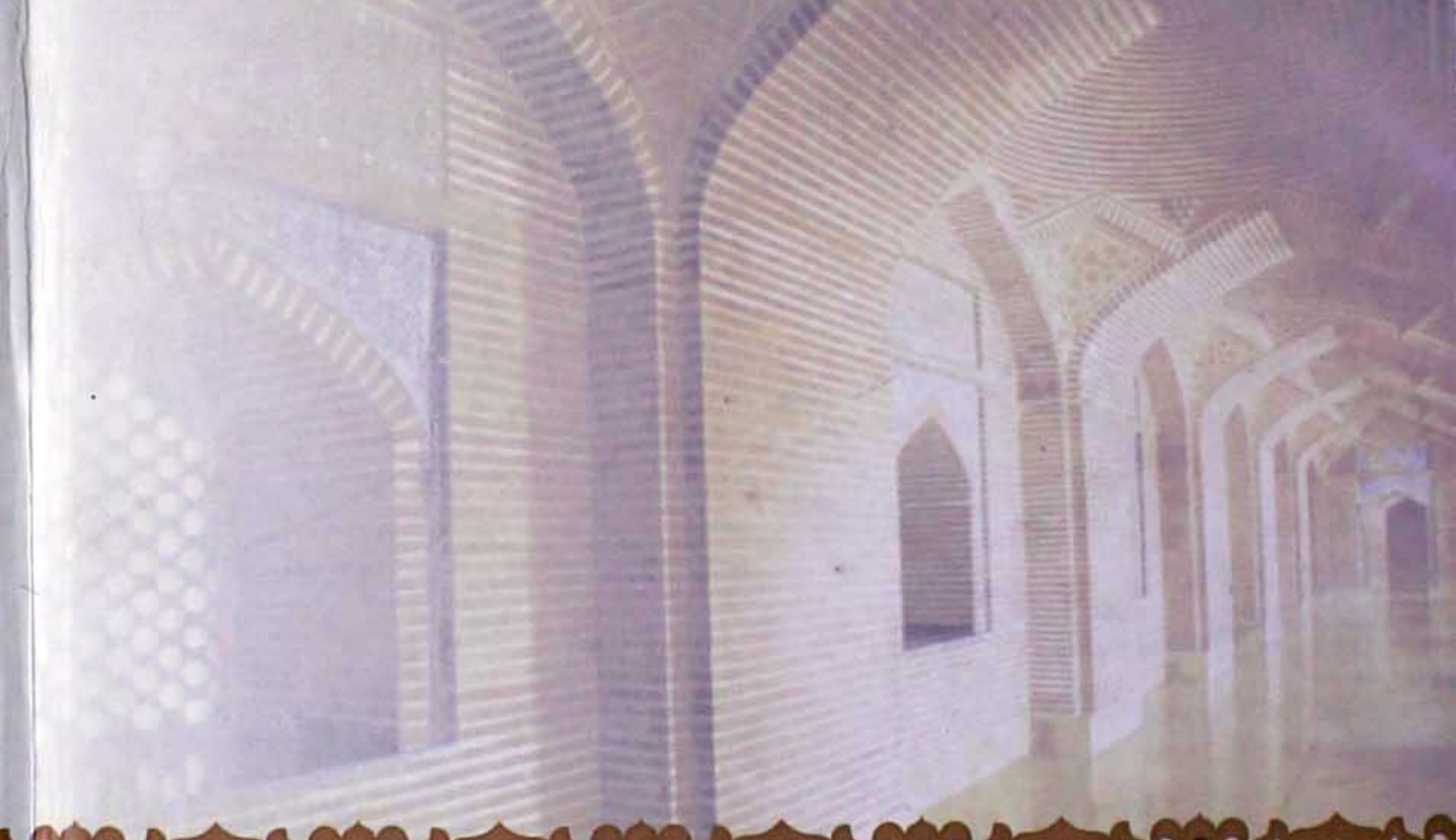
❁ [اسنادہ ضعیف] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی التحریش بین البہائم، رقم الحدیث: ۲۵۶۲؛

جامع ترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی کراہیۃ التحریش بین البہائم، رقم الحدیث: ۱۷۰۸؛

السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۲/۱۰؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ۷۰۱۱، رقم الحدیث: ۱۱۱۲۳۔

❁ مجمع الزوائد للہیثمی، ۲۶۵/۵؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، ۲۴/۱۰؛ مسند بزار، رقم

الحدیث: ۱۶۹۰۔



اسلام میں
حلال و حرام